

حقوق مردان حقوق نسوان

اسلام کی روشن تعلیمات کے آئینے میں

تالیف

حافظ صلاح الدین یوسف

مشیر و فاقی شرعی عدالت پاکستان

نگراں شعبہ تحقیق و تصنیف المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

www.KitaboSunnat.com

تقدیم و نظر ثانی

فضیلۃ الشیخ علامہ عبدالقادر رحمانی رحمۃ اللہ علیہ

مجلس البحوث العلمی

المدینة داسلامک ریسرچ سینٹر



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربنہ
معدت البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب حقوق نسواں اور حقوق مردوں
تالیف حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ
مقدمہ فضیلۃ الشیخ علامہ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ
ناشر المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی
کمپیوٹر لے آؤٹ عبدالحمید صغیر / محمد امین شگری
سن اشاعت اول 2016
تعداد اشاعت 1100
قیمت

ملنے کا پتہ:

* فضلی سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ، اردو بازار کراچی، فون 02132629724، 32212991

* مکتبہ اسلامیہ، غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور، 37232369، 042 37244973

ناشر

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر



info@islamfort.com +92-21-35896959 www.islamfort.com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فہرست مضامین

13

22

28

33

36

36

44

48

61

51

52

57

58

59

62

63

مقدمہ

عرض مؤلف

کچھ زیر نظر کتاب کے بارے میں

عورت کے شرف و وقار کے تحفظ کے لئے اسلامی تعلیمات کا خلاصہ

شادی سے قبل اور شادی کے بعد

مرد اور عورت کے دائرہ کار کا اختلاف

معاشی کفالت کا ذمے دار اور خاندان کا سربراہ

عورت کے لئے پردے کا حکم

دراشت میں عورت کا نصف حصہ

مرد کو ایک سے زیادہ چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے

مرد کا حق طلاق اور اس کی حکمت

جدید ماہرین کا اعتراف

مسئلہ شہادت نسواں اور مرد و عورت کے درمیان فرق و اختلاف کی تین صورتیں

	◆
	◆
	◆
80	■ ضلعی حکومتوں کے نئے نظام میں عورتوں کی نمائندگی
81	■ مملکت کی سربراہی، مسلمان خواتین کے حل طلب ضروری مسائل کی ایک فہرست
	◆
94	■ حالات کی تبدیلی سے اجتہادی احکام تبدیل ہو سکتے ہیں نہ کہ منصوص احکام
96	■ مغرب کی کامیابی لاوینیت کا نہیں، مسلسل عمل اور علم و ہنر کا نتیجہ ہے
	◆
105	◆ حقوق نسواں (بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی تفصیل اور اس کی بابت مرد کی ذمہ داریاں)
106	■ عورت کے ساتھ حسن معاشرت کی تاکید
109	■ حسن معاشرت کے لیے چند رہنما اصول
109	■ حق مہر کی ادائیگی
110	■ خوبیوں پر نظر رکھی جائے
111	■ کسی بھی اختلاف کو آنا اور وقار کا مسئلہ نہ بنایا جائے
111	■ بیویوں کو بھی اختلاف رائے اور شعورے کا حق دیں
113	■ کسب معاش، یعنی سرمائے کی فراہمی مرد کی ذمہ داری ہے
116	■ خرچ میں اعتدال اور میانہ روی ضروری ہے
121	■ بیوی کے لیے مناسب تفریحی مواقع فراہم کرنا
125	■ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی زبان مبارک سے اہلیہ کے ساتھ حسن معاشرت کی مشیل

- 126 بیوی کے ساتھ ظلم دز یا دتی کا معاملہ نہ کرے
- 130 عدل و انصاف کی تاکید
- 134 خانگی امور میں تعادل
- 135 محبت کا بھرپور اظہار
- 139 عورت ہر حیثیت سے قابل احترام ہے
- 140 بیوی گھر کی ملکہ اور گھر کی زینت ہے
- 141 عورت، بیٹی اور بہن کی حیثیت سے
- 142 مغرب میں عورت کی ذلت و خواری
- 143 عورت بھی بہ حیثیت انسان کے مرد کے برابر ہے
- 145 مرد کے بعض صلاحیتوں اور خصوصیات میں ممتاز ہونے کی حکمتیں
- 147 عورت کو مارنے کی رخصت اور اس کی حکمت اور مطلب
- 150 عورت کو منحوس سمجھنا غلط ہے
- 151 نجوست کے تصور کی بنیاد
- 153 عدم موافقت ہو سکتی ہے لیکن صرف اللہ کی مشیت سے
- 155 بعض احادیث اور آثار سے مذکورہ مفہوم کی تائید
- 157 بیوی کو عارضہ دلائے
- 159 بیوی پر طاعت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے
- 160 مشاورت کا اہتمام کیا جائے
- 162 مرد حسن باطنی کے ساتھ، ظاہری زیب و زینت کو بھی اختیار کرے
- 166 مرد رات کا بیشتر حصہ گھر میں گزارے

- 166 ■ میاں بیوی کے درمیان راز کی باتیں دوستوں میں بیان نہ کی جائیں
- 168 ■ بیوی کو دینی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے
- 169 ■ گھر سے باہر جانے کی اجازت دے، مگر...
- 170 ■ گھر کے اندر بھی عورت کی حفاظت کرے
- 172 ■ عورت کی خدمات کا اعتراف کرے
- 172 ■ ایک کتاب کے فاضل مؤلف کی صراحت
- 182** ◆ **حقوق مردوں (بیوی کے ذمے خاوند کے حقوق)**
- 184 ■ بیوی کے ذمے خاوند کے حقوق
- 185 ■ اہمات المؤمنین کے لیے بیان کر وہ احکام میں تمام مومنات کے لیے رہنمائی
- 190 ■ مشترکہ حقوق
- ◆
- 204 ■ نیک بیوی کی پہلی صفت وہ صالحہ اور قائمہ ہو
- 205 ■ عورت ناشزہ نہ ہو اور اس کا مطلب
- 207 ■ خیر اور بھلائی کے کاموں میں خاوند کی فرماں بردار
- 207 ■ خاوند کا استقبال مسکراہٹ اور اچھے لباس میں کرے
- 207 ■ اپنی عصمت و آبرو کا پورا تحفظ کرے
- 208 ■ خاوند کے مال میں بے جا تصرف نہ کرے
- 208 ■ بچوں پر نہایت مہربان، خاوند کے مفادات کا خیال رکھنے والی
- 210 ■ خاوند کی خدمت و اطاعت کی اہمیت و تاکید
- 210 ■ خاوند جب بھی بیوی کو بلائے، بلا تا خیر اس کی خواہش پوری کرے

- 211 ■ انکار کرنے والی عورت پر فرشتے لعنت کرتے ہیں
- 211 ■ آسمان والا بھی ایسی عورت سے ناراض رہتا ہے
- 212 ■ معصیت میں خاوند کی اطاعت کی اجازت نہیں
- 213 ■ عورت مرد کی قہر امیت (حاکمیت) کو برداشت کرے
- 214 ■ کسی کے لیے بددعا نہ کرے
- 215 ■ خود کو جنتی عورتوں کی صفات سے متصف کرے
- 216 ■ قرآن کریم میں بیان کردہ مومنہ عورتوں کی صفات
- 217 ■ خاوند کو تسلی دینے والی
- 219 ■ صبر و ضبط کا نمونہ
- 220 ■ صبر و ضبط کا ایک مثالی نمونہ
- 223 ■ شکر گزار عورت
- 224 ■ اللہ کی اور خاوند کی ناشکری، ایک بڑا جرم اور اس کا نبوی حل
- 235 ■ مال و دولت کی فروانی، ہلاکت کا پیش خیمہ
- 237 ■ والدین کی ذمے داری
- 239 ■ مرد کے لیے حکمت و دانش کی ضرورت
- 240 ■ ساس کا کردار
- 242 ■ بیوی کا حسن کردار اور حسن تدبیر
- 245 ■ ایک نہایت دلچسپ حکایت

- 254 ■ مخصوص حالات کے بغیر، ضبط ولادت کے سارے طریقے ناجائز ہیں
- 255 ■ کثرت اولاد یا قلت اولاد، اسلام نے کس کی ترغیب دی ہے؟
- 257 ■ ضبط ولادت کی تحریک، زنا کاری کو فروغ دینے کی استعماری مہم ہے
- 258 ■ بڑھتی ہوئی آبادی سے پیدا ہونے والے مسائل کا صحیح حل
- 261 ■ بیوی کا وینی جذبہ اور خاندان کی اطاعت
- 263 ■ عورت، اپنے غریب خاندان کو زکوٰۃ دے سکتی ہے
- 265 ■ بیوی انمول عطیہ ہے، عضو معطل نہیں
- 268 ■ خطبہ حجۃ الوداع میں عورتوں کے بارے میں خصوصی ہدایات
- 281 ■ فضول خرچی اور بخل کے درمیان اعتدال (میانہ روی) اور کفایت شعاری کی اہمیت
- 283 ■ بخیل خاندان کی بیوی کے لیے ایک اجازت
- 284 ■ حضرت فاطمہ اور حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے سبق آموز واقعات
- 289 ■ لڑکے یا لڑکی کی پیدائش میں انسان بے اختیار ہے ناراض ہونے کا کوئی جواز نہیں
- 291 ■ لڑکی کی پیدائش کو برا سمجھنا، جاہلیت کی رسم ہے
- 292 ■ لڑکی بہتر ثابت ہو سکتی ہے
- 294 ■ عورت کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ
- 302 ■ ایک اور ضروری وضاحت

303

■ عورت کو اپنا رویہ صحیح رکھنا چاہیے

307

■ خلع کے چند ضروری مسائل

308

■ عورت کی عفت و پاکیزگی کا مفہوم

337

■ عورت کے اصل مسائل اور ان کا حل

344

■ عورتوں کی مشکلات کا ایک اور قرآنی حل۔ محلہ دار چنایتیں

349

■ امریکی ادارے کی سروے رپورٹ

351

■ حرف آخر

352

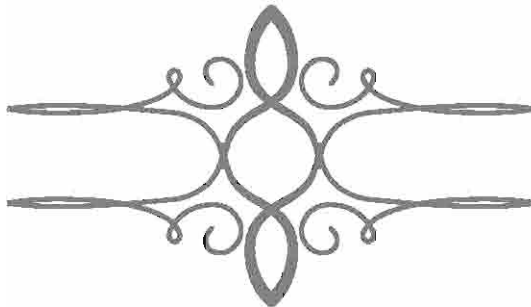
■ مغربی معاشرے کی ایک جھلک (پہلا مدرزڈے)

356

■ عورت.... اقبال کی نظر میں

358

■ اے دخترِ اسلام



عرض ناشر

فاطمہ! تو آبروئے ملت مرحوم ہے

عورت معاشرے کی ایک بنیادی اکائی ہے، جسے اگر اس کائنات سے نکال دیا جائے تو یہ دنیا بے لطف اور بد مزہ ہو جائے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم

وجودِ زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت کاملہ کا تقاضا تھا کہ تناسل کے سلسلے کو جاری رکھنے کے لیے عفت و پاکدامنی سے بھرپور ایک خاندانی نظام تشکیل دیا جائے جس میں عورت کو کلیدی کردار دیا جائے۔ چنانچہ مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ٹھہرے جن میں سے ایک بھی گم ہو جائے تو زندگی کی یہ گاڑی اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ پائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں عورت اور مرد کا وجود خاندانی نظام کی فلاح و بہبود کے لیے لازمی قرار دیا وہیں ان دونوں میں ایک دوسرے کے لیے ایک کشش پیدا فرمادی کہ ایک دوسرے کی طرف نہ چاہتے ہوئے بھی کھینچے چلے آتے ہیں اس چاہت کا ہی نتیجہ ہے کہ مرد نے عورت کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو کر زمین میں فساد برپا کیا اور خون بہایا تو عورت کے انداز دلربائی اور اسلوبِ عشوہ طرازی نے اسے خراجِ تحسین بخشا۔

اسلام چونکہ دینِ نعمت و رحمت ہے اس کی تعلیمات زندگی کے جملہ شعبہ ہائے جات میں توازن برقرار رکھتی ہیں تاکہ اخلاق و کردار اور عفت و حیا کا جنازہ نہ نکلے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کی طبیعت میں جہاں ایک دوسرے کی جانب فطری میلان رکھا وہیں ایسی سخت ہدایات و تعلیمات اور احکامات جاری کر دیے کہ یہ میلان بے راہ روی اور شتر بے مہاری کا شکار

عرض ناشر

نہ ہو جائے۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں مرد وعورت اور ان کے مابین تعلقات چاہے وہ نکاح، طلاق، خلع، رضاعت الغرض کسی بھی شکل میں ہوں ایک ایک کی وضاحت کر دی ہے اور تعلیمات دے دی ہیں۔ جو عین عدل ہیں۔ لیکن چند منحرف الطبع لوگوں اور مغرب کے خوشہ چینوں نے ان تعلیمات کو مبنی بر ظلم قرار دیا اور آزادی نسواں کے نام سے تحریکیں چلا کر اخلاقیات، اقدار و اطوار اور خاندانی نظام کا شیرازہ بکھیر دیا۔ عورت کی آزادی کے نام پر اخلاقی بے راہ روی اور ماد پر آزادی کے خوب وسائل پیدا کیے گئے اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ آج چار سالہ معصوم بچی بھی درندگی سے محفوظ نہیں رہی۔ یہ تحریکیں محض مغرب تک محصور نہیں رہیں بلکہ اسلامی ملکوں میں ان کی بھرپور آبیاری کی گئی، مالی وسائل فراہم کیے گئے اور اب یہ تحریکیں اسلامی ممالک میں ایک تناور درخت بن چکی ہیں۔ آج کیفیت یہ ہے کہ تقریباً تمام اسلامی ممالک اس تباہ کن اور ہلاکت خیز فتنے کی زد میں آ کر آزادی نسواں کا راگ الاپنے میں مشغول ہو گئے ہیں۔ آزادی نسواں کے نام سے عربی و فحاشی کا گندا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ آزادی اور مساوات کے نام سے مغرب نے ایسا گھناؤنا کھیل کھیلا ہے جس میں عورت ایک بکاؤ مال بن کر رہ گئی ہے۔ انہوں نے اسے چادر و چادر یواری سے نکال کر چوراہے پہ لاکھڑا کیا ہے۔ مغربی تھنک ٹینک اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ عورت کو بگاڑ دو تو باقی معاشرہ از خود زمین بوس ہو جائے گا اس لیے انہوں نے نہایت آسان ہدف تلاش کر کے اس پر کام کیا اور ایک حد تک وہ اپنے اس گھناؤنے مقصد میں کامیاب بھی ہوئے لیکن اب یہ ان کی لگائی ہوئی آگ ایسی بھڑکی ہے کہ ان کے قابو سے بھی باہر ہو چکی ہے۔ عورت کی معاشرتی اور سماجی حیثیت و اہمیت کا اہل مغرب کے ادراک کا اندازہ آپ اس سے لگائیں کہ اقوام متحدہ جو ایک

بین الاقوامی ادارہ ہے اور اس کے سرکردہ مغربی لوگ ہیں انہوں نے عورت کو تخریب کار بنانے کے لیے اس قدر جتن کیے کہ اس وقت یو این (UN) میں تقریباً 15 کے لگ بھگ ایسے انتظامی ادارے اور تنظیمیں موجود ہیں جو محض عورت اور اس سے ملحقہ مسائل پر ہی ریسرچ کرتے ہیں اور پھر اس سے متعلقہ مسائل پر سیمینارز منعقد کر کے خواتین کے حوالے سے مقالہ جات و تحقیقات پیش کرتے، اور مسائل کا حل اپنی پراگندہ فکر کے مطابق تلاش کرنے اور اس معاشرتی کمزوری سے مزید فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان انتظامی اداروں اور تنظیموں میں سے چند کی تفصیل یہاں ملاحظہ کریں:

1 Commission on the Status of Women

یہ اقوام متحدہ کی ایک مستقل کمیٹی ہے جس کے 45 کے لگ بھگ ممالک ممبرز ہیں ان کا سالانہ اجلاس ہوتا ہے جس میں ”عورت کے مقام و مرتبہ“ کے حوالے سے سفارشات، مسودات اور رپورٹیں پیش کی جاتی ہیں۔

2 UNFPA

(United Nations Population Fund)

3 UNIFEM

(United Nations Development Fund for Women)

4 UNDP

(United Nations Development Programme)

5 International Research and Training Institute for the Advancement of Women.

United Nations University

United Nations Research Institute for Social
Development.

8 Committee on the Elimination of Discrimination against Women. 10

مغرب عورت کو مرد کے دوش بدوش لانا چاہتا ہے چنانچہ معاشرت، معیشت، سیاست اور زندگی کے ہر میدان میں عورت کو بھی ان تمام ذمہ داریوں کا حق دار گردانا گیا جو اب تک صرف مرد پوری کیا کرتا تھا۔

وہ اس سب کو عورت کی آزادی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن کج فہم یہ نہیں سمجھتے کہ انہوں نے عورت کو ایک عزت دار شوہر، بھائی، باپ، بیٹے کی کفالت سے نکال کر سارے سماج کا غلام بنا دیا۔ جو عورت گھر میں اپنے باپ، شوہر کا آرڈر سنتی اور مانتی تھی اب وہ مختلف المراجہ بوس اور ہوس کے مارے لوگوں کی غلامی کرے گی۔

اس غلامی کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ بے شمار قوانین، خواتین کے حقوق کی تنظیمیں اور عالمی ادارے بنانے کے باوجود مغربی معاشرہ میں عورت کا یہ حال ہے کہ ان ممالک میں اسے عزت و آبرو کا کوئی تحفظ حاصل نہیں اور آئے دن وہاں کیا صورت حال ہے یہ آپ اخباری رپورٹوں میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ حال ہی میں (10 اگست 2016 کو) ایک رپورٹ جو بی بی سی اردو (BBC-Urdu)، اور عربی چینل الجزیرہ نے نشر کی وہ ملاحظہ فرمائیں۔

10 دیکھئے: العدوان على المرأة في المؤتمرات الدولية، تالیف ڈاکٹر فواد بن عبدالکریم

50 فیصد ملازم پیشہ خواتین کو جنسی ہراس کا سامنا

برطانیہ میں ٹریڈ یونین کانگریس (ٹی یوسی) کی نئی تحقیق کے مطابق دفاتر میں کام کرنے والی نصف سے زیادہ خواتین کو جنسی طور پر ہراساں کیا جاتا ہے اور ان میں سے متعدد نے تسلیم کیا ہے کہ انہوں نے اس کے متعلق کسی سے بات نہیں کی۔

ڈیڑھ ہزار خواتین پر کیے جانے والے سروے کے مطابق ایک تہائی خواتین کو نا پسندیدہ لطائف کا نشانہ بنایا گیا جب کہ ایک چوتھائی کو ان کی مرضی کے بغیر چھوا گیا۔

ٹی یوسی کی سربراہ فرانسس اوگریڈی کا کہنا ہے کہ ایسی متاثرہ خواتین کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا اور وہ خوفزدہ بھی ہوئیں۔

اوگریڈی نے اسے 'سکیینڈل' قرار دیتے ہوئے کہا کہ چند خواتین نے محسوس کیا کہ ان کے مالکان اس مسئلے سے پوری طرح نمٹ رہے تھے۔

ٹی یوسی کا کہنا ہے کہ دفاتروں میں کام کرنے والی خواتین کو جنسی طور پر ہراساں کرنے کا کئی طریقے ہیں جن میں اپنے ساتھی کی جنسی زندگی کے بارے میں غیر مناسب تبصرے اور مذاق کرنا، انھیں ان کی مرضی کے بغیر چھونا، گلے لگانا یا بوسہ لینا یا پھر تعلقات قائم کرنے کے لیے مطالبہ کرنا شامل ہیں۔

سروے کے مطابق ان دس میں سے نو واقعات کے مرتکب مرد ہوتے ہیں جب کہ ہر پانچ میں سے ایک خاتون (17 فیصد) کا کہنا ہے کہ ان واقعات میں ان کے لائن مینیجر ملوث ہوتے ہیں یا پھر وہ جوان پر براہ راست اختیار رکھتے ہیں۔

جنسی طور پر ہراساں ہونے والی 79 فیصد خواتین کا کہنا ہے کہ انھوں نے اپنے آجر کو اس بارے میں آگاہ نہیں کیا۔

28 فیصد خواتین کا کہنا ہے کہ انھوں نے اس خوف سے اس بات کی شکایت درج نہیں کروائی کیونکہ ایسے کرنے سے دفتر میں ان کے کام کرنے پر اثر پڑے گا جب کہ 15 فیصد خواتین کے مطابق ان کے کیریئر پر اثر پڑ سکتا ہے۔

تقریباً 24 فیصد خواتین نے ان واقعات کی شکایت نہیں کی کیونکہ ان کے خیال میں ایسے کرنے سے ان پر اعتبار نہیں کیا جائے گا یا پھر انھیں سنجیدہ نہیں لیا جائے گا جب کہ 20 فیصد خواتین کا کہنا ہے کہ ایسا کرنے سے انہیں شرمندگی ہوگی۔

جنسی طور پر ہراساں ہونے والی خواتین میں کم عمر کی ملازمت پذیر خواتین کا تناسب سب سے زیادہ ہے۔

سروے کے مطابق 18 سے 24 سال کی تقریباً دو تہائی (63 فیصد) خواتین کا کہنا ہے کہ انھیں دفاتر میں جنسی طور پر ہراساں کیا گیا۔

ٹی ویسی کا کہنا ہے کہ نوجوان خواتین کے ساتھ عام طور پر سرسری معاہدے کیے جاتے ہیں جیسا کہ عارضی ایجنسی یا صفر گھنٹے کے معاہدے۔ ایسی خواتین کو دفاتر میں زیادہ تر چھوٹے کام دیے جاتے ہیں اور یہی جنسی طور پر ہراساں کرنے کے عوامل ہو سکتے ہیں۔¹¹

اس سب کی وجہ یہ ہے کہ بقول شاعر

اقاہ فی الیم مکتوفا وقال له ----- ایاک ایاک ان تبتل بالماء

میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر دریا میں پھینک دیا اور پھر کہا کہ خبردار پانی میں بھیگنا مت۔!

11 women_sexually_harrassed_survey_rwa#share-tools160810/08/
www.bbc.com

اس معاشرے نے عورت کو بے لباس کر کے ہوس پرستوں کے ساتھ بٹھادیا پھر کہا کہ
خبردار عزت ہاتھ سے نہ جانے پائے۔

مغربی فکر اور نظریات کو جب اسلامی معاشروں میں ہمنوائی ملی تو اس سے فحاشی و عریانت کا
فلسفہ ہی بدل گیا۔ جس کی تصویر ایک لکھاری نے ان الفاظ میں کھینچی ہے:

”اگر خواتین کا ناچ ناچ کے دودھ بیچنا، نہاتا ہوا دکھا کے صابن شیمپو بیچنا، لیٹ لیٹ کے
صابن شیمپو بیچنا“ لگے ہو ساری رات“ بول کے انٹرنیٹ پیکیج بیچنا، بیڈ پہ سوتا ہوا دکھا کے میٹر لیس
بیچنا، لڑکوں کی ہیر جیل، پرفیوم اور باڈی سپرے پہ مرتا ہوا دکھانا“ واؤ سموتھ“ کہتے ہوئے مرد کی
شیونگ کریم اور ریزر بیچنا، ٹانگوں سے کپڑا ہٹا کے ”نرم و ملائم“ مسکن دکھا کے ہیر ریموونگ کریم
بیچنا۔ اگر یہ سب فحاشی اور عریانی نہیں ہے تو مبارک باد دیں حکمرانوں کو اور میڈیا کو جنہوں نے
آپ کا لائف سٹائل تو مغرب جیسا نہیں بنایا مگر لاکھوں میل دور آپ کا تھکنگ سٹائل ضرور ان
جیسا کر دیا۔“

اس کے برعکس اسلام نے عورت کو جو تحفظ دیا وہ کسی مذہب، فکر اور فلسفہ میں موجود نہیں ہے
۔ اسلام نے ہی عورت کو جدید معاشرے میں بھی اس کا صحیح مقام دیا ہے۔ بھائی، باپ، بیٹے
شوہر کی صورت میں اسے مستقل محافظ مہیا کئے۔ عورت چاہے ماں ہو، بہن ہو یا بیوی یا بیٹی
اسلام نے اس کو جو تقدس و عزت دی اس نعمت کا ادراک وہی کر سکتا ہے جس نے سکے کے
دونوں رخ دیکھے ہوں۔ اسلام حقوق کے باب میں برابری کا نہیں بلکہ عدل کا ضابطہ متعین
کرتا ہے۔ برابری یہ کہتی ہے کہ عورت بھی کمائے اور مرد بھی جبکہ عدل کہتا ہے کہ عورت کمائے گی
تو اس پر ظلم ہوگا اس کی ساکھ مجروح ہوگی اسے بری نظروں کا سامنا کرنا پڑے گا لہذا اس کے

عرض ناشر

لئے سب سے موزوں مقام اس کے گھر کی چار دیواری ہے۔ دوسری جو یہاں قابل توجہ بات ہے وہ یہ کہ خواتین کے یا انسانی حقوق کے تحفظ کے نام سے جتنی بھی تنظیمیں قائم ہیں وہ سب محض نوجوان عورت کے حقوق کے تحفظ کی بات کرتی ہیں جس سے ان کا مقصد اپنے پھیلائے ہوئے جال میں انہیں پھانسا ہے جبکہ بوزھی عورتوں کمزور ناتواں اور چھوٹی بچیوں کے حقوق کی کوئی بات نہیں کرتا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ نعرہ کے در پر وہ مقاصد کچھ اور ہیں یعنی ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور ہیں اور کھانے کے اور۔

الغرض مغرب نے صنف نازک کو گھر سے نکال کر کھلواڑ بنایا جبکہ اسلام نے اسے گھر کی چار دیواری میں رکھ کر عزت دی اور اس کے تحفظ کیلئے نگہبان مقرر کر دئے تاکہ اس صنف نازک کو گھریلو ذمہ داریاں پوری کرنے میں کوئی تکلیف پیش نہ آئے۔ اسلام کے عورت اور مرد کے لیے متعین کردہ انہی اعلیٰ حقوق کا تذکرہ موقر عالم دین مصنف کتب کثیرہ فضیلتہ اشخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی اس کتاب میں ہے۔ شیخ حفظہ اللہ نے اس موضوع پر بہت اعلیٰ داد تحقیق دی ہے، اور حقوق نسواں اور حقوق مرداں کے حوالے سے پیش آمدہ ایک ایک پہلو پر دلائل و براہین سے مزین سیر حاصل اور تشفی بخش بحث کی ہے۔ کتاب کی ایک نمایاں اور امتیازی بات حالیہ دنوں پنجاب اسمبلی میں پیش ہونے والے ”تحفظ نسواں بل“ پر بھی نقد و تجزیہ شامل ہے۔ محدث العصر محترم فضیلتہ اشخ علامہ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ نے کتاب پر ایک جامع اور جاندار مقدمہ تحریر کر کے اس کی افادیت کو مزید چار چاند لگا دیے۔ حقوق مرداں اور حقوق نسواں سے متعلق تفصیلی عنواؤں قارئین کتاب میں ملاحظہ کریں گے۔

اس کتاب کے پڑھنے سے مغربی افکار کے اسیر افراد کے فکری سلاسل بھی کھلیں گے اور مرد و خواتین کے اسلامی احکام سے متعلق اٹھنے والے اعتراضات کی بھی بیخ کنی ہوگی اور مغرب

زردہ لوگوں کا اٹھایا ہوا وہ گردوغبار کا نور ہو جائے گا، جو اسلامی تعلیمات سے لاعلمی دے خبری کے نتیجے میں پھیلا ہوا ہے۔

اس کتاب کا مطالعہ مرد و عورت دونوں کے لیے نہایت ضروری ہے تاکہ ہر ایک اپنے ذمہ واجب حقوق کی ادائیگی میں کسی طرح کے پس و پیش سے کام نہ لے۔ اور وہ حقوق ادا کر کے اپنے گھر، معاشرے کو خوشیوں کا گہوارہ بنائے اور اپنے لیے ذخیرہ آخرت جمع کرے۔ ادارہ خلوص دل سے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ شیخ محترم کے علم و عمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے اور اس عمل خیر کو ان کے اس لئے توشہ آخرت بنائے اور قارئین کو اس سے کما حقہ استفادہ کرنے کی توفیق دے۔

آخر میں المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر اپنے متعلقہ ان احباب کے جہود و مساعی کا بھی تہہ دل سے مشکور ہے جنہوں نے اس کتاب کی پروف ریڈنگ، تزئین و ترتیب، تخریج اور طباعت کے اہتمام میں ادارہ کی معاونت کی جن میں شیخ عثمان صفدر، شیخ عبد المجید محمد حسین بلتستانی سرفہرست ہیں اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اجر میں انہیں بھی حصہ دار بنائے۔ انہ ولی التوفیق

کتبہ

خالد حسین گورایہ

مدیر سہ ماہی البیان کراچی



مقدمہ

فضيلة الشيخ علامه عبد الله ناصر رحمانى حفظه الله

الحمد لله والصلوة والسلام على رسول الله، وبعد

شریعتِ مطہرہ نے عورتوں اور مردوں کے حقوق و واجبات میں، ان کی ظاہری و باطنی صلاحیتوں کے پیش نظر انتہائی عمدہ توازن قائم کیا ہے، مذاہبِ عالم پر دقیق نگاہ رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ شریعتِ مطہرہ میں موجود توازن کی کسی مذہب میں نظیر نہیں ملتی، بلکہ دنیا کے مذاہب ہمارے اعتدال و توازن کے محاسن کی دھول بھی نہیں پاسکے۔

کتاب و سنت میں عورتوں سے متعلق جا بجا موجود فرامین اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ عورت مسلم معاشرہ میں انتہائی وقیع الشان اور رفیع القدر ہے، اس کی حشمت و تکریم کا تقاضا یہ ہے کہ اسے ایک ”درکنون“ کا درجہ دیا جائے، ایک ایسا گواہر نایاب جو متاع انسانی میں سب سے زیادہ قدر و قیمت کا حامل و مستحق ہوتا ہے، ایک عورت ذات لائق تکریم و تحسین کیوں نہ ہو، مستحق تقدیر و تشریف کیوں نہ قرار پائے کہ قیامت کے دن مردوں کو حاصل ہونے والا سب سے بڑا اعزاز، اُسی کے رہین منت ہے:

عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من عال جاريتين دخلت أنا وهو الجنة كهاتين، وأشار بأصبعيه».

یعنی: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص

● سنن الترمذی: أبواب البر والصلوة، باب ما جاء في النفقة على البنات والأخوات حديث: 1914

دولڑکیوں کی کفالت و تربیت کرنے میں کامیاب ہو جائے، حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائیں، میں اور وہ جنت میں یوں چپک کر داخل ہوں گے (آپ نے درمیانی اور شہادت کی انگلیوں کو جوڑ کر اشارہ کر کے بتایا)

عورت کے ”درکنون“ ہونے کا معنی یہ ہے کہ اپنے کی چاردیواری میں پورے حشمت و وقار کے ساتھ ایک ملکہ کے طور پر رہے، سیاستِ منزلیہ خاتون ہی کے مناسب حال اور متناسق طبع ہے، جبکہ ہر قسم کی خارجی سیاست مرد کو تفویض کی گئی ہے، شریعت اس ”درکنون“ کو گھر کے اندر رہا ہر کس روپ میں دیکھنا چاہتی ہے؟

﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسَأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَائِهِنَّ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ﴾ [الاحزاب: 53]

ترجمہ: ”اور جب تم ان (عورتوں) سے کسی چیز کا سوال کرو تو پردہ کے پیچھے سے سوال کرو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کا باعث ہے۔“

ملاحظہ کیجئے کہ اخلاقی بگاڑ سے بچاؤ کیلئے پردہ کیسی ڈھال ہے، بلکہ حفاظت و حصار کا ایک مضبوط قلعہ ہے۔

﴿شریعت مطہرہ اس ”درکنون“ کو اجنبی مردوں سے بوقت ضرورت بات کرنے کا ادب سکھلاتی ہے:

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾ [الاحزاب: 32]

ترجمہ: نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی برا خیال کرے اور ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو۔“

ثابت ہوا کہ عورت کا پردہ میں ہوتے ہوئے، نرم لہجے سے بات کرنا بھی فتنہ انگیز ہے (لہذا اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا)۔

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ [الاحزاب: 33]

ترجمہ: اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو۔

اس آیت کریمہ کے پیش نظر، عورتوں کے کردار کو اپنے گھروں کو ٹھکانہ بنائے رکھنے اور باہر نہ نکلنے کی جانب مبذول کرایا گیا ہے (گویا امور خانہ کی سیاست ہی عورتوں کی جدوجہد کا محور ہے)

ابن العربی فرماتے ہیں: ”مجھے ایک ہزار سے زائد بستنیوں میں جانے کا موقع ملا ہے، میں نے نابلس کی عورتوں سے زیادہ، اپنے بچوں اور اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرنے والی عورتیں نہیں دیکھیں، نابلس وہ شہر ہے جس میں ابراہیم خلیل اللہ ﷺ کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔“

ابن العربی مزید فرماتے ہیں: ”میں نے نابلس میں کئی مہینے قیام کیا، میں نے جمعہ کے دن کے علاوہ، دن کے وقت کسی راستے پر کبھی کوئی عورت نہیں دیکھی، نابلس کی عورتیں جمعہ کے روز نکلا کرتی تھیں، حتیٰ کہ پوری مسجد ان سے بھر جایا کرتی تھی، اور جب نماز ادا ہو جاتی تو وہ اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ آتیں، اور پھر اگلے جمعہ تک کوئی خاتون دکھائی نہ دیتی۔“

اور میں نے مسجد اقصیٰ میں بھی کئی پاک دامن عورتوں کو دیکھا ہے جو اپنے بچروں سے کبھی باہر نہ آتیں، حتیٰ کہ وہیں ان کی وفات ہو جاتی۔“^①

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”مجھے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے بارہ میں یہ بات

معلوم ہوئی ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا: کیا وجہ ہے آپ دوسری خواتین کی طرح حج یا عمرہ کیلئے کیوں نہیں جاتیں؟ فرمایا: میں حج بھی کر چکی ہوں اور عمرہ بھی، مجھے میرے رب نے اپنے گھر میں نکلے رہنے کا حکم دیا ہے، لہذا اللہ کی قسم! میں اپنے گھر سے ہرگز باہر نہ نکلوں گی، حتیٰ کہ موت آجائے۔“ (محمد بن سیرین فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! وہ اپنے حجرہ کے دروازے سے کبھی باہر نہ نکلیں، حتیٰ کہ وفات کے بعد ان کا جنازہ برآمد ہوا۔)

میری مسلمان بہنو! شریعہ قسم کے لوگوں کی چکنی چڑی باتیں، بڑی قوت سے سامنے آکر بہلانے پھسلانے کا کام کر رہی ہیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ اس طوفان بدتمیزی کے آگے بند باندھنے والے یا توننا پیدا ہو چکے ہیں یا انتہائی کمزور، لہذا اپنے گھروں کو لازم پکڑلو، پھر اپنے گھروں کو لازم پکڑ لو اگر فلاح چاہتی ہو۔

عائکہ بنت زید رضی اللہ عنہا کے وقت مسجد جانے کیلئے اپنے گھر سے نکلا کرتی تھیں، پھر نکلتا چھوڑ دیا، پوچھا گیا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا: میں ان دنوں نکلا کرتی تھی جب لوگ واقعی لوگ تھے (یعنی شریفانہ ماحول تھا) اب تو لوگوں میں بہت بگاڑ آچکا ہے، لہذا میرے گھر کی چاردیواری میرے لئے کافی ہے۔“

ایسی عورت کیلئے دربار نبوت سے یہ بشارت وارد ہوئی ہے:
 ﴿أقرب ما تكون من وجه ربيها وهي في قعر بيتها﴾⁽¹⁾

یعنی: وہ عورت سب سے زیادہ اپنے رب کے چہرے کے قریب ہے، جو اپنے گھر میں کسی اندرونی حصہ میں بیٹھی رہتی ہے۔

﴿وَلَا تَبْرَحْنَ فِي سُبْحِ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى﴾ (الاحزاب: 33)

صحیح ابن خزيمة، کتاب الصلاة المختصر... باب الحجاب صلاة المرأة في بيتها.. 1685، صحیح ابن حبان، (5598، 5599)

ترجمہ: ”اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کا اظہار نہ کرو“
 امام لیث رحمۃ اللہ علیہ تبرج کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: عورت کا اپنے چہرے
 اور جسم کے محاسن کو ظاہر کرنا تبرج ہے، ساتھ ساتھ اس کی نگاہوں سے حسن نظر یعنی اشتیاق
 جھلکتا ہو۔“

لسان العرب میں ہے: ”عورت کا اپنے چہرہ کو رنگا کرنا ہی تبرج ہے۔“

﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ﴾ [النور: 31]

ترجمہ: اور اپنی زینت کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں، سوائے اپنے خاوندوں کے..... الایہ۔

﴿وَلَا يَظْهَرْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ﴾ [النور: 31]

ترجمہ: ”اور اس طرح زور زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم
 ہو جائے۔“

سبحان اللہ! شریعتِ مطہرہ نے خاتون کے قدموں کی آہٹ کو بھی پردے میں رہنے
 کی ترغیب دی ہے، ایک خاتون کیلئے پاؤں پیچ پیچ کر چلنا بھی ناجائز قرار دیا ہے، اور اگر
 پاؤں میں پازیب پہن رکھی ہے تو اس کی جھکار بھی مردوں کی سماعت تک نہ پہنچنے پائے کہ
 یہ بھی موجب فتنہ ہو سکتی ہے۔

قارئین کرام! ہم نے قرآن حکیم کے چند مقامات سے یہ واضح کرنے کی کوشش کی
 ہے کہ شریعتِ مطہرہ خاتون کو عزت و کرامت کے کس مرتبہ پر فائز کرنا چاہتی ہے اور اس
 کا طریق کار اور حدود تک متعین کرتی ہے، ایک خاتون کی بہتری نیز معاشرے کی صلاح
 و استقامت، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کی تکمیل میں ہے۔ ہر وہ بل یا

نعرہ جو ان مقاصد کے خلاف ہوگا، بہت زیادہ معاشرتی بگاڑ کا باعث ہوگا، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں چھنتی جائیں گی اور رفتہ رفتہ پورا معاشرہ قعر مذلت کی نذر ہو جائے گا۔

حقوق نسواں کے تعلق سے سامنے آنے والا حالیہ بل نہ صرف یہ کہ کتاب و سنت کے منافی ہے بلکہ خواتین کے حشمت و وقار پر بھی ایک ضربِ کاری کے مترادف ہے، جو کسی صورت قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

جونہی یہ بل صادر ہوا، جماعت اہل حدیث کے محقق اور تبحر عالم دین، مجاہد ملت، مفسر قرآن حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ تعالیٰ و رعایہ و رزقہ الصحتہ والسلامۃ و العافیۃ فی دینہ و دنیاءہ کا قلم سیال جو ہمیشہ حق کا ترجمان رہا ہے، فوراً حرکت میں آ گیا اور اس بل کے جملہ مالہ و ماعلیہ کو انتہائی پختہ دلائل کے ساتھ آشکارا کر دیا۔

یہی علماء حق کی پہچان ہے، علماء حق پر ہمیشہ حق کو باطل کی آمیزش سے پاک صاف کرنے کی لگن اور دھن سوار رہتی ہے، حارث بن حدان کا قول ہے: ہر فتنہ شبہ کی پیداوار ہوتا ہے اور حجت و بیان کے بعد راہ فرار اختیار کر جاتا ہے۔

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس مایہ ناز تالیف میں سب سے پہلے عورت کے مقام کو کتاب و سنت اور فہم سلف کی روشنی میں واضح فرمایا ہے، پھر ان امتیازی خصوصیات کی مختصر وضاحت کی ہے جن میں اسلام نے مرد و عورت کے درمیان فرق کیا ہے، نیز ان کی حکمتوں کو بھی واضح فرمایا ہے، اس کے بعد ان حقوق کو بیان کیا ہے جو ایک مرد پر عورتوں کی بابت عائد ہوتے ہیں، نیز ان حقوق کی بھی وضاحت فرمائی ہے جو ایک عورت پر مرد کی بابت عائد ہوتے ہیں۔

یہ کتاب، کتاب وسنت کے دلائل سے مبرہن ہونے کے ساتھ ساتھ فصاحت و بلاغت اور حسن ادب کا بھی حسین امتزاج ہے۔ ہم تمام قارئین کو اول تا آخر کتاب کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں، نیز ارباب اختیار سے بھدا بھدا طلبتیں ہیں کہ اس بل کے تعلق سے ہر اس اقدام کی نفی کر دی جائے جو شرعی دلائل اور شرعی اہداف و مقاصد سے متصادم ہے، واللہ ولی التوفیق

ہم محترم حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی صحت و عافیت نیز درازی عمر اور اضافہ علم و عمل کی دعا کرتے ہیں اور ہمیشہ دعا گورہیں گے، نیز یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ اس سسکتی، ڈوبتی اور دم توڑتی انسانیت کیلئے یہ کتاب ایک نسخہ فلاح و سعادت ثابت ہو اور بیماروں کیلئے اکسیر حیات کا کام کر جائے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کی طباعت کے تعلق سے ہمارے مرکز مدینہ کے ساتھیوں کو جزاء کثیر اور اجر جزیل عطا فرمائے، انہیں اسی طرح کے مزید کارنامے رقم کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کتاب کو ایک بڑی دنیا کے نفع کا باعث بنا دے۔
وصلی اللہ علی نبینا محمد وبارک وسلم۔



عرض مولف

جب سے پنجاب کی صوبائی اسمبلی نے ”تحفظ حقوق نسواں“ بل پاس کیا ہے، اس وقت سے ہی علماء اس کے خلاف سراپا احتجاج ہیں۔

اس کی کیا وجہ ہے؟

کیا علمائے اسلام، عورتوں پر بے جا تشدد اور ناجائز تعدی اور ظلم کو پسند کرتے ہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ تو عورت کو گھر کی ملکہ سمجھتے اور ملکہ ہی بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اسلام نے عورت کو یہی مقام دیا ہے۔ علماء اس کے اس مقام کا تحفظ چاہتے ہیں۔

وہ عورت کے کسب معاش کے لئے در بدر کی ٹھوکریں کھانے کو عورت کا حق نہیں سمجھتے بلکہ اس میں اس کی ذلت اور اس پر ظلم سمجھتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اسلام نے اس پر یہ ڈبل بوجھ نہیں ڈالا ہے کہ وہ حمل اور ولادت کی تکلیفیں بھی برداشت کرے، امور خانہ داری بھی انجام دے، خاوند کی خدمت اور بچوں کی دیکھ بھال بھی کرے اور اس کے ساتھ دفنوں اور کارخانوں میں کلر کی اور مزدوری بھی کرے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس کو پہلے کاموں (گھریلو امور) کے لئے پیدا کیا ہے اور اس کے اندر صلاحیتیں بھی اسی انداز کی رکھی ہیں تو بیرون در کے کاموں کا بوجھ اس پر کیوں ڈالا جائے؟ جب اللہ نے اس پر یہ دوہری ذمہ داری نہیں ڈالی ہے تو مغرب کے نظریہ مساوات کی بھونڈی نقالی میں علماء عورت پر اس ظلم کو کب جائز قرار دے سکتے ہیں؟ وہ اس کے نہ مجاز ہیں اور نہ ان کا منصب ہی اس کو برداشت کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

پاکستان کا آئین بھی اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ قرآن و سنت کے خلاف قانون سازی نہیں ہو سکتی جب کہ یہ بل سراسر قرآن و حدیث کی واضح تعلیمات کے خلاف ہے۔ بنا بریں یہ بل آئین پاکستان کے بھی خلاف ہے اور قوانین الہیہ کے بھی برعکس کہ اس میں مردوں والا مقام عورت کو اور عورتوں والا مقام مردوں کو دینے کی مذموم سعی کی گئی ہے جو ایک مسلمان معاشرے میں نہ صرف یہ کہ ناقابل قبول ہے بلکہ یکسر ناقابل عمل ہے۔

علماء و بجا طور پر سمجھتے ہی نہیں بلکہ دو اور دو چار کی طرح یہ یقین رکھتے ہیں کہ اس بل سے عورت کو قطعاً کوئی تحفظ حاصل نہیں ہوگا بلکہ اس کو جتنا کچھ تحفظ۔ لوگوں کی جہالت اور اسلام کی تعلیمات سے نا آشنائی کے باوجود ملا ہوا ہے، وہ اس سے بھی محروم ہو جائے گی۔

کیونکہ تمام تر بے عملی اور اسلام سے نا آشنائی کے باوجود، مرد کی فطری قوامیت کا تصور مسلمان کی ضمیر اور ضمیر میں گندھا ہوا ہے۔ جو عورت اس فطری تصور کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مرد کی اطاعت گزار اور وفا شعار بن کر امور خانہ داری سرانجام دیتی ہے، نوے فی صد مسلمان مرد بھی عورت کی عزت و وقار کو ملحوظ رکھتے اور ان کی ہر طرح ناز برداری کرتے ہیں۔ اور یوں نوے فی صد گھروں میں الحمد للہ امن و سکون ہے اور وہ دونوں عسروئیسر میں ایک دوسرے کے ساتھی اور تکلیف و راحت میں ایک دوسرے کے ہمدرد و غم خوار ہیں۔

مغرب کو اور مغرب زادوں کو یہی غم کھائے جا رہا ہے کہ مسلمان عورت کو بے پردہ کرنے کے باوجود ان کا حرم ابھی تک محفوظ ہے جب کہ مغرب میں وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکا ہے۔ مسلمان عورت کو مسلمان گھرانوں میں جو تحفظ ملا ہوا ہے، وہ اس میں نقب لگا کر اس حصار کو توڑنا چاہتے ہیں۔

عورت کے بارے میں اس طرح کی قانون سازی کر کے، جس کا ایک نمونہ زیر بحث بل ہے، مغربی شاطر اور ان کے فتراک کے منجھیر مغرب کی حیا باختہ تہذیب کو یہاں مسلط کرنا چاہتے ہیں۔

ورنہ یہ مغرب گزیدہ لوگ بتلائیں کہ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں کون سا طبقہ ہے جو لوگوں کے ظلم و ستم سے، سرکاری اہل کاروں کی فرعونیت سے، حکومت کی عوام دشمن پالیسیوں سے، عدالتوں میں ناجائز مقدمات کی بھرمار اور ججوں کی انصاف فروشی سے، قبضہ گروپوں اور پٹواریوں کی خالمانہ حرکتوں سے اور اہل سیاست کی تماش بینیوں سے محفوظ ہے؟

کیا صرف عورت ہی ہمارے معاشرے میں مظلوم ہے؟ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ نوے فی صد گھرانوں میں عورت کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ صرف بہ مشکل ۱۰ فی صد لوگ ہوں گے جو عورت کے ساتھ ناجائز برتاؤ کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ صرف ان کی جہالت، یا غربت، یا اسلامی تعلیمات سے بے خبری ہے۔ یہی لوگ حق طلاق کا بھی ناجائز استعمال کرتے ہیں جس کا خمیازہ صرف عورت ہی نہیں بھگتنی بلکہ مرد کو بھی اور اس کی اولاد کو بھی بھگتنا پڑتا ہے۔

بلاشبہ حکومت کی ذمے داری ہے کہ وہ ان چند فی صد خواتین کی بھی دادرسی کرے اور ان کو ظلم و ستم سے بچانے کے لئے علماء کی مشاورت سے قانون سازی بھی کرے کیونکہ علماء کسی ایک عورت کے ساتھ بھی ظلم و ستم کے معاملے اور رویے کو پسند نہیں کرتے۔

لیکن مظلوم عورتیں ہی نہیں، اگرچہ وہ چند فی صد ہی ہیں، تمام مذکورہ طبقے ہی مظلوم ہیں۔ حکومت گڈ گورننس کا دعویٰ کرتی ہے۔ کیا یہی گڈ گورننس ہے کہ ملک میں کسی طبقے کو تحفظ حاصل نہیں؟ کیا یہی گڈ گورننس ہے کہ ہر چھوٹا بڑا سرکاری اہل کار فرعون بنا ہوا ہے اور دود و ٹکوں کے اہل کاروں کے سامنے ملک کے بڑے بڑے شرفا ذلیل و خوار ہونے اور ان کو حرام کھلانے پر مجبور ہیں؟

اخبارات کے ”جمہتہ“ کالم نگاروں نے بھی ہابا کار چمپائی ہوئی ہے کہ علماء یوں ہی بل کے خلاف شور کر رہے ہیں۔ لیکن وہ کسی شق کو بھی خلاف اسلام ثابت نہیں کر سکتے۔

ان کا یہ دعویٰ اس لحاظ سے واقعی درست ہے کہ ان بے چاروں نے غلام احمد پرویز،

جاوید احمد غامدی جیسے لوگوں سے اسلام سیکھا ہے جس میں ناچ گانا اور قصہ دسرور اور اس قسم کی دیگر ”مغربیات“ سب جائز ہیں۔ اور علماء تو اس اسلام کو جانتے ہیں جو قرآن وحدیث میں محفوظ ہے اور اس میں مذکورہ خرافات کی جس طرح گنجائش نہیں، زیر بحث بل کی بھی گنجائش نہیں۔

”جدید اسلام“ کے ان ”مجتہدین“ کی خدمت میں ہم یہ کتاب پیش کر رہے ہیں تاکہ وہ عورت کے بارے میں اسلام کے نقطہ نظر کو بھی سمجھیں کہ اسلام نے ان کو کیا مقام دیا ہے اور کس طرح اس کا مکمل تحفظ کیا ہے۔ اس سے ان کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ علماء اس بل کی مخالفت کے ذریعے سے عورتوں پر ظلم و ستم کی صورتوں کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں یا اس کی مخالفت کر کے عورت کا تحفظ اور اس کو مزید ظلم سے بچانا چاہتے ہیں؟ اصل میں دونوں کا۔ اخباری کالم نگاروں اور علماء کا۔ اسلام بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے اور عورت کے تحفظ کا طریقہ کار بھی ایک دوسرے سے مختلف۔

علمائے اسلام کے نزدیک عورت سمیت تمام طبقات کا تحفظ صرف اور صرف اسلامی تعلیمات پر صحیح معنوں میں عمل کے ذریعے ہی سے ممکن ہے۔ اس کتاب کے ذریعے سے عورت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا ایک خاکہ اہل ملک کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے جس کو پڑھ کر ہر باشعور آدمی سمجھ سکے گا کہ علماء کی مخالفت معقول ہے یا غیر معقول، جائز ہے یا ناجائز، بلکہ ضروری ہے یا غیر ضروری؟

اخباری ”مجتہدین“ کا اسلام قرآن وحدیث والا نہیں، وہ مغرب کی فکری کارگاہوں میں ڈھلا ہوا ہے، اسی لیے وہ قدیم نہیں، جدید ہے۔ یہ حضرات عورت کا تحفظ اسی جدید اور مغربیت والے اسلام کے ذریعے سے کرنا چاہتے ہیں۔

دونوں کے نقطہ نظر اور طریق کار کا یہ اختلاف ہی ٹکراؤ اور تصادم کا باعث ہے۔ یعنی ان کی زبانوں پر نام تو ”اسلام“ ہی کا ہے۔ لیکن وہ اسلام ہرگز نہیں، دین فرنگی ہے۔

یاراں عجب انداز دورنگی دارند

مصحف بہ بغل، دین فرنگی دارند

یا

تری دعا ہے کہ ہو تری آرزو پوری
مری دعا ہے کہ تری آرزو بدل جائے

کچھ زیر نظر کتاب کے بارے میں

اس میں سب سے پہلے عورت کے اس مقام عزت کو بیان کیا گیا ہے جو اسلام نے اسے عطا کیا ہے۔ دوسرے نمبر پر ان امتیازی خصوصیات کی مختصر وضاحت ہے جن میں اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان فرق کیا ہے اور ان کی حکمتوں کو واضح کیا گیا ہے۔ تیسرے نمبر پر ان حقوق کا بیان ہے جو ایک مرد پر عورتوں کی بابت عائد ہوتے ہیں۔ چوتھے نمبر پر ان حقوق کی وضاحت ہے جو ایک عورت پر مرد کی بابت عائد ہوتے ہیں۔

ان تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے مرد اور عورت دونوں کے درمیان ایسا اعتدال قائم کیا ہے کہ ان پر عمل کرنے کی صورت میں نہ مرد کی طرف سے عورت پر زیادتی کا کوئی امکان رہتا ہے اور نہ عورت ہی کے لئے یہ گنجائش رہتی ہے کہ وہ نشوز (مرد کی بالادستی سے انحراف) اور نافرمانی کا راستہ اختیار کر کے مرد کی خوش گوار زندگی میں ناخوش گواری کا زہر گھول سکے۔

گھریلو زندگی میں جو تلخیاں اور ناگواریاں پیدا ہوتی ہیں، وہ صرف اسلام کی روشن تعلیمات سے انحراف اور ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ اور اس کا ارتکاب صرف مردوں ہی کی طرف سے نہیں ہوتا جیسا کہ باور کرایا جا رہا ہے، بلکہ عورتوں کی طرف سے بھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے مرد کے حقوق بھی متاثر ہوتے یا اس کے لئے مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔

اس کا اصل حل تو یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات کو فروغ دیا جائے جس کا قطعاً کوئی اہتمام نہیں ہے نہ حکومتی سطح پر کہ گیارہویں سے لے کر ایم اے تک کے تعلیمی نصاب میں ان

تعلیمات کو شامل کیا جاتا۔

نیز اس سلسلے میں علماء کی مشاورت سے حسب ضرورت قانون سازی بھی کی جاتی تاکہ دونوں میں سے جس کی طرف سے بھی زیادتی ہو، اس کا آسانی کے ساتھ انسداد ہو سکتا۔ اسی طرح میڈیا۔ الیکٹرانک اور پرنٹ دونوں ہی۔ اس سلسلے میں اپنا کردار ادا نہیں کر رہے ہیں۔

بلکہ حکومت اور میڈیا دونوں کا کردار مرد و عورت کے درمیان نفرت کی دیواریں ہی کھڑی کرنے کا ہے جس میں وہ رات ون مصروف ہیں۔

حالانکہ یہ دونوں ادارے اس سلسلے میں بہت کچھ کر سکتے ہیں ان کی آواز مؤثر بھی ہے اور عام بھی۔ گھر گھر الیکٹرانک پروگرام دیکھے جاتے ہیں اور اخبارات پڑھے جاتے ہیں۔ حکومت قوانین کی عمل داری کے ذریعے سے بگڑے ہوئے لوگوں۔ مردوں اور عورتوں۔ کو قانون کے شکنجے میں کس کر وسیع پیمانے پر اصلاح کا کام کر سکتی ہے۔ لیکن یہ دونوں ادارے اصلاح کے بجائے بگاڑ پیدا کر رہے ہیں اور مسلمان عورت کو بالخصوص شرم و حیا کے زیور سے محروم کر کے معاشرے میں بے حیائی اور اخلاق باختگی پھیلا رہے ہیں اور مرد و عورت کے درمیان الفت و محبت کے بجائے، ان کے درمیان نفرتوں کی تخم ریزی کر رہے ہیں۔ گویا

مژدہ باد اے مرگ! عیسیٰ آپ بیمار ہے
ان دونوں کی مثال عطائی حکیموں اور ڈاکٹروں کی سی ہے جو بالخصوص عورتوں کی
اصلاح اسلام کے مستند نسخوں کے بجائے، مغرب کے عطائیوں کے نسخوں سے کرنا چاہتے
ہیں، جس کا نتیجہ ہے

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

کی صورت میں نکل رہا ہے۔ ہدام اللہ تعالیٰ

اگر یہ دونوں ادارے عوام کی اصلاح میں مخلص ہیں تو ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ ان کی

اصلاح بے ہودہ ڈراموں، فحش پروگراموں اور فلموں اور عورتوں کی نیم عریاں اچھل کود (رقص و سرود) دکھانے سے نہیں ہو سکتی، یہ سب مغرب کے عطائی نسخے ہیں جو جاں بلب مریض کو موت سے تو ہمکنار کر سکتے ہیں، ان کو شفا یاب ہرگز نہیں کر سکتے۔

”گوڈے گوڈے“ اخلاقی خرابیوں میں ڈوبی ہوئی اس قوم کا علاج صرف اور صرف اسلامی تعلیمات کے اپنانے اور ان کو رائج کرنے ہی میں مضمر ہے اور ان تمام معاشرتی اہتریوں کا حل، جس نے پورے معاشرے کو زہرناک کر رکھا ہے، اسلامی قوانین کی موثر عمل داری ہی سے ممکن ہے۔

وہی دیرینہ بیماری، وہی ناٹھکی دل کی
علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

ضروری وضاحت:

قارئین بعض جگہوں پر تکرار محسوس کریں گے۔ اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ یہ مضامین مختلف حالات میں لکھے گئے ہیں۔ اور دوسری وجہ کسی مضمون کی اہمیت و افادیت اس کے بغیر ناممکن رہتی ہے۔ اس لیے تکرار کو گوارا کر لیا گیا ہے تاکہ کسی بھی عنوان یا مضمون میں اپنی ممکن حد تک ٹھنگی نہ رہے۔

حافظ صلاح الدین یوسف

مشیر وفاقی شرعی عدالت۔ پاکستان

124/40 شاداب کالونی، علامہ اقبال روڈ

گرڈھی شاہولا ہور، 24 مارچ 2016ء

فون نمبر: 03214133675



اسلام میں عورت کا مقام

اسلام سے قبل عورت کی جو حالت تھی، محتاج وضاحت نہیں، اہل علم اس سے پوری طرح باخبر ہیں۔ اسلام نے اسے تعزیر مذلت سے نکالا اور عزت و احترام کے مقام پر فائز کیا۔ وہ وراثت سے محروم تھی، اسے وراثت میں حصے دار بنایا۔ نکاح و طلاق میں اس کی پسندیدگی و ناپسندیدگی کا قطعاً کوئی دخل نہ تھا، اسلام نے نکاح و طلاق میں اسے خاص حقوق عطا کیے۔ اسی طرح اسے وہ تمام تمدنی و معاشرتی حقوق عطا کیے جو مردوں کو حاصل تھے۔

عورت کی بابت اسلامی تعلیمات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

﴿عورت کے شرف و وقار کے تحفظ کے لئے اسلامی تعلیمات کا خلاصہ﴾

(1) ہمیشہ انسان عورت بھی مرد ہی کی طرح انسانی شرف و احترام کی مستحق ہے۔ اس لحاظ سے مرد و عورت کے مابین کوئی فرق نہیں۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے:

﴿خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾ (النساء: 4)

”تم سب کو ایک جان سے پیدا کیا۔“

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا النِّسَاءُ شَقَائِبُ الرَّجَالِ﴾

”عورتیں مردوں ہی کی شقیقہ (ہم جنس) ہیں“^①
 ”شقیقہ“ کا مطلب ہے ”پیدائش“ اور طبیعت میں یکساں ہونا۔ چنانچہ امام خطابی لکھتے ہیں:
 ”(اس حدیث سے مراد کہ) عورتیں پیدائش اور طبعی اوصاف میں مردوں ہی کی طرح
 ہیں، گویا کہ وہ مردوں ہی سے نکلی ہوئی ہیں۔“^②

یوں اسلام نے عورت کے بارے میں اس تصور کو کہ عورت مرد کے مقابلے میں ذلیل
 و حقیر مخلوق ہے، باطل قرار دیا اور واضح الفاظ میں صراحت کر دی کہ تکریم آدمیت اور
 شرف انسانیت کے لحاظ سے مرد و عورت میں فرق روا نہیں رکھنا چاہیے۔

② اسی بنیاد پر، اسلام میں وجہ فضیلت اور وجہ ذلت یہ نہیں ہے کہ فلاں مرد ہے، اس لیے
 افضل ہے اور فلاں عورت ہے، اس لیے ذلیل ہے بلکہ شرف و فضل کا معیار ایمان
 و تقویٰ ہے۔ فرمایا:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾

”اللہ کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور
 پرہیزگار ہے۔“ (الحجرات: 13)

اس نکتے کو قرآن کریم نے دوسری جگہ کھول کر بیان فرمایا:
 ﴿مَنْ عَمِلْ صَالِحًا قَبْلَ ذَٰكِرٍ أَوْ أَنفَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۖ
 وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾^③
 ”جس کسی نے بھی، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، عمل صالح کیا درآں حالیکہ وہ مومن
 ہے تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ان کے بہترین عملوں کا انہیں ضرور

① سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب فی الرجل یجد البیلة فی منامہ، حدیث: 236

② معالم السنن، (1/162)

بدلہ دیں گے“ (انگل 97:16)

اور اس مفہوم کو سورہ احزاب میں مزید تفصیل سے بیان کیا۔ فرمایا:

﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبَاتِ وَالصَّالِحِينَ وَالصَّالِحَاتِ وَالْمُحْسِنِينَ وَالْمُحْسِنَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾

”بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں مومن مرد اور مومن عورتیں فرماں بردار مرد اور فرمانبردار عورتیں راست گو مرد اور راست گو عورتیں صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں ان (سب کے) لئے اللہ تعالیٰ نے (وسیع) مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔“ (الاحزاب 35:33)

غرض ایمان اور اعمال صالحہ، جو فلاحِ ابدی کے ضامن ہیں، ان میں مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ جو بھی اپنی سیرت و کردار کو اس سانچے میں ڈھال لے گا، وہ اللہ کی بارگاہ میں سرخرو ہوگا اور جو ایمان و عمل صالح سے محروم ہوگا، وہ مستحقِ عذاب ہوگا۔ قطع نظر اس بات کے کہ اس کا تعلق صنفِ ذکور سے ہے یا صنفِ اناث سے۔

③ اسلام سے قبل لڑکی کی ولادت کو منحوس سمجھا جاتا تھا حتیٰ کہ بعض درندہ صفت افراد لڑکی کو زندہ دگر کر دیتے تھے۔ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کے اس رویے کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

﴿وَإِذَا بُرِّيَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ كُلًّا وَجْهَهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۗ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ

﴿مِنْ سُوءِ مَا بُقِعْتُمْ بِهِ آمَنَسِكُمْ عَلٰى هٰؤُلَاءِ اَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ اِلَّا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾^①
 ”جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی نوید سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ (مارے غم اور افسوس کے) سیاہ ہو جاتا ہے اور دل میں وہ گھٹ رہا ہوتا ہے وہ اس خبر کو برا سمجھتے ہوئے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس ذلت کو برداشت کرے یا اس کو مٹی میں دبا دے“ (النحل: 16: 58، 59)

اسلام نے ان کے اس رویے کی سخت مذمت کی اور بچیوں کو اس طرح زندہ درگور کرنے سے یہ کہہ کر منع فرمایا کہ اگر کسی نے اس فعل شنیع کا ارتکاب کیا تو اس سے بارگاہ الہی میں باز پرس ہوگی۔

﴿وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾ [التكوير: 9-8]

”اور جب زندہ درگور کردہ لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم میں قتل کی گئی۔“
 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لڑکے کے مقابلے میں لڑکی کو حقیر سمجھنے اور اسے زندہ درگور کرنے کی مذمت بیان فرمائی اور بچیوں کی پرورش اور ان کی تعلیم و تربیت کے فضائل بیان فرمائے۔ فرمایا:

﴿مَنْ كَانَتْ لَهُ أَنْثَى فَلَمْ يَتَّذَرَهَا، وَلَمْ يُهِنِّهَا، وَلَمْ يُؤْتِزْ وَلَدَهُ عَلَيْهَا، قَالَ: يَغْنِي الذُّكُورَ - أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ﴾

”جس کے ہاں لڑکی ہوئی اس نے اسے زعمہ درگور کیا نہ اسے حقیر سمجھا اور نہ لڑکے کو اس پر ترجیح دی تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔“^①

① سنن ابن داؤد، کتاب الادب، باب فضل من عال یتامی، حدیث: 5146 اسنادہ ضعیف، ضعفه الألبانی وعلینہ

﴿مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ، فَأَدَّبَهُنَّ، وَزَوَّجَهُنَّ، وَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ، فَلَهُ الْجَنَّةُ﴾
 ”جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی، ان کی تعلیم و تربیت کی، ان کی شادیاں کیں اور
 ان کے ساتھ حسن سلوک کیا تو اس کے لیے جنت ہے۔“⁵¹⁴⁷

ایک اور روایت میں یہ الفاظ اس طرح ہیں:
 ﴿ثَلَاثَ أُخْوَاتٍ، أَوْ ثَلَاثَ بَنَاتٍ، أَوْ بَنَاتٍ، أَوْ أُخْتَانِ﴾
 ”جس نے تین بہنوں یا تین بیٹیوں یا دو بیٹیوں یا دو بہنوں کی پرورش کی (اس
 کے لیے جنت ہے)“⁵¹⁴⁸

اس مفہوم کی متعدد روایات کتب حدیث میں موجود ہیں جن میں لڑکیوں کی پرورش
 اور تعلیم و تربیت کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اسلام کی انہی تعلیمات و ہدایات کا نتیجہ
 ہے کہ بہت سے گھرانوں میں اگرچہ جہالت کی وجہ سے لڑکیوں کی پیدائش پر کراہت کا اظہار
 کیا جاتا ہے لیکن جہاں تک ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا تعلق ہے، کسی بھی مسلم گھرانے
 میں اس میں کوتاہی نہیں کی جاتی اور بچیوں کو شہزادیوں کی طرح پالا اور رکھا جاتا ہے۔

اسلامی معاشرے میں عورت کی چار حیثیتیں ہیں۔ وہ کسی کی بیٹی ہے، کسی کی بہن ہے،
 کسی کی بیوی اور کسی کی ماں ہے۔ اسلام نے ان چار حیثیتوں میں اس کی عزت و احترام کی
 تلقین و تاکید کی ہے۔ بیٹی اور بہن کی حیثیت سے اس کی تعلیم و پرورش کا مختصر ذکر تو گزر
 چکا ہے۔ بہ حیثیت بیوی کے اس کے لیے جو تعلیم دی گئی ہے، وہ حسب ذیل آیات
 و احادیث سے واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

⁵¹⁴⁷ سنن ابی داؤد: الأُذُب، باب فضل من عال یتامی، حدیث، 5147

⁵¹⁴⁸ سنن ابی داؤد: الأُذُب، باب فضل من عال یتامی، حدیث، 5148

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾
 ”اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان مودت و رحمت پیدا فرمادی۔“ (الروم: 21-30)

اس آیت کریمہ میں ایک تو عورت کو مرد کے لیے باعث تسکین بتلایا، جس سے اس کی اہمیت و عظمت واضح ہے۔ دوسرے، دونوں صنفوں کے تعلق کی نوعیت کو واضح کیا کہ ان کے مابین کشاکش اور تناؤ کی بجائے الفت و محبت اور شفقت و رحمت کا رشتہ قائم ہونا اور رہنا چاہیے۔ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے عورت کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید اس طرح فرمائی:

﴿وَعَايِرُوا هُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَجَعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾

”اور عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں (تب بھی ان سے نباہ کرو) ہو سکتا ہے کہ جس چیز کو تم ناپسند کرتے ہو، اس میں اللہ تعالیٰ خیر کثیر پیدا فرمادے۔ (النساء: 19)

ایک اور مقام پر عورت کے حقوق کا ان الفاظ میں تذکرہ فرمایا:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْنَ بِالْمَعْرُوفِ﴾

ان عورتوں کے لئے (مردوں پر) معروف طریقے کے مطابق وہی (حقوق) ہیں جو

عورتوں پر (مردوں کے لیے) عائد ہوتے ہیں۔“ (البقرة: 23-228)

اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ نے بھی اپنی امت کو بڑی تاکید فرمائی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ أَكْمَلِ الْمُؤْمِنِينَ إِيْمَانًا أَحْسَنَهُمْ خُلُقًا وَأَلَطَفَهُمْ بِأَهْلِيهِ»
 ”کامل ترین مومن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے بہتر اور اپنے بیوی بچوں پر
 سب سے زیادہ مہربان ہو۔“^①

اور فرمایا:

«خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِيهِ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي»
 ”تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے حق میں سب سے بہتر ہے اور میں
 اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہوں۔“^②

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ نے جو اہم باتیں اپنی امت کو ارشاد فرمائیں، ان
 میں سے ایک یہ بھی تھی:

«اسْتَوْضُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَانٌ»

”عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، وہ تمہارے پاس اسیر (قیدی) ہیں۔“^③

ایک حدیث میں نیک عورت کو بہترین متاع قرار دیا گیا ہے۔

«خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ»^④

ماں کی حیثیت سے اسلام میں عورت کا مقام بہت اونچا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
 ﴿وَوَضَعْنَا الْإِنْسَانَ بَوَالِدَيْهِ حَمَلَتُهُ أُمَّهُ وَهَذَا عَلَى وَهْنٍ وَفِضْلُهُ فِي عَامَتَيْنِ أَنْ
 اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَى الْمَصْدَرِ﴾
 ”اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں (حسن سلوک کی) بڑی

① جامع الترمذی: کتاب الایمان، باب فی استکمال الایمان والزیادہ، حدیث: 2612

② سنن ابن ماجہ: کتاب النکاح، باب حسن معاشرۃ النساء، حدیث: 1977

③ سنن ابن ماجہ: کتاب النکاح، باب حق المرأة علی الزوج، حدیث: 1851

④ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب غیر متاع الدنیا المرأة الصالحة، حدیث: 1487

تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے حمل کی مدت پوری کی اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے (یہ اس لیے) کہ وہ میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرے“ (لقمان 31:14)

دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾

”اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے، اس کی ماں نے اسے مشقت کے ساتھ حمل میں رکھا اور مشقت و تکلیف کے ساتھ اس کو جنا۔“ (الاحقاف 15:46)

ان دونوں آیات میں اگرچہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم اور اس کی تاکید کی گئی ہے لیکن ماں کے حمل و ولادت کی تکلیف کا بطور خاص جس طرح ذکر کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں کا حق باپ سے کئی گنا زیادہ ہے اور حدیث سے بھی اس کی تاکید ہوتی ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا:

﴿مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحَسَنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ: أُمُّكَ قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ﴾

”میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ”تمہاری ماں۔“ اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ نے فرمایا: ”تمہاری ماں۔“ اس نے پھر پوچھا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: ”تمہاری ماں۔“ اس نے کہا: پھر کون؟ آپ نے جواب میں

فرمایا: ”پھر تمہارا باپ۔“ ﴿۱﴾

اس حدیث میں تین مرتبہ ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید فرمانے کے بعد چوتھی مرتبہ باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ تین تکلیفیں ایسی ہیں جو صرف ماں برداشت کرتی ہے، بچے کے باپ کا اس میں حصہ نہیں۔ ایک حمل کی تکلیف جو نومبینے عورت برداشت کرتی ہے۔ دوسری وضع حمل (زچگی) کی تکلیف، جو عورت کے لیے موت و حیات کی کشمکش کا ایک جاں گسل مرحلہ ہوتا ہے۔ تیسری رضاعت (دودھ پلانے) کی تکلیف، جو دو سال تک محیط ہے۔ بچے کی شیر خوارگی کا یہ زمانہ ایسا ہوتا ہے کہ ماں راتوں کو جاگ کر بھی بچے کی حفاظت و نگہداشت کا مشکل فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ اس دوران میں بچہ بول کر اپنی ضرورت بتلا سکتا ہے نہ اپنی کسی تکلیف کا اظہار ہی کر سکتا ہے۔ صرف ماں کی ممتا اور اس کی بے پناہ شفقت اور پیار ہی اس کا واحد سہارا ہوتا ہے۔ عورت یہ تکلیف بھی ہنسی خوشی برداشت کرتی ہے۔

یہ تین مواقع ایسے ہیں کہ صرف عورت ہی اس میں اپنا عظیم کردار ادا کرتی ہے اور مرد کا اس میں حصہ نہیں۔ انہی تکالیف کا احساس کرتے ہوئے شریعت نے باپ کے مقابلے میں ماں کے ساتھ حسن سلوک کی زیادہ تاکید کی ہے۔

— شادی سے قبل اور شادی کے بعد —

شادی سے قبل اس کی تعلیم و تربیت کی فضیلت اور شادی کے بعد عورت سے حسن

﴿۱﴾ صحیح البخاری، کتاب الادب، باب من أعتق الناس بمشئنه المستخیر، حدیث، 5971 و صحیح مسلم، البر والصلۃ والأدب، باب

بروالدین وأیہما أحق بہ، حدیث، 2548 واللغظ لہ

معاشرت کی تاکید کی فضیلت بیان ہو چکی ہے لیکن عورت کے لیے دوسرے اس کی زندگی میں بڑے اہم موڑ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک مرحلہ شادی سے قبل رشتہ ازدواج قائم کرنے میں اس کی پسند اور ناپسند کا مسئلہ ہے اور دوسرا مرحلہ وہ ہے کہ شادی کے بعد اگر خاوند صحیح کردار کا حامل ثابت نہ ہو تو اس سے گلو خلاصی کی کیا صورت ہے؟ ان دونوں مرحلوں کے لئے بھی اسلام نے عورت کے جذبات کو ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت معقول ہدایات دی ہیں تاکہ عورت پر کسی طرح سے بھی جبر و ظلم نہ ہو سکے۔

﴿نکاح میں عورت کی پسند اور اس کے اختیار کے مسئلے میں بالعموم بڑی افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ کہیں تو عورت کو بالکل بے دست و پا بنا دیا گیا ہے، اس کی پسند و ناپسند کی قطعاً کوئی پروا نہیں کی جاتی اور کہیں ایسا با اختیار بنا دیا گیا ہے کہ ماں باپ اور اس کے سرپرستوں کی رائے اور مشورے کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ اسلام نے اس افراط و تفریط کے مقابلے میں یہ راہ اعتدال اختیار کی کہ ایک طرف ولی (سرپرست) کی ولایت اور اجازت ضروری قرار دی اور فرمایا:

﴿لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَالِيٍّ﴾

”ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں ہے۔“^①

اس حدیث کی روشنی میں اکثر ائمہ کے نزدیک ایسا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، تاہم فقہاء کا ایک گروہ اس حدیث کی تضعیف یا تاویل کی وجہ سے انعقاد نکاح کا تو قائل ہے لیکن اس کے ناپسندیدہ ہونے میں اسے بھی کلام نہیں اور بعض شکلوں میں ان کے نزدیک

① سنن ابی داؤد کتاب النکاح، باب فی الولی، حدیث: 2085 تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، فتح الباری (184/8)؛ تحت

حدیث: 5127، 5153، ونیل الاوطار: (252-258/6)

سرپرستوں کو ایسا نکاح فسخ کرانے کا اختیار رہتا ہے۔^❶
 دوسری طرف عورت کی رضامندی اور اس کی اجازت بھی ضروری قرار دی گئی ہے اور
 فرمایا:

«لَا تَنْكِحُ الْأَيْمَانَ حَتَّىٰ تَسْتَأْذِنَ»

”بیوہ عورت کا نکاح اس کے مشورے کے بغیر نہ کیا جائے۔“^❷

نیز فرمایا:

«لَا تَنْكِحُ الْبُكَرَ حَتَّىٰ تَسْتَأْذِنَ»

”کنواری لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔“^❸

کنواری عورت کے اندر شرم و حیا زیادہ ہوتی ہے، اس لیے اس سے اجازت طلبی کا
 مسئلہ مشکل تھا، اسے بھی شریعت نے اس طرح حل فرمادیا کہ ”کنواری کی خاموشی ہی اس
 کی اجازت اور رضامندی ہے۔“^❹

عورت کی رضامندی اور اس کی اجازت کی شریعت میں کتنی اہمیت ہے، اس کا اندازہ
 عہد رسالت مآب ﷺ کے ایک واقعے سے باسانی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک خاتون
 خنساء بنت خذام انصاریہ کا نکاح ان کے والد نے ان کی اجازت کے بغیر کر دیا۔ انہیں یہ
 رشتہ ناپسند تھا۔ انہوں نے آکر نبی ﷺ کی خدمت میں باپ کی شکایت کی تو آپ نے

❶ فتح القدر لابن المہام (255/3)

❷ صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب لانکح الأب وغیره البکر والظہب إلا برضاہما، حدیث: 5136

❸ صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب لانکح الأب وغیره البکر والظہب إلا برضاہما، حدیث: 5136

❹ صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب لانکح الأب وغیره البکر والظہب إلا برضاہما، حدیث: 5136

اسے ناپسند فرمایا اور نکاح رد کر دیا، یعنی کالعدم قرار دے دیا۔⁵¹³⁸

(اس پر مزید گفتگو مسئلہ ولایت نکاح میں ملاحظہ فرمائیں)

شادی کے بعد اگر خاوند عورت کے نزدیک ناپسندیدہ ہو تو اس سے گلو خلاصی حاصل کرنے کے لیے، اسی طرح عورت کو خلع کا حق دیا گیا ہے، جس طرح مرد کو ناپسندیدہ بیوی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے طلاق کا حق حاصل ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مرد کو تو طلاق کا حق ہے لیکن اس کے مقابلے میں عورت مجبور ہے۔ وہ اگر خاوند کو ناپسند کرتی ہے تو اس کے لیے اس سے نجات حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ یہ تصور صحیح نہیں۔ عورت کو مرد کے حق طلاق کے مقابلے میں اسلام نے حق خلع عطا کیا ہے، البتہ اس نے مرد و عورت دونوں کو یہ تاکید کی ہے کہ دونوں اپنا یہ حق انتہائی ناگزیر حالات میں استعمال کریں۔ محض ذائقہ بدلنے کے لیے استعمال نہ کریں۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو سخت گناہ گار ہوگا۔

اسی طرح شریعت اسلامیہ نے مرد کو طلاق دینے کے بعد رجوع کا حق دیا ہے اس میں عورت پر ظلم کی صورت ہو سکتی تھی کہ طلاق دینے کے بعد عدت کے اندر بار بار مرد رجوع کر لے اور یوں عورت کو نہ آباد کرے اور نہ مکمل آزاد کرے اور وہ بیچ میں معلق رہے، جس طرح زمانہ جاہلیت میں عورت کو اس طرح تنگ کیا جاتا تھا کہ وہ اس کو طلاق دیتے تھے نہ آباد کرتے تھے بلکہ طلاق دیتے اور عدت گزرنے سے قبل ہی رجوع کر لیتے، پھر طلاق دیتے اور پھر عدت گزرنے سے قبل رجوع کر لیتے اور یہ سلسلہ سالہا سال تک اسی طرح معلق چلتا رہتا۔ شریعت نے اس ظلم کے انسداد کے لیے حق طلاق کو محدود کر دیا

⁵¹³⁸ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب إذا زوج ابنته وهي كارهة فنكاحه مردود، حدیث: 5138

کہ مرد دومرتبہ تو طلاق دینے کے بعد رجوع کر سکتا ہے لیکن تیسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد رجوع کا بالکل حق نہیں رہتا۔ ماسوا اس کے کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے اور وہ اپنی مرضی سے اسے طلاق دے دے۔

یہ چند مختصر اشارات ہیں جن سے واضح ہے کہ اسلام نے عورت کو عزت و احترام کا وہ مقام عطا کیا ہے جو کسی بھی مذہب اور نظام نے نہیں دیا۔

مرد اور عورت کے دائرہ کار کا اختلاف ﴿ ۲ ﴾

اسی طرح اسلام کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے مرد اور عورت دونوں کے دائرہ کار کو بھی متعین کر دیا ہے اس امر میں تو اختلاف کی کوئی ادنیٰ سی گنجائش بھی نہیں کہ قدرت نے مرد اور عورت کو الگ الگ مقاصد کے لیے پیدا فرمایا ہے، لہذا دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں صنفوں کی ذہنی و عملی صلاحیتوں میں قدرتی فرق کو بھی تسلیم کیا جائے اور اس فرق کی بنیاد پر دونوں کے دائرہ کار کے اختلاف کو بھی۔ اگرچہ دونوں اپنے اپنے دائرے میں انسانی زندگی کے لیے ناگزیر اور ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ عورت مرد سے بے نیاز نہیں رہ سکتی اور مرد عورت کو نظر انداز کر کے زندگی کی شاہراہ پر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا، تاہم دونوں کی ذہنی صلاحیتوں میں فرق ہے، دونوں کا مقصد تخلیق الگ الگ ہے اور دونوں کے دائرہ کار ایک دوسرے سے مختلف اور جدا گانہ ہیں۔

بنابریں شریعت اسلامیہ نے ذہنی و عملی فرق و تقادوت اور دائرہ کار کے اختلاف کی وجہ سے بہت سی چیزوں میں مرد و عورت کے درمیان فرق ملحوظ رکھا ہے۔ بعض ذمے

داریاں صرف مردوں پر عائد کی ہیں، عورتوں کو ان سے مستثنیٰ رکھا ہے۔ اسی طرح بعض خصوصیات سے عورتوں کو نوازا ہے، مردوں کو ان سے محروم رکھا ہے لیکن ان فطری صلاحیتوں کے فرق و تفاوت کا مطلب کسی صنف کی برتری اور دوسری صنف کی کمتری و حقارت نہیں ہے۔ مثال کے طور پر مرد کے اندر اللہ تعالیٰ نے صلاحیت رکھی کہ وہ عورت کو بار آور کر سکتا ہے لیکن خود بار آور نہیں ہو سکتا، اس کے برعکس عورت کے اندر صلاحیت رکھی ہے کہ وہ بار آور ہو سکتی ہے لیکن وہ بار آور کر نہیں سکتی۔ گویا مرد کے اندر تخلیق و ایجاد کا جوہر رکھا گیا ہے تو عورت کو اس تخلیق و ایجاد کے ثمرات و نتائج سنبھالنے کا سلیقہ اور ہنر عطا کیا گیا ہے۔ اسی طرح اگر مرد کو حکمرانی و جہان بانی کا حوصلہ عنایت کیا گیا ہے تو عورت کو گھر بسانے کی قابلیت بخشی گئی ہے۔ مرد کے اندر قوت و عزیمت کے اوصاف رکھے گئے ہیں تو عورت کو دل کشی و دل ربائی کا وصف عطا کیا گیا ہے، چنانچہ اس کا رخاۂ عالم کی زیب و زینت کسی ایک ہی صنف کے اوصاف سے نہیں ہے بلکہ دونوں قسم کے اوصاف سے ہے اور دونوں ہی انسانی معاشرے کے اہم رکن ہیں۔

انسانی معاشرے کا وجود اور بقا ان دونوں میں سے کسی ایک ہی پر منحصر نہیں ہے کہ ساری اہمیت بس اسی کو دے دی جائے اور دوسرے کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے بلکہ اس پہلو سے دونوں مساوی حیثیت رکھتے ہیں، البتہ خصوصیات اور صلاحیتیں دونوں الگ الگ لے کر آئے ہیں، لہذا مرد جو کام کر سکتے ہیں، عورتیں وہ سارے کام نہیں کر سکتیں لیکن ایسے مردانہ کام نہ کر سکتا، عورت کی تحقیر نہیں ہے۔ اسی طرح عورت کے بعض کام مرد نہیں کر سکتے تو اس میں ان کے لیے حقارت کا پہلو نہیں۔ دونوں اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق اعمال

کے مکلف ہیں، اسی لئے اسلام کی منشا یہ ہے کہ دونوں صنفیں اپنے اپنے دائرے میں کام کر کے منشاء قدرت کی تکمیل کریں اور ایک دوسرے کے کاموں میں دخیل ہو کر فساد تمدن کا باعث نہ بنیں۔ وہ ایک دوسرے کے معاون ہوں، متحارب نہ ہوں۔ حلیف ہوں، حریف نہ ہوں۔ جو انسانی معاشرہ اس فطری اصول سے انحراف کرے گا، امن و سکون سے محروم ہو جائے گا۔

اس لیے اسلام نے انسانی معاشرے کو فساد سے بچانے کے لیے مرد و عورت دونوں کے دائرہ کار کو ان کی فطری صلاحیتوں کے مطابق متعین کر دیا ہے۔ مرد کا دائرہ کار گھر سے باہر اور عورت کا اصل دائرہ کار گھر کی چار دیواری ہے اور اسی بنیاد پر اس نے مرد اور عورت کے درمیان بہت سے امور میں فرق کیا ہے، جس کی مختصر تفصیل آپ آنے والے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔



مرد اور عورت کے درمیان بنیادی فرق

• معاشی کفالت کا ذمے دار اور خاندان کا سربراہ •

اسلام نے عورت کو کمائے (ملازمت کرنے یا تجارت و کاروبار کرنے) سے مستثنیٰ کر رکھا ہے نان و نفقہ کی ساری ذمے داری مرد پر ڈالی ہے، چنانچہ عورت جب تک غیر شادی شدہ ہے، ماں باپ یا بھائی یا بصورت دیگر چچا وغیرہ اس کے کفیل ہوں گے اور شادی کے بعد اس کا خاوند یا بیٹا۔ اسی اعتبار سے مرد کو عورتوں کا قوام (سربراہ، حاکم اور نگران) کہا گیا ہے۔

﴿الرِّجَالُ كَالْمُؤْمِنِينَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا آتَيْنَاهُم مِّنْ أَمْوَالِهِمْ﴾
 ”مرد عورتوں پر قوام (نگران) ہیں، بہ سبب اس کے جو اللہ نے بعض کو بعض پر

فضیلت دی اور بہ سبب اس کے جو وہ مرد اپنے مالوں سے خرچ کرتے ہیں“ (النساء: 34)
 مرد کی جس فضیلت کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ یہی ہے کہ چونکہ خاندان کا کفیل وہ ہے اور تجارت و کاروبار اسی کی ذمے داری ہے۔ اس کو اس قسم کی صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے اور وہی یہ بوجھ اٹھانے کے قابل بھی ہے، اس لیے اس کی ذمے داری کی نسبت سے اس کا حق بھی زیادہ ہے اور وہ حق یہ ہے کہ وہ سربراہ خاندان ہو۔ مرد کی اس فضیلت و فوقیت کو دوسری آیت میں یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿وَالرِّجَالُ كَالْمُؤْمِنِينَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا آتَيْنَاهُم مِّنْ أَمْوَالِهِمْ﴾

”مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ (مرتبہ) حاصل ہے۔“ (البقرہ: 228)

عورت کے لئے پردے کا حکم

اسلام نے عورت کو چونکہ بیرون خانہ کی ذمے داریوں سے مستثنیٰ رکھا ہے، اس لئے اس نے عورتوں کے لیے یہ تاکید کی ہے کہ وہ اپنا وقت گھر کے اندر گزاریں۔

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ﴾

”اور تم اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور پہلے زمانہ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار کا اظہار

نہ کرتی پھرو۔“ (الاحزاب: 33)

اس آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا منصب یہ قطعاً نہیں ہے کہ وہ بازار کی تاجر، دفتر کی کلرک، عدالت کی جج، فوج کی سپاہی، کسی افسر کی سیکریٹری، کسی دکان میں ماڈل گرل یا اتر ہوٹسٹس بنے بلکہ اس کے عمل کا حقیقی میدان اس کا گھر ہی ہے، چنانچہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

﴿وفيه الدلالة على أن النساء مأمورات بلزوم البيت منهيات عن الخروج﴾

یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں ٹک کر رہنے پر مامور ہیں اور باہر نکلنا اس کے لیے ممنوع ہے۔

یہ آیت ازواجِ مطہرات کے ضمن میں نازل ہوئی تھی لیکن اس میں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ تمام مسلمان عورتوں کے لیے عام ہیں، چنانچہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

﴿فهذه الأمور كلها ما أوجب الله تعالى به نساء النبي ﷺ صيانة لهن وسائر نساء المؤمنين مرادات بها﴾

”یہ تمام امور وہ ہیں جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کو ان کی عزت و حرمت کی حفاظت کے لیے آداب سکھلائے اور ان سے مراد تمام مومن عورتیں

ہیں۔“ ❶

البتہ ضرورت کے وقت گھر سے باہر نکل سکتی ہیں لیکن پردے کی پابندی کے ساتھ جس کا حکم بھی قرآن میں موجود ہے اور احادیث میں بھی یہ تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ شریعت کی نگاہ میں عورت کے لیے اپنے گھر ٹھہرنے کی جتنی اہمیت ہے، اس کا اندازہ اس سے آسانی لگایا جاسکتا ہے کہ عبادات ہوں یا دیگر فرائض حیات، ان کو عورت پر اجتماعی شکل میں فرض ہی نہیں کیا گیا ہے۔ نماز جو سب سے اہم عبادت ہے۔ مرد پر تو باجماعت فرض ہے اور بغیر جماعت کے پڑھنے پر سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں لیکن عورت پر نماز تو ضرور فرض ہے لیکن اس کے لیے جماعت ضروری نہیں ہے۔ اگرچہ اسے یہ اجازت تو حاصل ہے کہ اگر وہ مسجد میں آکر باجماعت نماز پڑھنا چاہتی ہے تو پردے کے اہتمام کے ساتھ آکر ادا کر سکتی ہے لیکن اسے ترغیب یہ دی گئی ہے کہ اس کے لیے زیادہ بہتر گھر کے اندر ہی نماز پڑھنا ہے بلکہ گھر کے اندر بھی وہ حصہ زیادہ بہتر ہے جو گھر کا زیادہ سے زیادہ اندرونی حصہ ہو، چنانچہ فرمایا:

(خیر مساجد النساء قعر بیوتھن)

”عورتوں کے لیے بہترین مساجد (جائے عبادات) ان کے گھروں کے سب سے

اندرونی حصے ہیں۔“ ❷

مشہور صحابی حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنا

❶ احکام القرآن للجصاص (443/3)

❷ مستداحد (297/6)

پسند کرتی ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے یقین ہے کہ تمہاری خواہش یہی ہے لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارا اپنے مکان کی کسی تنگ کوٹھڑی میں نماز پڑھنا تمہارے لیے کشادہ کمرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور تمہاری جو نماز کمرے میں ادا ہو وہ مکان کے وسط میں ادا کی جانے والی نماز سے اولیٰ ہے اور تمہاری وسط مکان میں پڑھی جانے والی نماز اس نماز سے افضل ہے جو تم اپنے محلے کی مسجد میں پڑھو۔ اسی طرح تمہاری جو نماز اپنے محلے کی کسی مسجد میں ادا ہو وہ تمہارے حق میں میری مسجد (مسجد نبوی) میں پڑھی جانے والی نماز سے بہتر ہے۔“

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن سوید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی پھوپھی (ام حمید رضی اللہ عنہا) نے اپنے لیے مکان کا سب سے اندرونی اور تاریک حصہ نماز کے لیے متعین کر لیا تھا اور وہیں ساری عمر نماز پڑھتی رہیں۔^❶

جمعہ بھی اجتماعی عبادت کا ایک اہم مظہر ہے۔ اس میں بھی عورتیں اگرچہ شرکت کر سکتی ہیں لیکن یہ اجتماعی عبادت بھی عورت پر فرض نہیں ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي بَجَاعَةٍ إِلَّا أُنْبَعَةٌ: عَبْدٌ مَمْلُوكٌ، أَوْ امْرَأَةٌ، أَوْ صَبِيٌّ، أَوْ مَرِيضٌ»

”جمعہ ہر مسلمان پر باجماعت پڑھنا واجب ہے، البتہ غلام، عورت، بچہ اور مریض اس (وجوب جمعہ) سے مستثنیٰ ہیں۔“^❷

شریعت نے مسلمانوں کو اپنے مرنے والے مسلمان بھائیوں کی نماز جنازہ پڑھنے کی

❶ مسند احمد (371/8)

❷ سنن أبی داؤد کتاب الصلاة، باب الجمعة للسلوك والمرأة، حدیث: 1067

بڑی تاکید کی اور اس کی خاص فضیلت بیان کی ہے لیکن عورتوں کے لیے اس کو ضروری نہیں سمجھا بلکہ ان کو جنازوں میں شرکت سے منع کر دیا گیا۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

«لَمْ يَمِينًا عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ، وَلَمْ يُعَزَّمْ عَلَيْنَا»

”ہمیں (عورتوں کو) جنازے کی متابعت کرنے سے منع کر دیا گیا ہے، تاہم اس میں زیادہ سختی نہیں کی گئی۔“^❶

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں ابن منیر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”امام بخاری رحمہ اللہ نے عورتوں کو جنازے کی ممانعت کے متعلق باب اور نماز جنازہ پڑھنے کی فضیلت کے باب کے درمیان متعدد ابواب کے ساتھ فاصلہ کر دیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں مرد و عورت کے درمیان فرق ہے اور جنازے میں شرکت کی جو فضیلت ہے، وہ صرف مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ عورتیں اس کی مخاطب نہیں کیونکہ عورتوں کو جنازے میں شرکت سے منع کیا گیا ہے۔ یہ ممانعت تحریم یا کراہت کی مقتضی ہے۔ جبکہ فضیلت استحباب پر دال ہے اور تحریم یا کراہت فضیلت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔“^❷

جہاد بھی اسلام کا ایک فریضہ ہے لیکن اسے بھی مردوں پر فرض کیا گیا ہے، عورتوں پر نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

کیا عورتوں پر جہاد فرض ہے؟ آپ نے فرمایا:

«نَعَمْ، عَلَيْنَهُنَّ جِهَادٌ، لَا قِتَالٌ فِيهِ: الْحُجُّ وَالْعُمْرَةُ»

❶ صحیح البخاری: کتاب الجنائز، باب اتِّبَاعِ النِّسَاءِ الْجَنَائِزِ، حدیث: 1278

❷ فتح الباری (3: 185)

”ہاں! ان پر بھی جہاد فرض ہے لیکن لڑائی والا جہاد نہیں، ان کا جہاد حج اور عمرہ ہے۔“¹
 غزوہ بدر کے موقع پر حضرت ام درقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا مجھے بھی اجازت دیجئے کہ آپ کے ساتھ جنگ میں چلوں اور زخمیوں اور بیماروں کی دیکھ بھال کا کام کروں، شاید اس طریقے سے اللہ تعالیٰ مجھے رتبہ شہادت سے سرفراز فرمادے۔ آپ نے فرمایا:

﴿قَرِي فِي بَيْتِكَ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَرْزُقُكَ الشَّهَادَةَ﴾

”تم اپنے گھر ہی میں تک کر رہو، تمہیں اللہ تعالیٰ ایسے ہی شہادت کا رتبہ عطا فرمادے گا۔“

راوی کا بیان ہے، چنانچہ ان کا نام ہی شہیدہ پڑ گیا تھا۔²

اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض غزوات میں چند خواتین اسلام نے حصہ لیا ہے لیکن وہ محض گنتی کی چند عورتیں تھیں اور انہوں نے بھی وہاں جا کر مردوں کے دوش بدوش مورچے سنبھالے تھے نہ تو پ و تفنگ سے وہ مسلح تھیں بلکہ صرف پیچھے رہ کر فوجیوں کی خوراک اور مرہم پٹی کا کام کرتی رہتی تھیں۔ جس طرح حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا نے وضاحت کی ہے:

﴿غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ، أَخْلَقْتُهُمْ فِي

رِحَالِهِمْ، فَأَصْنَعُ لَهُمُ الطَّعَامَ، وَأُدَاوِي الْجُرْحَى، وَأَقُومُ عَلَى الْمَرْضَى﴾

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی میں ان کے خیموں میں پیچھے رہتی، ان کے لیے کھانا تیار کرتی، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی اور بیمار پرسی

¹ سنن ابن ماجہ: کتاب المناسک، باب الحج جہاد النساء، حدیث 2901

² سنن ابی داؤد: کتاب الصلاة، باب امامة النساء، حدیث 591

کرتی۔“

ان احادیث سے واضح ہے کہ جمعہ، جماعت، جنازہ اور جہاد وغیرہ فرائض میں عورتوں کی شرکت کو ضروری قرار نہیں دیا گیا ہے بلکہ ان کے ساتھ یہ خصوصی رعایت کی گئی ہے کہ گھر بیٹھے ہی انہیں ان فرائض کا اجر و ثواب مردوں ہی کی طرح مل جائے گا بشرطیکہ وہ گھریلو امور پوری ذمے داری سے ادا کریں۔

— وراثت میں عورت کا نصف حصہ —

وراثت میں بھی مرد و عورت کے درمیان فرق ہے۔

﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ مِثْلِ الْأُنثِيَيْنِ﴾

”مرد کے لیے دو عورتوں کی مثل ہے“ (النساء، 11:4)

اور اس کی وجہ بھی وہی مرد و عورت کے دائرہ کار کا اختلاف ہے۔ اسلام میں چونکہ نان و نفقہ کا ذمے دار مرد کو بنایا گیا ہے، عورت کو نہیں، اس لیے مرد کی ذمے داریوں کے بوجھ کے حساب سے اسے وراثت میں حصہ بھی دگنا دیا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو مرد پر ظلم ہوتا۔ اس کو ایک مثال سے یوں سمجھا جاسکتا ہے۔

ایک شخص فوت ہو جاتا ہے، اس کے درثناء میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے۔ اس کی جائیداد میں اسے ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ مِثْلِ الْأُنثِيَيْنِ﴾ کے تحت لڑکے کو ایک لاکھ کی رقم ملتی ہے اور لڑکی کو پچاس ہزار روپے۔ لڑکی کے یہ پچاس ہزار روپے نہ صرف محفوظ رہیں گے بلکہ ان میں اضافہ ہوگا اگر وہ اس کو کسی کاروبار میں لگا دے تو نفع آئے گا۔ علاوہ ازیں شادی پر

اسے خاندان کی طرف سے مہر ملے گا، جس سے اس کی مالی حیثیت میں اضافہ ہی ہوگا، جبکہ اس کے برعکس لڑکے کو اپنی شادی پر بھی خرچ کرنا پڑے گا اور آنے والی بیوی کو مہر بھی ادا کرے گا، اس کے نان و نفقہ کا بھی ذمہ دار ہوگا اور شاید اپنی بہن کی شادی کا خرچہ بھی اسے ہی برداشت کرنا پڑے۔ مکان اگر نہیں ہے بیوی بچوں کے لیے مکان کا بھی انتظام کرے گا۔ جبکہ اس کی بہن ان تمام جھمیلوں کھلکھیزوں سے محفوظ ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام کا نظام وراثت کس طرح حکمت سے پُر اور عدل و انصاف کے عین مطابق ہے۔

﴿• مرد کو ایک سے زیادہ چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے •﴾

اسلام میں مرد کو حسب ضرورت و اقتضا ایک سے زیادہ، یعنی چار تک بیویاں رکھنے کا حق حاصل ہے اور مغرب زدہ طبقہ اس پر کتنا بھی جھیں بہ جھیں ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے مرد کو یہ حکیمانہ اجازت دے کر انسانی معاشرے کو بہت سی خرابیوں سے بچانے کا اہتمام کیا ہے جس کا اعتراف اب مغرب کے وہ دانشور بھی کر رہے ہیں جن کے ہاں قانونی طور پر تو ایک سے زیادہ بیوی نہیں رکھی جاسکتی لیکن دہشتا میں رکھنے اور باہمی رضامندی سے زنا کاری کی عام اجازت ہے۔

عورت کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ بیک وقت کئی خاوندوں کی بیوی بن کر رہے اور اس میں حکمت یہی ہے کہ ایک تو خلقی طور پر عورت مرد کے مقابلے میں کمزور ہے۔ وہ زیادہ مردوں کی متحمل ہو ہی نہیں سکتی۔ دوسرا سب سے اہم مسئلہ نسب کی حفاظت کا ہے۔ عورتوں کو بھی مردوں کی طرح ایک سے زیادہ خاوندوں کی اجازت ہوتی تو ہونے والا بچہ

مجهول النسب رہتا۔ آخر کس کی طرف یقین کے ساتھ اسے منسوب کیا جاتا؟ اس کے علاوہ اس کی متعدد حکمتیں ہیں، جس کی کچھ تفصیل آگے آئے گی۔

﴿﴾ مرد کا حق طلاق اور اس کی حکمت ﴿﴾

حق طلاق بھی وہ حق ہے جو اسلام نے مرد کو تو دیا ہے، عورت کو نہیں دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت مرد کے مقابلے میں مشتعل اور جلد بازی میں جذباتی فیصلہ کرنے والی ہے، نیز عقل اور دور اندیشی میں کمزور ہے۔ عورت کو بھی اختیار دیے جانے کی صورت میں، یہ اہم رشتہ جو خاندان کے استحکام و بقا اور اس کی حفاظت و صیانت کے لیے بڑا ضروری ہے، تار عنکبوت سے زیادہ پائیدار نہ ہوتا۔ علمائے نفسیات و طبیعات بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں:

”عورت کی جسمانی ساخت بچوں کی جسمانی ترکیب سے قریب تر ہوتی ہے، اس لئے عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ بچوں کی طرح جلد متاثر اور منفعیل ہو جاتی ہے۔ فرحت و کلفت، خوف و مسرت کے احساسات جلد ہی اس پر طاری ہو جاتے ہیں اور چونکہ اس میں عقلیت اور غور و فکر کی قوت کو زیادہ دخل نہیں ہوتا، اس لیے جلد ہی تاثرات اس سے زائل بھی ہو جاتے ہیں اور اکثر دیر پا ثابت نہیں ہوتے۔ اس بنا پر عورت متلون اور غیر مستقل مزاج ہوتی ہے۔“

ایک اور اشتراکی فلسفی کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

”عورت کا وجدان مرد کے وجدان سے کمزور ہوتا ہے، جتنی کہ اس کی عقل مرد کی عقل سے کم ہوتی ہے، اس کے اخلاقی پیمانے بھی مرد سے مختلف ہوتے ہیں، اس

لیے بالکل ضروری نہیں کہ جس کو وہ اچھایا برا بتائے، واقعی وہ اچھایا برا ہی ہو۔“¹
مشہور حنفی فقیہ علامہ ابن ہمام، عورت کو حق طلاق نہ دیے جانے کے ضمن میں لکھتے ہیں:

«جَعَلَهُ بَيْنَ الرِّجَالِ دُونَ النِّسَاءِ لِاخْتِصَانِهِنَّ بِنِقْصَانِ الْعَقْلِ وَعَلَبَةِ الْهَوَى،
وَمَنْ ذَلِكَ سَاءَ اخْتِيارَهُنَّ وَسَرْعَ اغْتِيارَهُنَّ وَنِقْصَانِ الدِّينِ، وَمَنْهُ كَانَ أَكْثَرُ
شُغْلُهُنَّ بِاللُّدُنْيَا وَتَرْتِيبِ الْمَكَائِدِ وَإِفْشَاءِ سِرِّ الْأَرْوَاجِ وَعَنْدِ ذَلِكَ»

طلاق کا اختیار صرف مرد کے ہاتھ میں دینے کے وجہ سے چند یہ ہیں:
”عورتیں ناسمجھ (نقصان عقل) اور غلبہ ہوی (جذباتی ہونے) کی وجہ سے
اختیارات کا غلط طور پر استعمال کرنے لگتی ہیں اور جلد فریب کا شکار ہو جاتی ہیں اور
دینی حیثیت سے کمزور (نقصان دین) ہونے کی وجہ سے دنیا کے کاموں
(بناؤ سنگھار، غیبت اور بدگوئی وغیرہ) میں زیادہ منہمک رہتی ہیں، مگر کے جال
بنتی رہتی ہیں اور شوہروں کے رازوں کو ظاہر کر دیتی ہیں اور اس طرح کی اور
چیزیں ہیں۔“²

اس لیے شریعت اسلامیہ نے طلاق کا حق بھی صرف مردوں کو دیا ہے جو عقل و فہم،
تدبیر، دورانہ دیشی اور حوصلہ و عزم میں عورت سے فائق ہے۔ ہر سمجھ دار طلاق دینے سے
پہلے بہت کچھ سوچتا ہے اور بدرجہ آخر یہ حق طلاق استعمال کرتا ہے جس طرح کہ شریعت
نے بھی اسے بدرجہ آخر ہی استعمال کرنے کی تاکید کی ہے۔ عورت کی اس کمزوری کا ذکر
احادیث میں اس طرح کیا گیا ہے۔ فرمایا:

«اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلْعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلْعِ

¹ دائرة المعارف (عربی) فرید وجدی (596/8) بحوالہ ”معاشرتی مسائل دین فطرت کی روشنی میں“

مؤلف مولانا برہان الدین شائع کردہ مکتبہ الحسن لاہور۔

² فتح القدیر: الطلاق: (365/3)

أغلا، فَإِنْ ذَهَبَتْ بِحَيْمِهِ كَسْرَتَهُ، وَإِنْ تَرَكَتْهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ،
”عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی وصیت مانو! عورت پہلی سے پیدا کی گئی
ہے، اور سب سے زیادہ کچی اور پر کی پہلی میں ہوتی ہے۔ پس اگر تم اسے سیدھا
کرنے لگو گے تو توڑ دو گے اور یوں ہی چھوڑ دو گے تو کچی باقی رہے گی۔ پس
عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی وصیت قبول کرو۔“^❶

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

«وَفِيهِ سِيَاسَةُ النِّسَاءِ بِأَخْذِ الْعَفْوِ مِنْهُنَّ وَالصَّبْرِ عَلَى عَوَجِهِنَّ وَأَنْ مَنْ زَامَ
تَقْوِيَهُنَّ فَإِنَّهُ الْإِنْتِفَاعُ بِهِنَّ مَعَ أَنَّهُ لَا غِنَى لِلْإِنْسَانِ عَنِ امْرَأَةٍ يَسْكُنُ إِلَيْهَا
وَيَسْتَعِينُ بِهَا عَلَى مَعَاشِهِ فَكَأَنَّهُ قَالَ: الْإِنْتِفَاعُ بِهَا لَا يَكُونُ إِلَّا بِالصَّبْرِ عَلَيْهَا،
”مطلب اس کا یہ ہے کہ عورت کے مزاج میں تھوڑی سی کچی ہے (جو ضد وغیرہ کی
شکل میں بالعموم ظاہر ہوتی رہتی ہے۔) پس اس کمزوری میں اسے معذور سمجھو
کیونکہ یہ پیدائشی ہے۔ اسے صبر و حوصلے کے ساتھ برداشت کرو اور ان سے عفو
و درگزر کا معاملہ کرو اگر تم انہیں سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو ان سے فائدہ نہیں
اٹھا سکو گے درآں حالیکہ ان کا وجود انسان کے سکون کے لیے ضروری ہے اور
کشکاش حیات میں ان کا تعاون ناگزیر ہے، اس لیے صبر کے بغیر ان سے استمتاع
اور نباہ ناممکن ہے۔“^❷

ایک دوسری حدیث میں عورت کے سر لبع الغضب (زور درنج ہونے) اور ذرا سی بات
خلاف طبیعت پیش آجانے پر ایک دم سارے احسانات فراموش کر دینے کی فطرت کو اس
طرح بیان کیا گیا ہے:

❶ صحیح البخاری: أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم وذريته، حديث: 3331

❷ فتح الباری (315/9)

﴿لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِخْدَاهُنَّ اللَّذَهْرَ، ثُمَّ زَأْتِ مِنْكَ شَيْئًا، قَأَلَتْ: مَا زَأْتِ مِنْكَ حَيْرًا قَطُّ﴾

”تم ایک عورت کے ساتھ عمر بھر احسان کرتے رہو لیکن اگر وہ کسی وقت تم سے کسی معمولی بات بھی (خلاف طبیعت) دیکھ لے گی تو فوراً کہہ اٹھے گی، میں نے تو تیرے ہاں کبھی سکھ دیکھا ہی نہیں“ ❁

جدید ماہرین کا اعتراف

عورت کی جس فطری کجی کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے اور اس کی بنا پر اس کے ساتھ برداشت اور تحمل کے ساتھ گزارا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس کا اعتراف مختلف انداز سے اب چودہ سو سال کے بعد بھی کیا جا رہا ہے۔ اس پس منظر کے ساتھ برطانوی ماہرین کی ایک رپورٹ ملاحظہ فرمائیں:

عورت کی اس فطری کمزوری کے حوالے سے برطانوی ماہرین کی رپورٹ:

بیوی شوہر سے سالانہ 8 ہزار منٹ الجھتی ہے۔ برطانوی ماہرین ہفتے میں کم سے کم 2 گھنٹے 25 منٹ اور ماہانہ 11 گھنٹے بیوی اپنے شوہر سے لڑتی جھگڑتی ہے۔ رپورٹ

گلمدن (آن لائن) گھریلو ناچاقی اور میاں بیوی کے درمیان الجھنیں ہر معاشرے اور ہر دور کا حصہ رہی ہیں اور اس سے نجات کے لیے ماہرین مختلف طریقے بھی تجویز کرتے ہیں۔ حال ہی میں برطانیہ میں کی گئی ایک تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ بیوی ایک سال میں اپنے شوہر سے 8 ہزار منٹ تک الجھتی رہتی ہے۔ برطانیہ میں ماہرین نے 3000 افراد پر یہ تحقیق کی اور پتا چلایا کہ شوہر کی نسبت بیوی

زیادہ چڑچڑے پن کا شکار رہتی اور اپنے خاوند اور دیگر افراد خانہ سے الجھتی رہتی ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا کہ ہفتے میں کم سے کم دو گھنٹے 25 منٹ اور ماہانہ 11 گھنٹے اپنے شوہر سے لڑتی جھگڑتی ہے چونکہ میاں بیوی کے درمیان جھگڑے ہر معاشرے کا حصہ ہیں۔ اس لیے ماہرین نفسیات بیوی کے چڑچڑے پن سے نمٹنے کے لیے کچھ طریقے بھی تجویز کرتے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ بیوی سے اس کی فطرت کے مطابق ہی سلوک کیا جائے۔ کسی بھی شخص کو سو فیصد تبدیل کرنا غیر منطقی ہے۔ تبدیلی باہر سے مسلط نہیں کی جاسکتی بلکہ الجھنوں کا شکار شخص خود جب تک تبدیلی کا عزم نہ کرے تو اس کی طبیعت اور مزاج میں فرق نہیں پڑے گا۔ یہ بات ذہن نشین کر لی جائے کہ آپ کے شریک حیات کے مزاج میں پائی جانے والی تلخی کے پس پردہ اس کی تعلیم، مخصوص ماحول میں پرورش اور اس کے موروثی مسائل میں سے کوئی ایک عنصر ہو سکتا ہے۔ اگر خاتون اپنے شوہر پر مخصوص اور متعین ذمہ داریاں ڈالتی ہے تو اس کی اس فطرت کو بتدریج بدلا جاسکتا ہے۔ شریک حیات میں سے دونوں کو یقین رکھنا چاہیے کہ تبدیلی پلک جھپکنے میں نہیں آجاتی۔ یہ ایک مسلسل عمل ہے جو بتدریج اور تکرار کے ذریعے ہی آسکتا ہے۔“ ❶

مسئلہ شہادتِ نسواں اور مرد و عورت کے درمیان فرق و اختلاف کی تین صورتیں

ان تفصیلات سے واضح ہے کہ بہت سے معاملات میں مرد و عورت کے درمیان ان کی فطری صلاحیتوں کے اعتبار سے اور دائرہ کار کے اختلاف کی وجہ سے فرق کیا گیا ہے۔

اس فرق و اختلاف کی بالعموم تین صورتیں ہیں:

❶ بعض کام تو ایسے ہیں جنہیں صرف مرد ہی کر سکتے ہیں، عورتیں نہیں کر سکتیں اور بعض کام

عورتیں کر سکتی ہیں، مرد نہیں کر سکتے دنیا کی کوئی طاقت ان میں تبدیلی کرنے پر قادر نہیں جیسے مرد کا بار آور کرنا اور عورت کا حاملہ اور مرضہ ہونا۔

2 اور بہت سے کام ایسے ہیں کہ جنہیں اگرچہ مردوں کی طرح عورتیں بھی کر سکتی ہیں لیکن ان کاموں کو عورتوں پر فرض نہیں کیا گیا ہے تاکہ عورت کا اصل دائرہ کار (گھریلو زندگی) متاثر نہ ہو اور مردوں کے ساتھ عام اختلاط نہ ہو جو اسلام کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے۔ نماز باجماعت، جمعہ، جنازے اور جہاد میں شرکت سے عورتوں کا استثنا اسی اصول پر مبنی ہے اور کسب معاش کے بوجھ سے بھی اسے اسی بنیاد پر فارغ رکھا گیا ہے۔ اسلام کے نزدیک عورت کا اپنے آپ کو صرف امور خانہ داری تک محدود رکھنا، اس عزت و شرف کے بقا کے لیے بھی ضروری ہے جو اس نے عورت کو عطا کیا ہے۔ خاندان کی حفاظت و صیانت کا بھی عین تقاضا ہے اور انسانی معاشرے کو فساد قلب و نظر سے بچانے کے نقطہ نظر سے بھی یہ ایک امر ناگزیر ہے۔

3 بہت سے معاملات ایسے ہیں کہ عورت اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے انہیں اس طرح انجام نہیں دے سکتی جس طرح مرد اپنی خدا داد صلاحیتوں کی وجہ سے ان پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مرد کو جسمانی قوت عورت سے زیادہ عطا کی ہے، اسی طرح ذہنی، دماغی صلاحیتوں میں بھی وہ عورت سے فائق ہے۔ اس فطری کمزوری، یا فطری خوبیوں کی وجہ سے کسی کو حقیر سمجھنا اور کسی کو بالاتر مخلوق قرار دے دینا بلاشبہ صحیح نہیں ہے۔ قدرت کو جس سے جو کام لینا ہے، اسی کے مطابق اس کو مخصوص صلاحیتیں بھی عطا کی ہیں۔ ان فطری صلاحیتوں کا انسانی شرف و کرامت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس اعتبار سے مرد و عورت دونوں یکساں ہیں۔ صلاحیتوں کے تقادد کا مطلب، شرف

و کرامت میں تفاوت نہیں ہے، تاہم صلاحیتوں میں فرق و تفاوت کو جھٹلانا بھی آفتاب نیم روز کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔

اس تیسری قسم میں عورتوں کی شہادت کا مسئلہ بھی ہے۔ جب یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ عورت بعض باتوں میں مرد سے مختلف اور ممتاز ہے، مثلاً:

○ اس میں شرم و حیا کا مادہ زیادہ ہے۔

○ وہ مرد کی طرح فصیح و بلیغ نہیں ہے۔

○ وہ دماغی و ذہنی صلاحیتوں میں کچھ کمزور ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ضعف حافظہ، نسیان اور ذہول کا زیادہ شکار ہوتی ہے۔ جسے حدیث میں نقصان عقل اور قرآن کریم میں:

﴿أَنْ تَهَيَّلَ أَحَدُهُمَا فَيُذَكِّرَ أَحَدَهُمَا الْأُخْرَى﴾ [البقرة: 282]

سے تعبیر کیا گیا ہے۔

○ اسلام نے عورت کا مردوں کے ساتھ اختلاط اور گھر سے زیادہ باہر نکلنے کو ناپسند کیا ہے۔

اگر یہ ساری باتیں تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں تو پھر اس بات کے ماننے میں تامل کیوں ہے کہ مسئلہ شہادت میں بھی شریعت نے مرد کو فوقیت اور ترجیح دی ہے اور عورت کی گواہی کو بہ وقت ضرورت ہی تسلیم کیا ہے۔ عام حالات میں مردوں کی موجودگی میں اس کے گواہ بننے کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا ہے کیونکہ شہادت کے تقاضوں کو عورتیں مردوں کی طرح نبھانے پر فطری طور پر قادر نہیں ہیں۔ (اس کی مزید تفصیل ”مسئلہ شہادت نسواں، عقل و نقل کی روشنی میں“ کے عنوان سے ہے جسے راقم کی کتاب ”خواتین کے امتیازی مسائل“ میں دیکھا جاسکتا ہے)۔

خواتین کی تعلیم اور ملازمت کا مسئلہ

امام غزالی اور علامہ اقبال کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ یہ غلط فہمی دور ہونی چاہیے کہ وہ خدانخواستہ عورتوں کی تعلیم کے مخالف تھے۔ وہ مخالف ہرگز نہ تھے وہ بس یہ چاہتے تھے کہ عورتیں صرف وہ تعلیم حاصل کریں جو ان کی فطرت، خلقت اور فرائضِ مخصوصہ کے مطابق زندگی میں ان کے اور خاندان کے کام آئے اور صحیح یہ ہے کہ قدرت نے عورت کے لیے الگ دائرہ کار مقرر کیا ہے جس کی تشریح کی یہاں ضرورت نہیں کیونکہ یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ بے شمار کام ایسے ہیں جو مرد نہیں کر سکتے اور لاتعداد کام ایسے ہیں جو عورتوں کی طاقت سے باہر ہیں، لہذا ہرگز وہ کو ان کے کاموں کی نسبت سے تعلیم دینی چاہیے۔ یہ اعلیٰ اور اذنی تعلیم کا معاملہ نہیں بلکہ ہر کسی کو اس کے مزاج اور فطری صلاحیتوں کے مطابق مناسب تعلیم دینے کا مسئلہ ہے اور یہ خیالات صرف غزالی اور اقبال ہی کے نہیں خود سر سید احمد خان کے بھی ہیں جو مغربی انداز کے ہمارے یہاں اولین بڑے علمبردار تھے۔ سر سید احمد خان کی یہ سرگزشت دیکھنی ہوتوان کا سفر نامہ پنجاب مرتبہ سید اقبال علی پڑھیے۔

اور جہاں تک مخلوط تعلیم کا تعلق ہے تو مذکورہ بالا بزرگ اور دوسرے ہزاروں علماء و حکماء اسے خطرناک سمجھتے تھے کیونکہ اس کا ان معاشرتی و اخلاقی احکام سے تصادم ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں یا جن کا اوپر ذکر آیا۔ یہ امر عورتوں پر پابندی یا سختی کے ضمن میں

نہیں آتا، اس میں عورتوں کے لیے برکتیں اور حکمتیں ہیں ان میں سب سے بڑی حکمت عورتوں کا معاشرتی تحفظ، ان کی عزت کی حفاظت اور خاندانی زندگی کا استحکام ہے۔ عورتوں کو ہر سطح تک تعلیم دی جاسکتی ہے، بشرطیکہ مذکورہ بالا مصلحتوں اور حکمتوں کو گزند نہ پہنچے اور یہ سب عورتوں کے فائدے کی خاطر ہے ان پر زیادتی نہیں۔

مخلوط اور یکساں نصاب پر بحث کی ضرورت نہیں، اس کا نفع نقصان سب کو معلوم ہے لیکن اگر تعلیم مخلوط نہ ہو تو عورتوں کو اختیار دیا جائے کہ وہ ہر شعبہ تعلیم میں جسے وہ اپنے لیے مفید سمجھتی ہیں داخلہ لے لیں، یعنی ان سب شعبوں میں جو انہیں اپنے لیے مفید نظر آئیں یا معاشرے کے لیے مفید ہوں لیکن مخلوط ملازمتوں کا مسئلہ جدا ہے، مخلوط ملازمتوں کے سلسلے میں جو قباحتیں ہیں وہ ہر کسی کو معلوم ہیں۔

ظاہر ہے کہ عورتیں اپنے لیے جن مضامین کو مفید خیال کریں گی ان میں اکثر ایسے ہوں گے جو مردوں کے لیے بیگانہ اور نامانوس ہوں گے، اس لیے اگر عورتوں کی تعلیم کا نظام یکسر علیحدہ ہوگا تب جا کر انہیں فائدہ ہوگا۔ اس کا واحد علاج عورتوں کے لیے بالعموم الگ نصاب اور ایک الگ خواتین یونیورسٹی کا قیام ہے۔ مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں نصاب کا فلسفہ غیر قدرتی اور غیر معقول ہے۔ یہ بات اور ہے کہ آج کی دنیا میں اس غیر معقول فلسفے کو اپنایا جا رہا ہے اگرچہ اس میں عورتوں کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے لیکن رواج عام کا غلبہ زبردست شے ہے، اس کے سامنے ہر کوئی دب جاتا ہے۔ اس رواج کو تبدیل کرنے کے لیے ایک معاشرتی انقلاب کی ضرورت ہے مگر ایسا انقلاب کوئی آسان کام نہیں، سب سے پہلے فکری تبدیلیوں کی ضرورت ہے اور یہ تبدیلیاں مغربی معاشرتی فلسفوں پر مسلسل و منظم تنقید کرتے رہنے سے اور عملی تجربوں کے حوالے سے ان کے

خطرات سے آگاہ کرتے رہنے سے ممکن ہوں گی۔ جب تک ہمارے یہاں مغربی معاشرتی فلسفہ غالب ہے، ہماری سب دلیلیں بے کار و بے اثر ہوں گی، لہذا بقول علامہ اقبال مغربی معاشرتی حکمت پر بھرپور حملہ علمی ہتھیار سے لازمی ہے۔

ملازمتوں میں عورتوں کی شرکت، ایک اہم اور نازک معاشرتی افکار کے زیر اثر نقطہ نظر کے بدل جانے کا نتیجہ ہے اگر ہم اس معاملے میں اسلام کی معاشرتی حکمتوں سے ہدایت لیں تو ہمیں اس شرکت میں بے شمار قباحتیں نظر آئیں گی بلکہ آج کل کے حالات میں ملازمت بڑی حد تک غیر اخلاقی اور نامناسب نظر آئے گی کیونکہ اسلام کی معاشرتی حکمت میں عورتوں کا فرض بچوں کی پرورش اور خانہ داری ہے اور اس کے بدلے مردوں کا فرض عورتوں بیویوں کی معاشی کفالت ہے تاکہ وہ بے فکر ہو کر اپنے دائرے میں خاندان کی خدمت کر سکیں۔ یہ خدمت ایک بہت بڑا منصب ہے اور جیسا کہ بعض روشن خیال حضرات باور کراتے ہیں، یہ کوئی کمتر فریضہ نہیں بلکہ اصل تعمیر انسانیت اسی فریضے میں مضمر ہے اور اس کی انجام دہی میں مرد کا کام اگر ان اصطلاحوں میں سوچیں تو خادم کا ہے جو بنی نوع انسان کی اس معمار بیوی کو اس کے اہم فریضے کی ادائیگی کے قابل بناتا ہے۔ اس عمل یا دو طرفہ عمل میں عورت کا درجہ بلند تر ہے، شوہر کا درجہ دوسرے نمبر پر آتا ہے مگر مغربی معاشرتی تصورات نے اس تقابلی کو متقلب کر کے معاملہ زیر و زبر کر دیا ہے۔

یہ تھا اصولی عقیدہ ایک مسلمان کی حیثیت سے لیکن سوال آج کل کے حالات کا ہے، اس لیے موجودہ حالات میں عورتوں کی ملازمت کے جواز یا عدم جواز پر گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔

پہلے اس سوال کا جواب چاہیے کہ عورتیں ملازمتوں کی شائق یا طلب گار کیوں ہیں؟

مغربی ماحول میں تو ان کا شوق ملازمت اس لیے ہے کہ وہاں خاندان اور گھر کا تصور ایک فرسودہ عمل ہے۔ عورتیں نہ صرف ہم مرتبہ ہونے کا دعویٰ کر کے گھریلو آزادی کی طلب گار ہیں بلکہ معاشی طور پر آزاد ہو کر ان تمام بندشوں سے بھی آزاد ہو جانا چاہتی ہیں جو خاندانی زندگی میں ان پر عائد ہوتی ہیں، وہ خود کفیل ہو کر ہمہ رنگ آزاد شہری بننا چاہتی ہیں، اس میں انہیں ہزار مشکلات بھی پیش آتی ہیں لیکن وہ آزادی کامل کے لیے ہر مشکل کو برداشت کرتی ہیں۔

لیکن اس میں انہیں ایک آسانی بھی ہے اور وہ یہ کہ مذکورہ معاشرہ اس مسئلے میں ان کا ہم خیال ہے اور ہر چند کہ اس میں بد اخلاقی کے سارے عیب پائے جاتے ہیں لیکن وہ معاشرہ ان خلاف اخلاق باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا لیکن ہمارے ملک میں ایک مسلم خاتون کی مشکل یہ ہے کہ ہمارے مسلم معاشرے کے نزدیک ملازمت، غیر مردوں سے خلاصہ، ہر حال میں ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک مسلمان عورت ملازمت کی طرف کیوں راغب ہوتی ہے؟ اس کے کئی اسباب ہیں جن میں سے بعض واقعی قابل توجہ ہیں اگرچہ عمومی رویہ محض مغرب کی نقالی سے ابھرا ہے۔ مغرب کی تقلید میں ہماری انتہا پسند خواتین عورتوں کی کامل آزادی کی قائل، مردوں کی ہر قسم کی بالادستی کی مخالف اور ان کی ہر قسم کی دست نگری سے گریزاں ہیں۔ یہ مغربی تعلیم اور نقالی کا نتیجہ ہے اور تسلی کا پہلو صرف یہ ہے کہ یہ فکر ابھی سرمایہ دار، بورژوا اور دانشور طبقے تک محدود ہے اور معاشرے میں ان طبقات کے خلاف ایک گوندہ تعصب بھی موجود ہے۔

(ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور اہم مضمون اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں)

”توم کی نصف آبادی بیکار“... افسانہ یا حقیقت

مقالے کا عنوان میں نے ماضی قریب میں ہونے والی خواتین کا فرنس کی ایک قابل احترام مقرر خاتون سے لیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہماری قوم کی آبادی کا نصف حصہ بے کار ہے، اسے قومی تعمیر میں مکمل حصہ دار بنانا چاہیے۔

محترمہ خاتون کے ارشاد کا دوسرا حصہ بالکل درست ہے لیکن پہلے حصے کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس پر اعتراض کیا جاسکتا ہے، اس بنیاد پر کہ انہوں نے مسلم معاشرے کو بدنام کرنے میں اہل مغرب کی مغالطہ انگیز مہم میں نادانستہ شرکت کی ہے۔ میں نے اسے بدنام کرنے کی مہم، اس لیے کہا کہ قوم کے نصف حصے کو بیکار کہنا حقیقت کے خلاف ہے۔

غالباً خاتون محترمہ کہنا یہ چاہتی ہیں کہ خواتین کی اکثریت موجودہ تعلیم سے عاری اور غیر ملازمت پیشہ ہے اور اس حد تک بات غلط نہیں، درست ہے۔ مگر یہ کہنا کہ مسلمان عورتوں کی اکثریت بیکار ہے اور ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی ہے، سراسر تہمت اور بہتان ہے۔ بالکل فارغ ہونے کی بات اگر درست ہے تو صرف ان گھرانوں کے بارے میں جو آسودہ حال، سرمایہ دار اور جاگیر دار یا مفادات و رعایات زندگی سے بہرہ ور ہیں۔ ایسے گھرانوں میں نوکر چاکر بکثرت ہوتے ہیں اور خواتین تو کیا خود مردوں کے پاس کوئی مفید

پیداواری کام نہیں ہوتا مگر دیہاتوں میں بسنے والی کروڑوں اور شہروں کی غریب متوسط اور نیم متوسط خواتین کا یہ حال نہیں۔ وہ قوی زندگی (خاندان کی تعمیر اور گھر) کو آباد رکھنے میں نہایت نتیجہ خیز اور قابل صد تحسین کام انجام دیتی ہیں، لہذا انہیں بیکار کہنا ان پر سخت زیادتی ہے۔

میں عورتوں کی تعلیم اور ان کی ملازمت دونوں کا حامی ہوں بلکہ یوں کہو تو بہتر ہوگا کہ ان کی موزوں تعلیم کو فرض عین اور بشرط ضرورت ان کے لیے ملازمت کو ایک مجبوری سمجھتا ہوں جس کی ذمہ داری اس خوف پر ہے جو عورتوں کے دلوں میں مردوں (شوہروں) کے بارے میں پیدا کر دیا گیا ہے یا ہوتا ہے اس کے باوجود میں یہ نہیں مان سکتا کہ گھر اور خانہ داری کی مصروفیات معمولی، حقیر اور بیکاری کے مترادف ہیں۔ میرے خیال میں یہ کہنا کہ قوم کا نصف حصہ بے کار ہے، تہمت بھی ہے اور افسانہ بھی۔ تہمت، اس لیے کہ قوم کی حقیقی معمار (بچوں کی پرورش اور تربیت کرنے والی) آبادی کے خلاف یہ شرمناک طنز ہے جس میں تحقیر کا پہلو پایا جاتا ہے اور افسانہ، اس لیے ہے کہ یہ حقیقت کے خلاف ہے۔

وہ کروڑوں عورتیں جو دیہات میں رہتی ہیں۔ تربیت اطفال اور خانہ داری کے علاوہ بھی مردوں کے معاشی مشاغل میں شریک ہوتی ہیں، چنانچہ ہماری آخری مردم شماری میں اس قسم کا اشتراک ساٹھ اور ستر فیصد کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ پس کیا ہم ایسی اولوالعزم دیہاتی عورتوں کو ”بے کار“ کے تحقیری لفظ سے یاد کر سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ یہ دراصل سرمایہ دارانہ ذہن اور قوم کے سرمایہ دار طبقے کا اپنی بے کاری کو چھپانے کا پردہ (کا موفلاٹ) ہے یا پھر مغرب کے خیمہ بردار طبقے کی تقلیدی آواز ہے جو ہمارے ملک میں معاشرتی انارکی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تحقیر کا یہ انداز بظاہر اس دلیل پر بھی مبنی ہے کہ یہ

شہری خواتین اپنی دیہاتی بہنوں کو تعلیم سے عاری کہہ کر انہیں اپنے سے کم تر سمجھتی ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ تعلیم یافتہ ہونا، تعلیم یافتہ نہ ہونے سے بہتر اور برتر ہے اور ہم تعلیم نسواں کو فرض عین قرار دے چکے ہیں لیکن ہم اس دلیل کو فی الحال ماننے کے لیے تیار نہیں کہ تعلیم یافتہ خواتین بہتر خانہ دار ثابت ہوتی ہیں اور ہر کوئی جانتا ہے کہ براہ راست ذمے داری کا بوجھ غیر تعلیم یافتہ خواتین صدیوں سے اٹھا رہی ہیں اور ان کے نتائج میں یہی ایک دلیل کافی ہے کہ انہی عظیم المرتبہ خواتین نے غزالی، رازی، بوعلی سینا اور اقبال جیسے لوگ پیدا کیے اور بڑی کثیر تعداد میں عظیم افراد پیدا کیے۔ مغربی خواتین کا ایک حصہ بھی پرورش اطفال کو ضروری سمجھتا ہے مگر براہ راست ذمہ داری کو اب وہاں بوجھ سمجھا جانے لگا ہے اب پرورش و تربیت کے مصنوعی اور غیر فطری طریقے نکل آئے ہیں اور یہ کام اداروں کے سپرد ہونے لگا ہے ”مادری“ ذمے داریاں اب ناگوار ہیں لیکن ہماری قوم کی خواتین کا بیشتر حصہ (خصوصاً غیر سرمایہ دار طبقوں میں) براہ راست مادری ذمے داریوں کو پورا کرتا ہے، انہیں بے کار کہنا قوم کی توہین ہے۔ یہ درست ہے کہ انہیں تعلیم یافتہ ہونا چاہیے لیکن یہ تصور قومی نظام تعلیم کا ہے جو عورتوں کو کیا، بجائے خود، مرد کی تعلیم کا بھی اطمینان بخش انتظام نہیں کر سکتا، پھر اس کی ذمہ داری غریبی اور مفلسی پر بھی ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ قومی معاشی نظام، سرمایہ داری کے غیر منصفانہ اصولوں پر مبنی ہے تو اس صورت میں دیہاتی عورتوں کا کیا تصور ہے؟

اب رہی بے کاری کی دوسری شق، یعنی یہ خیال کہ گھر کا انتظام داخلی اور خانہ داری گویا کوئی کام ہی نہیں، بڑی بھاری لاعلمی اور بے خبری کا غماز ہے۔ ہماری رائے میں وہ خواتین

جو گھروں کا انتظام کرتی ہیں عظیم المرتبہ اور بلند سیرت خواتین ہیں جن سے گھروں میں آرام و سکون و اطمینان قائم ہے۔ اس کے علاوہ براہ راست ذمہ داری سے خاندانوں میں الفت و یگانگت اور قوم کے محنت کش پیداواری طبقے (مردوں) کے لیے زندگی کی راحت اور قوت مہیا ہوتی ہے اور وہ مرد احسان فراموش ہیں جو بیویوں کے اس عظیم کردار کی قدر نہیں کرتے اور قوم کی محسن ہیں وہ خواتین جو اس بارگراں کو بخوشی برداشت کرتی ہیں جو فطرت نے اور پھر اسلام نے ان پر یوں ڈالا کہ تدبیر منزل کو داخلی اور خارجی دو حصوں میں تقسیم کر کے تمدن کی گاڑی کو رواں رکھنے میں انسانیت پر احسان کیا۔

مسئلہ یہاں ملازمت کا بھی چھیڑا جاسکتا ہے جسے میں نے سابقہ بیانات میں ضروری و پسندیدہ اور بعض صورتوں میں مجبوری قرار دیا ہے۔ لیکن یہ خانہ داری کی زندگی سے الگ مسئلہ ہے اور اس کے بہت پہلو ہیں لیکن اشارتاً یہ ضروری ہے کہ یہ بھی ایک نظام اور تنظیم کا طلب گار ہے جس کی بنیاد خانہ داری کی عقلی دلیلوں اور اخلاقی مصالح پر رکھنی پڑے گی۔ ملازمت بے ضرورت اور محض برائے ملازمت، آگے چل کر تعلیم یافتہ مردوں اور عورتوں کی بے روزگاری جیسے مسائل اور باہمی مقابلہ اور رقیبانہ مسابقت پیدا کر سکتی ہے۔

بہر حال اس وقت مجھے ثابت یہ کرنا تھا کہ ہماری قوم کا نصف حصہ اس لائق صد احترام خاتون کے خیال کے برعکس جس نے نصف آبادی کو بیکار کہا تھا، بیکار نہیں۔ یہ پروپیگنڈہ اور افسانہ ہی افسانہ ہے۔ ﴿﴾

عورت اور سیاست

سیاست اور معاشرتی معاملات سوشل ورک میں عورتوں کا حصہ لینا بھی عورت کا اپنے دائرہ عمل سے تجاوز ہی کی ذیل میں آتا ہے۔ اسی لئے اسلامی نقطہ نظر سے یہ میدان بھی صرف مردوں کے لیے خاص ہے، عورتوں کا اس میدان میں آنا اور سیاست اور معاشرتی معاملات میں مردوں کے دوش بدوش حصہ لینا ناپسندیدہ ہے لیکن اس کے باوجود ہمارے ملک میں کئی سالوں سے اسمبلیوں میں خواتین کی نمائندگی کا مسئلہ سیاسی، دینی اور علمی حلقوں میں زبر بحث ہے۔ اس سلسلے میں اب تک مختلف آراء سامنے آچکی ہیں۔

① ایک رائے تو وہ ہے جو 1973ء کے آئین میں عارضی طور پر اختیار کی گئی تھی جو پاکستان کی مخصوص نظریاتی اور واقعاتی حالات کی مظہر بتلائی جاتی ہے، یعنی پاکستان میں عورت چونکہ براہ راست انتخابات میں حصہ لینے کی پوزیشن میں نہیں ہے، اس لیے ممبران اسمبلی اپنے دوٹوں سے کچھ عورتوں کا انتخاب کر لیں تاکہ اسمبلیوں میں عورتوں کی نمائندگی ہو سکے۔ پیپلز پارٹی کی حکومت اس کے لیے آئینی ترمیم کی خواہش مند رہی تاکہ ایک تو ملک میں عورت کے بارے میں مغرب کا تصور عام ہو کیونکہ مغربیت کا فروغ اس پارٹی کے خمیر اور ضمیر میں شامل ہے۔ دوسرے، اسمبلیوں میں اس کی عدد قوت میں اضافہ ہو۔ ظاہر بات ہے کہ حکومت جن عورتوں کو بھی اسمبلیوں کی زینت بنانے کے لیے منتخب کرے گی، وہ حکومت کی ممنون احسان ہوں گی، اس لیے وہ ظالم اور بدعنوان حکومت کی تقویت کا باعث ہوں گی، یہی وجہ ہے کہ مسلم لیگ نے اپنے

دور حکومت میں اس معاملے میں پیپلز پارٹی کے ہم نوا ہونے کے باوجود، آئین میں مذکورہ ترمیم کے لیے تعاون نہیں کیا۔

② ایک مرتبہ میاں محمد نواز شریف نے ایک نئی تجویز پیش کی تھی کہ پورے ملک میں عورتوں کے لیے چالیس حلقے قائم کر دیے جائیں اور ان حلقوں سے براہ راست عورتوں کے ووٹوں سے انہیں منتخب کیا جائے اور وہ عورتیں اسمبلیوں میں عورتوں کی نمائندگی کریں۔

③ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دنیا کے کسی ملک کے دستور میں عورتوں کے لیے الگ نشستیں نہیں ہیں، اس لیے پاکستان میں الگ نشستوں کی صورت اختیار نہ کی جائے بلکہ جس طرح دستور پاکستان میں عورتوں کو پہلے سے عام نشستوں پر انتخاب لڑنے کا حق حاصل ہے، وہی کافی ہے اور اس طریقے سے جتنی عورتیں منتخب ہو کر اسمبلیوں میں پہنچ جائیں، اسی پر کفایت کی جائے۔ ایک موقع پر نواب زادہ نصر اللہ خاں مرحوم نے بھی یہ تجویز پیش کی تھی۔

④ ایک چوتھی رائے بعض دینی حلقوں کی طرف سے یہ آئی ہے کہ خواتین کا انتخاب تو عام انتخابات کے ذریعے سے ہی بروئے کار لایا جائے لیکن اس کے لیے حسب ذیل باتوں کا اہتمام کیا جائے:

- اسمبلی کی رکنیت کے لیے عورت کی عمر کم از کم چالیس سال مقرر کر دی جائے۔
- اسمبلیوں میں عورتوں کے لیے متعین لباس اور الگ نشست گاہ کا اہتمام ہو۔
- الیکشن رولز کے تحت ہر سیاسی پارٹی کو پابند کر دیا جائے کہ وہ الیکشن کے لیے جاری کردہ ٹکٹوں کا 1/10 حصہ عورتوں کے لیے مخصوص کرے۔

ہمارے نزدیک ان میں سے کوئی رائے بھی صحیح نہیں ہے۔ ہر ایک میں کوئی نہ کوئی نقص ضرور پایا جاتا ہے۔

اولاً: ان سب کی بنیاد مغربی تہذیب کے اس تصور پر ہے جس میں کسی بھی معاملے میں مرد اور عورت کے درمیان فرق کرنا جائز نہیں ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں عورت کو مرد کے دوش بدوش حصہ لینے کا حق حاصل ہے اور اسے حصہ لینا چاہیے اور مغرب اپنے مخصوص استعماری مقاصد کے لیے اس نظریہ مساوات مرد و زن کو اسلامی ملکوں میں فروغ دے رہا ہے لیکن اسلام مغرب کے اس نظریے کو صحیح تسلیم نہیں کرتا۔ اسلام مرد اور عورت کو زندگی کے دو پہیے تو ضرور مانتا ہے کہ جن کے بغیر انسانی زندگی کی گاڑی رواں دواں نہیں رہ سکتی لیکن وہ دونوں کا دائرہ عمل ایک دوسرے سے مختلف تجویز کرتا ہے۔ اس کے نزدیک دونوں کی فطری صلاحیتیں بھی مختلف ہیں اور دونوں کا مقصد تخلیق بھی ایک دوسرے سے جدا، اس لیے وہ دونوں کو الگ الگ دائرے میں رکھ کر اپنے اپنے مفوضہ فرائض ادا کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ سیاست اور امور جہانبانی کا شعبہ بھی بعض اور شعبوں کی طرح ایک ایسا شعبہ ہے جسے اسلام نے صرف مرد ہی کے لیے خاص کیا ہے وہ عورت کے سیاست میں حصہ لینے کو قطعاً پسند نہیں کرتا جبکہ مذکورہ چاروں تجویزیں عورت کے سیاست میں حصہ لینے کے تصور پر مبنی ہیں۔

بنا بریں یہ چاروں ہی تجویزیں اسلامی نقطہ نظر سے غیر صحیح ہیں کیونکہ ان میں سے ہر تجویز میں اسلامی اصول و ضوابط سے انحراف پایا جاتا ہے، ان اصول و ضوابط کو پامال کیے بغیر کوئی بھی تجویز بروئے کار نہیں آسکتی۔

ثانیاً: اسمبلیوں میں عورتوں کی نمائندگی کے لیے عورتوں کو اسمبلیوں کے لیے نامزد کرنا یا

وہاں تک پہنچنے کے لیے انتخابات میں ان کے حصہ لینے کو ضروری سمجھنا بھی ہمارے لیے ناقابل فہم ہے۔ کیا ممبران اسمبلی پوری قوم کے نمائندے نہیں ہیں؟ ممبران اسمبلی قوم کے ہر طبقے کے نمائندہ ہیں۔ وہ مزدوروں کے بھی نمائندہ ہیں، اہل صنعت و حرفت کے بھی نمائندہ ہیں، تاجروں اور خوانچہ فروشوں کے بھی نمائندہ ہیں، وہ ملازمت پیشہ اور اہل زراعت کے بھی نمائندہ ہیں۔ غرض وہ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد کے نمائندہ ہیں، سب کی فلاح و بہبود کے لیے قانون سازی اور اسباب و وسائل کی فراہمی ان کی ذمہ داری ہے۔ جب وہ ہر طبقے کی فلاح و بہبود کے ذمہ دار ہیں تو کیا عورتوں کے مسائل و مشکلات کے حل کے وہ ذمہ دار نہیں ہیں۔ بالخصوص جبکہ عورت ان کی ماں بھی ہے، ان کی بیٹی بھی ہے، ان کی بیوی اور ان کی بہن بھی ہے تو کیا وہ اتنے ہی ناخلف ہیں کہ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے مردوں کے مسائل پر تو وہ سوچ بچار کریں گے، ان کی فلاح و بہبود کے لیے منصوبہ سازی اور قانون سازی تو کریں گے لیکن اپنی ماں، اپنی بیوی، اپنی ہی بیٹی اور ہمشیرہ کے لیے وہ کچھ نہیں کریں گے؟ ان کے مسائل و مشکلات کو درخور اعتنائہ سمجھیں گے۔ آخر یہ کیسے اور کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے؟

اگر کہا جائے کہ عورتوں کا اسمبلیوں میں پہنچنا مشکل ہے تو ہم عرض کریں گے کہ دوسرے طبقات کا پہنچنا کون سا آسان ہے بلکہ دوسرے طبقات کا تو اسمبلیوں میں پہنچنا عورت کی بنسبت بہت زیادہ مشکل ہے۔ مال دار اور جاگیر دار خاندانوں کی بیگمات تو پھر بھی آسانی سے انتخاب لڑ کر اسمبلیوں میں پہنچ سکتی ہیں، جیسے ہر دفعہ کے انتخابات میں کافی تعداد میں قومی و صوبائی اسمبلیوں میں خواتین پہنچی ہیں۔ علاوہ ازیں 1973ء کے آئین

کے مطابق مشرف حکومت میں عورتوں کو منتخب نمائندگان کے ووٹوں سے متناسب نمائندگی کی بنیاد پر بھی منتخب کیا گیا ہے، جس کے بعد قومی اسمبلی ہی میں خواتین کی تعداد 75 ہو گئی تھی اور صوبائی اسمبلیوں میں بھی صورت حال یہی تھی۔ جبکہ مزدوروں، ہاریوں، کاشت کاروں، بے روزگاروں، کاریگروں، ہنرمندوں، تعلیمی اداروں کے اساتذہ، ملازمت پیسہ افراد حتیٰ کہ متوسط خاندانوں کا بھی کوئی نمائندہ اسمبلیوں میں پہنچ سکا ہے یا آئندہ ان میں سے کسی کے پہنچنے کا تصور کیا جاسکتا ہے؟ اسی طرح اہل علم و فکر حضرات کا طبقہ ہے جس میں غیر سیاسی علماء، مختلف شعبہ ہائے زندگی کے ماہرین، اہل قلم اور دانشور حضرات اور دیگر بہت سے ممتاز طبقات ہیں لیکن اسمبلیوں میں وہ نمائندگی سے محروم چلے آ رہے ہیں اور آئندہ بھی ان کی محرومی کے ازالے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

عورتوں سے زیادہ کیا ان طبقات کی نمائندگی ضروری نہیں ہے۔ اگر عورتوں کی نمائندگی کے لیے خاص سہولتوں کا اہتمام ضروری ہے تو مذکورہ طبقات کے لیے بھی ان سہولتوں کا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ یہ ایک امتیازی سلوک ہوگا جس کی نفی یہ سیکولر حضرات بڑے شد و مد سے کرتے ہیں حتیٰ کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ مرد و عورت کے درمیان بعض فطری امتیازات کو بھی ختم کرنے کے لیے بے قرار ہیں۔

خواتین کی نمائندگی کے جواز کے لیے ایک دلیل یہ دی جا رہی ہے کہ خلافت راشدہ میں متعدد دفعہ عورتوں سے متعلقہ امور بلکہ اجتماعی معاملات میں بھی عورتوں سے رائے لی گئی... اس لیے اجتماعی معاملات کے حوالے سے قومی سطح پر مشاورت اور رہنمائی کے نظام

میں شرکت عورتوں کے لیے شرعاً ممنوع نہیں ہے۔⁴²

ٹھیک ہے لیکن سوال یہ ہے کہ مشاورت کے لیے اسمبلیوں کا ممبر بننا یا بنانا کیوں ضروری ہے؟ کیا اس کے بغیر حسب ضرورت خواتین سے مشورہ نہیں لیا جاسکتا؟ بلکہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ جو خواتین اسمبلیوں کی ممبر بنیں گی یا بنائی جائیں گی ان کی اکثریت اس قبیل سے ہوگی کہ وہ ممبران اسمبلی کے ذوق جمال اور نگاہ ہوس کی تسکین کا سامان تو شاید ضرور مہیا کر دیں لیکن خواتین کے حقیقی مسائل و مشکلات سے وہ آگاہ ہوں گی نہ ان کے ناخن تدبیر سے ان کے حل کی راہیں کھلیں گی۔ اس کے برعکس اگر چند عورتوں کو ممبر بنائے بغیر، ملک کی سمجھ دار، پڑھی لکھی گھریلو اور فکری و تعلیمی اداروں سے وابستہ خواتین سے مختلف سوال ناموں کی شکل میں رائے حاصل کی جائے تو زیادہ بہتر طریقے سے عورتوں سے مشاورت کا اہتمام ہو سکتا ہے۔ یہ خواتین کے ممبر بننے یا بنانے کے بھاری بھرکم اخراجات (جو کروڑوں میں ہیں) کے مقابلے میں ”ہینگ لگے نہ پھٹکری، رنگ چوکھا آئے“ کا مصداق بھی ہوگا۔

جیسا کہ اکتوبر 2002ء کے انتخابات میں جس طرح بڑی تعداد میں عورتوں کو قومی و صوبائی اسمبلیوں میں نمائندگی دی گئی ہے، اس کے سالانہ اخراجات کا تخمینہ 5 کروڑ 64 لاکھ روپے لگایا گیا ہے۔⁴³

بہر حال جس نقطہ نظر سے بھی دیکھا جائے، اسمبلیوں میں خواتین کی نمائندگی کا مسئلہ ایک شوق فضول، سراسر اسراف اور مغرب زدگی کے شاخسانے سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں

⁴² اہتمام الشریعہ، گویا نوال، دسمبر 1983ء، ص: 42۔

⁴³ روزنامہ ”جنگ“ لاہور۔ 28 نومبر 2002ء، ص: 4 اور 13۔

رکھتا۔ اس مطالبے میں قطعاً کوئی معقولیت اور افادیت نہیں ہے، یہ غیر معقول بھی ہے اور قومی خزانے پر ایک ناروا بوجھ بھی اور سب سے بڑھ کر حکم قرآنی:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ [الاحزاب: 33]

”اور تم اپنے گھروں میں ٹک کر رہو۔“

کے صریح خلاف بھی، اس لیے ہم دینی حلقوں اور دینی جماعتوں سے عرض کریں گے کہ وہ اس مسئلے میں معذرت خواہانہ انداز ترک کر کے زور دار انداز میں اس کے خلاف آواز اٹھائیں۔ اگر مرد عورتوں کے مسائل حل کرنے پر قادر نہیں ہیں تو اسمبلیوں میں نمائندگی کے عنوان سے پہنچنے والی خواتین کیا تیر مار لیں گی؟

چنانچہ دیکھ لیجئے، مشرف کی بنائی ہوئی اسمبلیاں اپنی پانچ سالہ مدت پوری کر کے ختم ہوئیں۔ ان قومی و صوبائی اسمبلیوں کی پانچ سالہ کارکردگی ملاحظہ کر کے پورے یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ خواتین کو اسمبلیوں کی رونق بنانا سوائے الحاد اور مغرب زدگی کے کچھ نہیں ہے۔ ان مذکورہ پانچ سالوں میں نہ مردوں نے ملک و قوم کے لیے کچھ کیا اور نہ عورتوں نے۔ البتہ قومی خزانے سے ان ممبران نے تنخواہوں اور مراعات میں کروڑوں نہیں،

اربوں روپے وصول کیے۔ فانالہ وانا الیہ راجعون

ضلعی حکومتوں کے نئے نظام میں عورتوں کی نمائندگی

اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جنرل پرویز مشرف کی حکومت نے ضلعی حکومتوں کا جو نیا نظام متعارف کرایا تھا، اس میں بھی عورتوں کی 33 فیصد نمائندگی کا اہتمام اسلامی تعلیمات و اقدار کے بالکل خلاف تھا۔ اتنی تعداد میں عورتوں کی نمائندگی تو

ان مغربی ملکوں میں بھی نہیں ہے جو نظریہ مساوات مرد و زن کے قائل ہیں۔ پاکستان میں، جس کی بنیاد اسلام پر ہے، اس کا کیا جواز ہے؟

مملکت کی سربراہی

اسلام کی مذکورہ تعلیمات سے واضح ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں عورت سربراہی کے منصب پر بھی فائز نہیں ہو سکتی اس پر تفصیلی بحث کے لیے راقم کی کتاب ”خواتین کے امتیازی مسائل“ ملاحظہ فرمائیں۔

مسلمان خواتین کے حل طلب ضروری مسائل کی ایک فہرست

اگر حکومتیں اور مغربیت کی علم بردار خواتین عورتوں کی خیر خواہ ہیں، انہیں واقعی عورتوں کی مشکلات کا احساس و شعور ہے اور یہ ان کے مسائل کے حل کرنے کا سچا جذبہ اپنے اندر رکھتی ہیں تو سب سے اہم ترین مسائل ان کے سامنے یہ ہونے چاہئیں:

① ان کی طرف سے یہ مطالبہ ہونا چاہیے کہ عورت کا جنسی استحصال ختم کیا جائے، اسے شوپیس یا سامان تجارت کے طور پر استعمال نہ کیا جائے۔ اسے ہر اشتہار کی زینت بنا کر سر بازار ذلیل و رسوا نہ کیا جائے۔ عورت کا وجود نہایت مقدس ہے، نازک آنگینہ ہے، صدف کی آغوش میں پرورش پانے والے موتی سے زیادہ قیمتی ہے۔ اسے جنس بازار بنایا جائے نہ اسے اخباروں اور قلموں میں عریاں کر کے، عصمت فروشوں کی طرح مال و دولت کے حصول کا ذریعہ بنایا جائے۔

② اسی طرح مطالبہ کیا جائے کہ مخلوط تعلیم کا خاتمہ کیا جائے تاکہ عورت کے تقدس کے مجروح ہونے اور اس کی ردائے عصمت کے تار تار ہونے کے امکانات کم سے کم

ہو جائیں جبکہ مخلوط تعلیم نے ان امکانات کو واقعات میں بدل رکھا ہے۔

③ عورت کے بارے میں اسلامی تعلیمات اور اس کے ساتھ حسن سلوک کے تاکید کی احکام کو ویڈیو، ٹی وی، اخبارات اور دیگر ذرائع سے عام کیا جائے تاکہ لوگ جہالت کی وجہ سے عورتوں پر جو ظلم کرتے ہیں، اس کا سدباب ہو اور عورت صحیح معنی میں گھر کی ملکہ کا اعزاز حاصل کر سکے جیسا کہ اسلام چاہتا ہے۔

④ خواتین یونیورسٹیاں قائم کی جائیں اور مخلوط تعلیم کا خاتمہ کیا جائے تاکہ مسلمان عورت، مردوں سے الگ رہ کر، ستر و حجاب کی پابندی کے ساتھ اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکے۔ کیا ان مغرب زدہ خواتین نے اس کا مطالبہ کیا یا اس پر کوئی سوچ بچار کی یا آئندہ ان سے کوئی توقع ہے؟

⑤ جس طرح ان کے تعلیمی ادارے الگ ہوں، اسی طرح ان کے لیے چند شعبے مخصوص کر دیے جائیں جن کی وہ تعلیم و تربیت بھی حاصل کریں اور وہاں وہ مردوں سے الگ رہ کر قومی خدمات بھی سرانجام دیں، مثلاً: تعلیم کا شعبہ ہے، طب کا شعبہ ہے، اسی طرح اور بہت سے شعبے ایسے ہو سکتے ہیں جہاں وہ ستر و حجاب کی پابندی کے ساتھ مفوضہ فرائض انجام دیں۔

⑥ جہیز کی لعنت کا خاتمہ اور شادی بیاہ کی فضول، بے ہودہ اور سرفرانہ رسومات کا نہایت سختی سے سدباب کیا جائے جنہوں نے شادی جیسے اہم فریضے کو ایک عذاب بنا دیا ہے۔

⑦ چادر اور چادر یواری کا تحفظ کیا جائے اور فحاشی، بے حیائی اور بے پردگی کا خاتمہ کیا جائے تاکہ عورت کی عزت بھی محفوظ رہے اور اس کا امن و سکون بھی بر باد نہ ہو۔

⑧ عائلی عدالتوں کو زیادہ مؤثر اور فعال بنایا جائے تاکہ مظلوم اور ستم رسیدہ عورتیں

عدالتوں سے فوری انصاف حاصل کر سکیں۔

⑨ نفاشی، بے حیائی اور بے پردگی کا خاتمہ کیا جائے تاکہ عورتوں کی عصمت دری کے بڑھتے ہوئے رجحان پر قابو پایا جاسکے۔

⑩ فضائی میزبان ایئر ہوسٹس عورتوں کی بجائے مردوں کو مقرر کیا جائے تاکہ اسلامی احکام کی بے حرمتی نہ ہو۔

⑪ بارات، ٹیلی ویژن اور کمرشل اشتہارات میں عورت کا استعمال ممنوع قرار دیا جائے کیونکہ اس میں اس کا استحصال بھی ہے اور اس کی بے حرمتی بھی۔

⑫ بیواؤں اور نادار عورتوں کی فلاح کے لیے زیادہ سے زیادہ امدادی مراکز اور ادارے قائم کیے جائیں تاکہ ایسی عورتیں آبرو مندانہ طریقے سے اپنی حیات مستعار کے دن گزار سکیں۔

⑬ عورتوں کے لیے مردوں سے الگ نصاب تعلیم مرتب کیا جائے تاکہ وہ اپنے مقصد تخلیق اور فطری صلاحیتوں کے مطابق زیادہ بہتر طریقے سے ملک و قوم کی خدمت کر سکیں۔

یہ اور اس قسم کے اور بہت سے مسائل ہیں جو غور و فکر اور توجہ کے مستحق ہیں لیکن عورتوں کے نام پر تنظیمیں قائم کرنے اور ان کے بل بوتے پر اپنی لیڈری کی دکان چکانے والی خواتین کو مذکورہ مسائل سے، جو پاکستانی مسلمان عورتوں کے حقیقی مسائل ہیں، کوئی دلچسپی نہیں۔ انہیں دلچسپی ہے تو صرف ایسے مسائل سے کہ جن کے ذریعے سے پاکستان کا اسلامی معاشرہ، مغرب کے اخلاق باختہ معاشرے میں بدل جائے اور مغرب کی تمام اخلاقی برائیاں یہاں عام ہو جائیں، چنانچہ آپ دیکھ لیجئے کہ خواتین کے حقوق کے نام پر

سرگرم خواتین کی کانفرنسوں، تقریروں اور مطالبات میں ایسی ہی چیزیں نمایاں ہیں جو مغربی معاشرے کے امتیازات ہیں۔ ہر شعبہ زندگی میں مرد و زن کی مساوات اور ایک دوسرے کے دوش بدوش چلنے کا تصور خالص مغربی ہے، جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں مگر ان نام نہاد لیڈرانوں کی زبان پر ہر وقت یہی نعرہ رہتا ہے۔ مغرب میں مرد کو طلاق دینے کا حق حاصل نہیں ہے۔ یہ لیڈرانیاں چاہتی ہیں کہ پاکستان کے مردوں سے بھی یہ حق جو اسلام نے انہیں دیا ہے، سلب کر لیا جائے بلکہ اس کی جگہ یہ حق عورتوں کو تفویض کر دیا جائے۔ مغرب میں ایک سے زیادہ شادی ممنوع ہے، تاہم غیر قانونی داشاؤں اور گرل فرینڈز کی عام اجازت ہے۔ پاکستانی لیڈرانیاں بھی یہاں تک زور جی (ایک ہی بیوی) کے قانون پر اصرار کر کے بے حیائی کا وہی دروازہ کھول رہی ہیں جس سے مغرب کا لادین معاشرہ دوچار ہے۔ علمی ہذا القیاس یہ لیڈرانیاں مغرب کی ہر بات پر ایمان بالغیب رکھتی ہیں اور اسلامی تہذیب و تمدن سے سخت بیزار ہیں اور مغرب پرستی اور اسلام بیزاری کا رجحان وہ بڑی تیزی سے پاکستان کی نئی نسل میں بھی منتقل کر رہی ہیں۔

افسوس اور ستم ظریفی یہ ہے کہ ہمارے تمام وزراء، ارباب اختیار، اقتدار، افسران اعلیٰ اور اخبارات جدید چلتے ہوئے نعروں سے مرعوب اور شاید مغرب کی عشوہ طراز یوں سے مسحور ہیں۔ یہ بھی سب مغرب کے نقطہ نظر ہی کو یہاں فردغ دے رہے ہیں۔ حکومت کی تمام پالیسیاں اسی فکر اور طرز عمل کی غماز ہیں اور اخبارات بھی ان نظریات کی بھرپور اشاعت کر رہے ہیں۔

یہ صورت حال اسلامی نقطہ نظر سے سخت خطرناک ہے۔ حکومت، اخبارات اور دیگر

ذرائع ابلاغ کی پالیسیوں اور رویے سے ہمارے معاشرے میں مغربی رجحانات کی حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔ اور اسلام کا تصور حیا و عفت ختم ہو رہا ہے۔

﴿الَّذِينَ جَاءُوا مَوْتًا عَلَىٰ الْإِنْسَاءِ﴾ [النساء: 34]

(مرد عورتوں پر حاکم ہیں) کے برعکس صورت حال رونما ہو رہی ہے

اور قرآن کا حکم

﴿وَقَدْ كَانَ فِي نُبُوِّنَا كُنُفٌ وَلَا تَكْفُرْنَ تَتَّبِعِ الْجَاهِلِيَّةَ الْأُولَىٰ﴾ [الاحزاب: 33]

”(اے ازواجِ مطہرات! اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کی طرح اپنی زینت کا اظہار نہ کرو) زینت طاق نسیاں بنتا جا رہا ہے۔“

مغربی نظریہ مساوات مرد و زن کے مطابق مسلمان عورت کا مردوں کے دوش بدوش چلنے کی روش، جسے مادی ترقی اور ملکی خوش حالی کی ضمانت سمجھا جا رہا ہے، معاشرے کے لیے سخت تباہ کن ہے۔ اس سے عائلی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار، اسلام سے بیزاری اور مغربی تہذیب و معاشرت کی برتری کا تصور عام ہو رہا ہے، نیز اسلام کو ایک فرسودہ اور موجودہ دور میں ناقابل عمل دین سمجھا جا رہا ہے۔ کیا ہمارے حکمران اور مالکان و مدیران جبراً نیک ہی کچھ چاہتے ہیں۔ اگر یہی ان کا مطلوب و مقصود ہے (اور ان کے طرز عمل کا لازمی و منطقی نتیجہ یہی ہے) تو پھر پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ کیا وہ اس رو میں بہتے چلے جائیں گے یا اپنی نسل نو کو اس باغیانہ روش سے بچانے کی ہر ممکن سعی کریں گے؟



عورت اور مسئلہ ولایت نکاح

بے پردگی نے جہاں اور بہت سے مسائل پیدا کیے ہیں، جن میں چند ایک پر ہم گزشتہ صفحات میں ضروری بحث کر آئے ہیں، وہاں نوجوان لڑکی کا والدین کی اجازت اور رضامندی کے بغیر از خود نکاح کرنے کا بھی اہم مسئلہ ہے۔ آج کل یہ مسئلہ کافی شدت اختیار کر گیا ہے اور اس قسم کے بعض معاملات عدالت میں بھی زیر بحث آتے رہتے ہیں اور اخبارات میں آئے دن کے واقعات کی اشاعت سے اندازہ ہوتا ہے کہ نوجوان لڑکیوں میں مغربی معاشرے کی طرح از خود نکاح کرنے کا رجحان فروغ پا رہا ہے اور والدین کے حق ولایت کو ایک ناروا بوجھ اور ظلم سمجھا جا رہا ہے اور بعض لوگ فقہ حنفی کے حوالے سے بالغ لڑکی کے اس قسم کے اقدام کو جائز قرار دے رہے ہیں اور عدالتیں بھی بالعموم انہیں سند جواز مہیا کر رہی ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ اس بارے میں مسئلے کی صحیح نوعیت کو واضح کیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ مذکورہ تصور اسلام کے احکام کے مطابق ہے نہ فقہ حنفی کی تصریحات کے مطابق، البتہ مغرب کی حیاباختہ تہذیب کے عین مطابق ہے جس میں جوان ہونے کے بعد اولاد کا کوئی تعلق والدین کے ساتھ باقی نہیں رہتا۔ بالغ لڑکی جو چاہے کرے، والدین کو اس میں مداخلت کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اگر والدین مداخلت کرتے ہیں تو لڑکی پولیس کے ذریعے سے والدین کو تھانے بھجوا کر جس کے ساتھ چاہے رنگ رلیاں مناسکتی ہے۔

اسلام میں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد، دوسرے نمبر پر جو حکم ہے، وہ والدین کی

اطاعت و فرماں برداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا ہے، قرآن کریم میں تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ والدین کے سامنے اگر کوئی بات تمہیں ناگوار گزرے تو اُف (اونہہ) تک نہ کہو، اس سے زیادہ والدین کے ادب و احترام اور اطاعت و فرماں برداری کی تاکید کیا ہو سکتی ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ والدین کو سخت تاکید ہے کہ وہ لڑکی کی رضامندی کے بغیر اس کا نکاح نہ کریں حتیٰ کہ اگر کوئی باپ لڑکی کی رضامندی کے بغیر نکاح کر دیتا ہے اور لڑکی کو وہ پسند نہ ہو تو شریعت نے لڑکی کو حق دیا ہے کہ وہ یہ نکاح فسخ کر والے لیکن دوسری طرف لڑکی کو قطعاً یہ حق نہیں دیا گیا ہے کہ وہ ولی کی اجازت کے بغیر جہاں چاہے، نکاح کر لے بلکہ اس کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے ولی (باپ، بھائی، چچا وغیرہ) کی اجازت اور رضامندی ہی سے نکاح کا مسئلہ حل کرے۔ اگر وہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گی تو وہ نکاح ہی نہیں ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ»

”ولی کے بغیر نکاح نہیں۔“^①

دوسری روایت میں ہے:

«أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهَا، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، ثَلَاثٌ مَرَاتٍ»

”جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے۔

اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔“^②

^① سنن ابی داؤد: کتاب النکاح، باب فی الولی، حدیث: 2085

^② سنن ابی داؤد: کتاب النکاح، باب فی الولی، حدیث: 2083

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام نے دونوں کو ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کرنے اور ایک دوسرے کو راضی کرنے کی تاکید کی ہے۔ والدین کو جبر کرنے کی اجازت دی ہے نہ لڑکی کو والدین کی اجازت اور رضامندی کو نظر انداز کرنے کی اور جب بھی اور جہاں بھی لڑکی پر جبر کا پہلو پایا جائے یا والدین کی اجازت کو نظر انداز کر کے من مانی کی جائے تو دونوں صورتوں میں عدالت کے ذریعے سے اس ظلم و جبر کی تلافی کی جاسکتی ہے۔ یہ ہے اسلام کی صحیح تعبیر و تشریح۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ لڑکی کے مقابلے میں والدین کا حق مقدم اور فائق ہے اور تمام ائمہ اسلام اسی بات کے قائل ہیں۔ کوئی بھی امام لڑکی کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ والدین کی اجازت اور رضامندی کو نظر انداز کر کے از خود نکاح کر لے۔ فقہ حنفی سے اس کا جو جواز ثابت کیا جاتا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔ فقہ حنفی میں بیان کردہ جواز کو اس کے پورے سیاق و سباق میں دیکھا جائے تو فقہ حنفی سے اس کا مطلق جواز ثابت نہیں ہوتا۔

اول تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نہیں صاحبین کہا جاتا ہے، فرماتے ہیں کہ عاقل و بالغ لڑکی بھی ولی کی رضامندی اور اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی، البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے لیکن امام صاحب کے نزدیک بالغ لڑکی کا یہ اختیار مشروط ہے کہ وہ تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ۔ اگر کسی لڑکی نے ولی کی اجازت کے بغیر ”غیر کفو“ میں نکاح کر لیا تو ولی کو نہ صرف اعتراض کرنے کا بلکہ تنسیخ نکاح کے لئے عدالتی چارہ جوئی کا حق حاصل ہے۔

ثانیاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد حضرت حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کی رو سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مسلک ہے کہ اگر لڑکی دلی کی اجازت کے بغیر ”غیر کفو“ سے

نکاح کر لے گی تو یہ نکاح ہی باطل ہوگا (ولی کو سخ کرنے کے لئے عدالت میں جانے کی بھی ضرورت نہیں)۔^۱

کفو کا مطلب فقہاء کے ہاں یہ ہے کہ لڑکی کسی ایسی جگہ نکاح نہ کرے۔ جس میں لڑکی کے ولی اور اہل خانہ عار محسوس کریں۔ اس شرط یا حق استرداد (ویٹو پاور) کی موجودگی میں جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ولی کو حاصل ہے، یہ کہنا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے کہ حنفی مذہب میں بالغ لڑکی کو ولی کی اجازت کے بغیر شادی کرنے کا غیر مشروع حق حاصل ہے۔ اس شرط کے تو صاف معنی یہ ہیں کہ ولی کی رضامندی اور اجازت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کوئی لڑکی ایسا کرے گی تو ایک روایت کی رو سے نکاح باطل ہوگا اور ایک روایت کی رو سے ولی اسے فسخ کرانے کا اختیار رکھتا ہے۔

علمائے احناف کو اس نکتے پر غور کرنا چاہئے کہ جب کفو کو نظر انداز کرنے کی صورت میں امام صاحب کے نزدیک ولی کو لڑکی کا اختیار ختم کرنے اور نکاح کے رد کرنے اور کروانے کا حق حاصل ہے یا بقول حسن بن زیاد امام صاحب کے نزدیک سرے سے نکاح ہی باطل ہے تو وہ مطلقاً یہ فتویٰ یارائے کیوں دیتے ہیں کہ بالغ لڑکی کو از خود نکاح کرنے کا حق حاصل ہے۔ وہ مذکورہ شرط کو ساتھ بیان کیوں نہیں کرتے، جس سے امام صاحب کا موقف دوسرے ائمہ کے موقف کے قریب ہو جاتا ہے۔ احناف کے موجودہ طرز عمل سے کو میرج، کورٹ میرج اور سیکرٹ میرج (محبت کی شادی، عدالت کے ذریعے شادی اور خفیہ شادی) کی حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔ حج حضرات بھی یہ سمجھتے ہیں کہ

• تفصیل کے لئے دیکھئے: فیض الباری، علامہ انور شاہ کشمیری (287/282/4)

مذکورہ قسم کی شادیوں کو، جن میں لڑکی اپنے ولی کی رضامندی اور اجازت کو نظر انداز کر کے اسلامی اقدار و روایات سے انحراف کرتی ہے، فقہ حنفی کی تائید حاصل ہے اور وہ اس کے حق میں فیصلہ کر دیتے ہیں، حالانکہ اس میں کفو کے تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہوتا ہے جو اس کے جواز کی بنیادی شرط ہے کیونکہ اگر کفو کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے لڑکی شادی کرے تو والدین بالعموم اس سے اتفاق نہ کرنے کے باوجود قبول یا گوارا کر لیتے ہیں۔ اس قسم کی شادیوں میں جتنے بھی کیس عدالتوں میں جاتے ہیں وہ سب ایسے ہی ہوتے ہیں کہ والدین کے نزدیک لڑکی ایسی جگہ شادی کر لیتی ہے یا کرنے پر مصر ہوتی ہے جس میں لڑکی کے ولی اور اہل خاندان عار محسوس کرتے ہیں لیکن بد قسمتی سے عدالتیں لڑکیوں کے حق میں فیصلہ دے دیتی ہیں۔ علمائے احناف سے پوچھا جاتا ہے تو وہ بھی مذکورہ شرط کو نظر انداز کر کے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ فیصلے اور فتوے شریعت اسلامیہ کی نصوص کے بھی خلاف ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے بھی۔ علاوہ ازیں ان سے وہ خاندانی روایات شکست و ریخت کا شکار ہو رہی ہیں جو ایک اسلامی معاشرے کی امتیازی خصوصیات کے طور پر صدیوں سے قائم چلی آ رہی ہیں اور ان کی جگہ مغربی معاشرے کی وہ روایات فروغ پاری ہیں جن میں حیا و عفت کا کوئی تصور نہیں ہے اور اس حیا باختہ تہذیب نے مسلمانوں کے خاندانی نظام کو تباہ کر دیا ہے۔

بہر حال ”کفو“ کی شرط کی موجودگی میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک دوسرے ائمہ سے زیادہ مختلف نہیں رہتا کیونکہ کفو کی شرط کا مفاد یہ ہے کہ نکاح میں لڑکی اور اس کے ولی

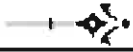
دونوں کی رضا کا اکتھا ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ اگر ولی لڑکی کی رضامندی کو نظر انداز کرے گا تو لڑکی کو انکار کرنے کا حق ہے اور اگر لڑکی ولی کی رضامندی کو اہمیت نہیں دے گی تو ولی کو حق استرداد حاصل ہے اور یہی مسلک دوسرے ائمہ کا بھی ہے اور نصوص شریعت کا اقتضا بھی یہی ہے۔ خود نبی کریم ﷺ نے لڑکی کی رضامندی کے بغیر اس کی شادی کرنے سے منع فرمایا ہے اور اگر ولی نے لڑکی کی رضامندی کو نظر انداز کر کے لڑکی کی شادی کر دی ہے تو ہمارے پیغمبر نے لڑکی کو فسخ نکاح کا حق عطا کیا ہے یہ تمام چیزیں احادیث میں موجود ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں، اس لئے صرف حوالے پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

اس لیے مسئلہ یہ نہیں ہے کہ دوسرے ائمہ لڑکی پر جبر کے قائل ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جبر کے قائل نہیں ہیں۔ یہ زندگی بھر کا مسئلہ ہے، اسے جبر کے ذریعے سے حل نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ کوئی بھی مکتب فکر جبر کا قائل نہیں ہے۔ سب کے نزدیک دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔ شریعت صرف یہ کہتی ہے کہ نوجوان لڑکی، زندگی کے نشیب و فراز سے آگاہ نہیں ہوتی، علاوہ ازیں جوانی کے جذبات اور جوش میں وہ غلط فیصلہ کر سکتی ہے، اس لئے ولی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر وہ شادی کرنے کا اقدام نہ کرے حقیقت یہ ہے کہ چند بدقماش اور خود غرض افراد کو چھوڑ کر، والدین سے بڑھ کر دنیا میں اولاد کا اور بالخصوص لڑکیوں کا کوئی خیر خواہ نہیں۔ ہر والد اپنی بچی کے لیے بہتر سے بہتر اور موزوں سے موزوں تر رشتے کا خواہش مند ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے بھرپور کوشش بھی کرتا ہے اور استثنائی صورتوں میں جہاں ولی کی طرف سے ظلم و جور کا ارتکاب ہو، وہاں شریعت نے خود لڑکی کو عدالت یا پنچائت کے ذریعے سے دادرسی کی اجازت دی ہے۔ اس قسم کے استثنائی

کیسوں میں یقیناً لڑکی کے حق میں فیصلہ دیا جاسکتا ہے اور دیا جانا چاہیے لیکن جہاں ظلم و جبر کا کوئی پہلو نہ ہو، وہاں صرف اس بنیاد پر لڑکی کے حق میں فیصلہ کر دینا کہ لڑکی عاقل بالغ ہے، یکسر غلط ہے جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے اور تمام ائمہ دین کی رائے کے بھی خلاف ہے۔ لڑکیوں کی اس آزاد روی اور بے راہ روی کی تائید بہت خطرناک ہے۔

مرد کو اللہ تعالیٰ نے قوام بنایا ہے جس کے معنی ہیں حاکم اور نگران۔ مرد عورت کے مقابلے میں گھر کا سربراہ اور اس کا محافظ و نگران ہے۔ اس برتری اور ایک گونہ فضیلت کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ نے مرد کو عورت کے مقابلے میں زیادہ عقل و فہم اور زیادہ جسمانی قوت و طاقت عطا کی ہے۔ دوسری، یہ کہ کسب معاش کا ذمہ دار صرف اور صرف مرد ہے۔ ہر چھوٹے بڑے ادارے کے حسن انتظام کے لیے ایک سربراہ، منتظم اعلیٰ اور محافظ و نگران کا وجود ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی ادارہ قائم ہو سکتا ہے نہ باقی ہی رہ سکتا ہے۔ اس اعتبار سے گھر کی سربراہی اللہ تعالیٰ نے مذکورہ دو امتیازی خوبیوں کی وجہ سے مرد کو عطا کی ہے جو فطری طور پر اسے حاصل ہے۔ اس کو تسلیم کیے بغیر گھر کا نظام صحیح طریقے سے نہیں چل سکتا۔

جب میاں بیوی میں سے حاکمیت مرد کو حاصل ہے تو اولاد پر بھی حاکمیت کا فطری حق مرد ہی کو حاصل ہے۔ اولاد کے مقابلے میں مرد کے حق حاکمیت کا نام قوامیت کی بجائے ولایت ہے۔ جس طرح قوامیت کے لغوی مفہوم تک میں بھی حاکمیت کا مفہوم شامل ہے۔ اسی طرح ولایت کے دو لغوی معنی ہیں۔ ایک محبت و نصرت اور دوسرے سلطنت و قدرت۔ ان دونوں مفہوموں کے اعتبار سے ولی کو اولاد پر ہر طرح فوقیت حاصل ہے۔



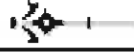
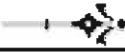
ولی کو اولاد سے محبت بھی ہوتی ہے اور اس کے اندر اس کی مدد اور اس کے حقوق و مفادات کی حفاظت کا جذبہ بھی۔ علاوہ ازیں اس کو اولاد پر غلبہ و تسلط بھی حاصل ہے۔ ایک توفطری طور پر ہی، جیسا کہ ابھی وضاحت گزری۔ دوسرے، باپ کی شفقت و رعایت اور اس کے مالی اور دیگر ہر قسم کے تعاون ہی سے اولاد نشوونما پاتی اور پروان چڑھتی ہے۔

اب یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ اولاد جو ان ہونے کے بعد ولی پر فائق اور برتر ہو جائے۔ یہ فطرت کے بھی خلاف ہے اور جذبہ ممنونیت و احساس شکر کے بھی برعکس، اس لیے منشاء شریعت بھی یہی ہے اور تقاضائے انصاف بھی کہ ولی کا حق ہر لحاظ سے غالب اور مقدم رہے اور ولی اور اولاد میں اختلاف کی صورت میں صرف اولاد کی بلوغت کو دیکھ کر ولی کی ولایت کو نظر انداز کر دینا روح شریعت کے بھی خلاف ہے اور انصاف کے تقاضوں سے بھی انحراف۔ ہاں! اگر ولی اپنے حق ولایت کو غلط استعمال کرے اور جبر کے ذریعے سے ظلم و زیادتی کا ارتکاب کرے تو اور بات ہے۔ اس قسم کی صورتوں میں خود شریعت نے بھی دوسرے لوگوں کو مداخلت کر کے انصاف کا اہتمام کرنے کی تاکید کی ہے۔ فقہی اصطلاح میں ایسے غیر مشفق باپ کو ’ولی عاضل‘ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کی ولایت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا گیا ہے۔ اس صورت میں چچا، تایا وغیرہ ولی قرار پائیں گے یا پھر وقت کا امام، قاضی اور حاکم۔^۱

● مزید تحصیل کے لیے ملاحظہ ہو امام کی کتاب ”مطروحاتوں کا نکاح اور تاریخی حقائق، مسئلہ ولایت کا تحقیق جائزہ“ مطبوعہ دارالسلام، لاہور

حالات کی تبدیلی سے اجتہادی احکام تبدیل ہو سکتے ہیں نہ کہ مخصوص احکام بعض لوگ کہتے ہیں کہ اب حالات بدل گئے ہیں اور معاشرے میں سماجی، سیاسی اور قانونی لحاظ سے عورت کی حیثیت پہلے سے مختلف ہو چکی ہے، لہذا عورتوں کے حوالے سے نصوص اسلامی کی نئی تشریح یا دوسرے لفظوں میں عورتوں سے متعلق اجتہادی قوانین پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

لیکن ہم عرض کریں گے کہ ایسے اہل علم و فکر اور اصحاب دانش و بینش یا تو مغربی افکار سے متاثر ہیں یا ذہنی تضاد کا شکار ہیں۔ ایک طرف یہ حضرات ائمہ کے مسالک اور ان کے دلائل بھی نقل فرماتے ہیں اور دوسری طرف انہیں ان کا اجتہاد قرار دے کر ان میں تبدیلی کا مشورہ بھی دیتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ اجتہادی مسائل، ابدی نہیں ہیں، ان میں حالات و ظروف کے مطابق تغیر و تبدل کے تمام علماء قائل ہیں لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ عورتوں سے متعلقہ احکام و مسائل اجتہادی ہیں یا نصوص شریعت پر مبنی۔ اجتہادی مسئلہ تو وہ ہوتا ہے جس کی بابت قرآن کریم یا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی نص نہ ہو اور علماء نے اس سے ملتے جلتے کسی مسئلے پر قیاس کر کے اس کے جواز یا عدم جواز کا حکم اخذ کیا ہو۔ کیا خیال بلوغ یا عاقل بالغ لڑکی کے ولی کی اجازت کے بغیر از خود شادی کر لینے یا حجاب وغیرہ کے مسائل اجتہادی ہیں یا نصوص پر مبنی۔ اگر یہ فقہاء کے اجتہادی مسائل ہیں، پھر تو یقیناً ان میں حالات کے مطابق تبدیلی کا مشورہ صحیح ہے اور اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے کیونکہ خود یہ حضرات بھی ائمہ کے دلائل نقل فرماتے ہیں جو نصوص قرآن و حدیث پر مبنی ہیں نہ کہ



وہ اجتہادی اقوال و آراء ہیں تو پھر ان مسائل میں تبدیلی کا مشورہ مغرب زدہ متجددین کی ہم نوائی کے سوا کیا ہے۔ جو تغیر حالات کے نام پر ساری شریعت ہی کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ کیا یہ حضرات بھی نصوص میں تبدیلی کے قائل ہیں۔ اگر نہیں ہیں تو پھر ان حضرات کی طرف سے اس قسم کا مشورہ ان کے فکری تضاد ہی کا غماز کہلائے گا۔

ان کی ایک دلیل ان کا یہ کہنا بھی ہے کہ مدینہ اور حجاز کا معاشرہ بدوی تھا اور وہاں دوسری تہذیبوں کے اثرات کم تھے۔ یہ وہی بات ہے جو متجددین بھی کہتے ہیں اور وہ اس حوالے سے عورت کو مغرب کی طرح مادر پدر آزادی دینا چاہتے ہیں اور اسلامی احکام میں ایسی ترمیم و اصلاح کرنا پسند کرتے ہیں جس سے اسلامی تہذیب کی خصوصیات ختم اور مغرب کی حیا بااختہ تہذیب کا جواز ثابت ہو جائے، حالانکہ اسلام ایک ایسا بدی مذہب ہے جس کے ساتھ ہی نبوت کا خاتمہ بھی کر دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے، کسی مخصوص علاقے اور ملک کے لیے نہیں ہے اور قیامت تک کے لیے ہے، کسی محدود دور کے لیے نہیں ہے۔

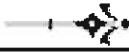
اس لیے جدید مفکرین اور دانشوران عصر کا یہ دعویٰ کہ مدینہ و حجاز کا معاشرہ بدوی تھا، یکسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے احکام کسی معاشرے کے مطابق اور اس کی رعایت میں نازل نہیں فرمائے بلکہ انسانی فطرت کے مطابق اتارے ہیں، جس میں کوئی تبدیلی جغرافیائی اعتبار سے آسکتی ہے نہ لیل و نہار کی کسی گردش سے، یعنی زمان و مکان اور اس کی تبدیلیوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ انسان کسی بھی علاقے اور ملک سے تعلق رکھتا ہو اور قیامت تک کسی بھی زمانے میں وہ وجود پذیر ہو۔ اسلامی احکام و تعلیمات اس

کے لئے مینارہ نور، مشعل ہدایت اور ضابطہ حیات ہے۔ اس سے انحراف میں اس کے لیے گمراہی، تاریکی اور بربادی ہے۔ امن و سکون اور نجات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسلامی احکام قیامت تک کے لیے نازل کیے ہیں، انسانی فطرت سے بھی وہ آگاہ ہے بلکہ صرف وہی آگاہ ہے کیونکہ وہی انسان کا خالق ہے، اس لیے ہر دور کے انسان کی نجات، چاہے وہ ترقی کر کے چاند پر پہنچ جائے، احکام الہی کی پیروی ہی میں ہے۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا کوئی مجاز ہے نہ اس کی اصلاح ہی ممکن ہے۔ اس میں اصلاح و ترمیم ایسے ہی ہے جیسے کسی طبیب حاذق کے نسخے میں کوئی عطائی نیم حکیم اپنی طرف سے، بزعم خویش، اسے بہتر بنانے کے لیے رد و بدل کر دے۔

مغرب کی کامیابی، لادینیت کا نہیں، مسلسل عمل اور علم و ہنر کا نتیجہ ہے

ہمیں یہ دیکھ کر کہ مغرب میں عورت، مرد کے دوش بدوش ہر کام میں حصہ لے رہی ہے، اس پر پردے کی یا اپنی عصمت کے تحفظ کی کوئی پابندی نہیں ہے، وہ ہر معاملے میں خود مختار ہے، والدین کا اس پر کوئی دباؤ ہے نہ خاوند کا کوئی اثر اور نہ خاندان کا کوئی نظام۔ وہ والدین کی موجودگی میں بھی اپنے رفیق حیات کے انتخاب میں آزاد ہے اور عقد نکاح میں بندھنے کے باوجود صرف اپنے شوہر کے ساتھ ہی وابستہ رہنے کی پابندی نہیں۔ وہ ایک مرد کی بیوی ہونے کے باوصف کئی مردوں سے دوستانہ تعلق قائم کر سکتی اور رکھ سکتی ہے۔

مغرب میں عورت کی یہ آزادی دیکھ کر بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ مغرب کی ترقی کا راز اسی نظریہ مساوات مرد و زن میں مضمر ہے۔ اس کی خیرہ کن اور محیر العقول ایجادات کی وجہ عورت کی بے پردگی اور اس کی اخلاقی باختگی ہے اور ماڈی آسائشوں اور سہولتوں کی



فراوانی، ہر قسم کی پابندی سے آزادی کا نتیجہ ہے، اس لیے وہ مشورہ دیتے ہیں کہ اب معاشرہ بہت بدل گیا ہے۔ زمانہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے۔ ہمیں بھی مغرب کی طرح عورت کو کچھ نہ کچھ آزادی دینی چاہیے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ مغرب کی ترقی لادینیت اختیار کرنے اور عورت کو گھر سے باہر نکال کر بے پردہ کر دینے کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کی پشت پر اصل چیز ان کی منسوبہ بندی اور اس پر عمل، علم و ہنر کا حصول اور اس کا صحیح استعمال، نظم و ضبط اور قانون کی پابندی وغیرہ، خوبیاں ہیں۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے خود مغرب میں رہ کر ہر چیز کا مشاہدہ کیا تھا، یورپ کی ترقی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

قوت مغرب نہ از چنگ و رباب
 نے ز رقص دختران بے حجاب
 نے ز سحر ساحران لالہ زو است
 نے ز عریاں ساق و نے از قطع ممو است
 محکمئ او نہ از لادینی است
 نے فروغش از خط لاطینی است
 قوتِ افرنگ از علم و فن است
 از ہمیں آتش چراغش روشن است
 حکمت از قطع و برید جامہ نیست
 مانع علم و ہنر عمامہ نیست

بہر حال عورت کے بارے میں اسلام نے جو کچھ بھی احکام دیے ہیں، اس سے ایک تو اسلام کے تصور حیا و عفت کا تحفظ مقصود ہے۔ مغرب نے عورت کی عفت و تقدس کی ردا کو

تاریخ کر کے پھینک دیا ہے، اس لیے اس کی حفاظت کی ان کے ہاں کوئی اہمیت باقی نہیں رہی ہے۔ دوسرا مقصد، اسلام کا عورت کی صنفی مجبوریوں اور اس کی فطری استعداد و صلاحیت کا احترام و رعایت ہے۔ اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ مرد اور عورت دونوں کا مقصد تخلیق ایک دوسرے سے جدا ہے اور اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے دونوں کی فطری صلاحیتوں اور قوت عمل میں بھی فرق رکھا ہے۔ شریعت اسلامیہ نے اسی لیے دونوں کا دائرہ کار بھی ایک دوسرے سے الگ رکھا ہے۔ ایک کا دائرہ عمل گھر کی چار دیواری ہے، وہاں کے خانگی امور ہیں، بچوں کی نگرانی اور دیکھ بھال ہے، خاوند کی خدمت و اطاعت ہے۔ دوسرے کا دائرہ عمل گھر سے باہر ہے، وہ محنت مزدوری کرے یا ملازمت، کھیتی باڑی کرے یا تجارت، کسب معاش اسی کی ذمہ داری ہے۔ عورت صرف گھر کی ملکہ ہے، اس کا کام سڑکوں کی خاک چھاننا نہیں ہے، ملازمت کے لیے در بدر کی ٹھوکریں کھانا نہیں ہے، غیروں کی ناز برداری یا اپنے ناز و ادا سے ان کا دل بہلانا نہیں ہے۔

اس لیے ہمارا پختہ ایمان ہے کہ دیگر تعلیمات کی طرح عورت کے بارے میں بھی اسلام کا ایک ایک حکم حکمت بالغہ پر مبنی ہے اور انسانی معاشروں کی اصلاح اور انسانیت کی فلاح و بہبود ان احکام کی پابندی ہی میں منحصر ہے۔ ان سے انحراف میں فساد اور بربادی ہی بربادی ہے ان سے صرف نظر، یا گریز و اعراض کر کے کوئی معاشرہ حقیقی فلاح اور امن و سکون سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا، بنا بریں اس کے کسی حکم میں حالات و زمانے کے اعتبار سے ترمیم اور حک و اضافہ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اس ذات کے نازل کردہ ہیں جو [عَالِمٌ مَّا كَانَ وَمَا يَكُونُ] ہے جو ماضی اور حاضر و مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات سے باخبر ہے۔



مردانہ دونوں کے لیے انسانی زندگی کو بہتر اور خوشگوار بنانے کے لیے چند اہم نصیحتیں

• میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کی خوبیوں کو ہر وقت سامنے رکھیں اور خامیوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کریں، کیونکہ کچھ نہ کچھ خامی ہر انسان میں ہوتی ہے۔ اسی طرح کچھ نہ کچھ خوبیاں بھی ہر ایک میں ہوتی ہیں۔ اگر نظر خوبیوں پر رہے تو خامیوں کو نظر انداز کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

• خود بینی اور خود پرستی سے احتراز کریں، اس کے برعکس دوسرے کی خوبیوں کی تعریف کریں اور انہیں سراہیں۔

• دونوں بیک وقت غصے کا مظاہرہ نہ کریں۔ ایک فریق ہر صورت میں تحمل اور برداشت سے کام لے۔ مرد کو خاص طور پر زیادہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور صنف نازک کو صنف نازک ہی سمجھے، اسے اپنی شفقت، پیار اور محبت کا مستحق ہی سمجھے اسے اپنا حریف اور مقابل ہرگز نہ سمجھے۔

• تخلیہ ہو یا مجلس ایک دوسرے کے خلاف جلی کٹی نہ کہیں۔

• ایک دوسرے سے تیز گفتاری اور سختی سے پیش نہ آئیں۔ بلکہ نرم گفتاری اور نرمی کو

معمول بنائیں۔

- ایک دوسرے کی بات ماننے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں۔
- ایک دوسرے کے لیے ایثار و قربانی کو معمول بنایا جائے۔
- نکتہ چینی یا بد خوئی اور خوردہ گیری سے اجتناب کیا جائے۔ اگر کبھی اس کی ضرورت پیش آئی جائے، تو نہایت حکمت اور شیریں الفاظ میں اس کا اظہار کیا جائے۔
- پچھلی غلطیاں دہرائی جائیں نہ وہ یاد دلائی جائیں، بلکہ ان کو فراموش کر دیا جائے۔
- ہر فریق دوسرے کی جائز خواہش اور فطری جذبات کا احترام کرے، انھیں مجروح نہ کرے۔

- ایک دوسرے کو کبھی نظر انداز نہ کریں، بلکہ زیادہ سے زیادہ اپنائیت کا اظہار کریں۔
- ایک دوسرے کی غیر موجودگی میں باہمی رازوں اور مشترکہ چیزوں کی حفاظت کریں۔
- ایک دوسرے کو ہر حال میں خندہ پیشانی سے ملیں۔
- بڑھ چڑھ کر ایک دوسرے کی خدمت کریں، ایک دوسرے کو خادم اور اپنے آپ کو مخدوم نہ سمجھیں بلکہ گھر کا نظام باہمی تعاون سے چلائیں۔
- کوئی ناراضی والی بات ہو جائے، تو اسے بڑھنے نہ دیں بلکہ اولیں فرصت میں اسے ختم کر لیا جائے چنگاری کو شعلہ بنتے دیر نہیں لگتی۔ عقل مندی یہی ہے کہ چنگاری کو شعلہ نہ بننے دیا جائے، ورنہ ہنسا بستا گھرا جڑ سکتا ہے، ایک خوش نما باغ خزاں میں تبدیل ہو سکتا ہے اور ایک نعمت کدہ جہنم کدہ بن سکتا ہے۔

- مرد بالا دست، قوام اور زیادہ قوت و ہمت والا ہے، اس لیے اسے عورت کے مقابلے میں زیادہ بردباری، صبر اور قوت برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ وہ عورت کی کمزوری

ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے چند اہم نصیحتیں

اور فطری کجی کو حکمت اور صبر سے برداشت کرے۔ اسے بالکل سیدھا کرنے کے چکر یا زعم میں نہ پڑے ورنہ وہ اسے سیدھا کرتے کرتے اپنا گھرا جاڑ لے گا۔

❁ گھر میں آنے والے مہمان کا تعلق بیوی کے خاندان سے ہو یا شوہر کے خاندان سے۔ بہ حیثیت مہمان کے اپنی طاقت کے مطابق اس کی مہمان نوازی کی جائے۔

مہمان نوازی میں اپنے خاندان کے فرد کو تو اپنا سمجھا جائے اور دوسرے کو غیر۔ یہ تفریق بھی باہم بغض و عناد اور دلوں میں کدورت کا باعث بنتی ہے۔ اس سے اجتناب کیا جائے۔

❁ غسر یا یئسر (تنگ دستی ہو یا خوش حالی) دونوں حالتوں میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور پورے خلوص سے عہد وفا نبھائیں۔

❁ دونوں اپنی خواہشات اور جذبات کے مقابلے میں اللہ رسول کے احکام کو فوقیت اور ترجیح دیں۔

❁ گھر میں اور گھر سے باہر شرعی پابندیوں کا اہتمام کریں۔

❁ ساس، آنے والی بہو کو اپنی بیٹی سمجھے، بیٹی کی طرح اس سے پیار کرے اور بیٹی کی طرح ہی اس سے سارا معاملہ کرے۔ بہو اپنی ساس کو ماں سمجھے، ماں کی طرح اس کا ادب و احترام کرے اور بیٹی بن کر گھر کے سارے کام کاج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے۔ عورت کی عزت کام کاج ہی میں ہے نہ کہ شہزادی بن کر اٹوانٹی کھٹوانٹی لے کر پڑھنے میں۔

❁ نندیں (خاوند کی بہنیں) بھی بھابھی کو بہن سمجھیں اور بہنوں کی طرح اس سے معاملہ کریں۔ گھر کے سارے کام باہم مل کر کریں، آنے والی دلصن پر ہی سارا بوجھ نہ ڈال دیں۔ ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ گھر کا سکون باہم پیار و محبت میں ہے نہ کہ باہم رقابت اور لگائی بجھائی میں۔

ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے چھ اہم نصیحتیں

❁ زبان کی حفاظت کریں اور پہلے تو لیں، پھر بولیں“ کے مقولے کو ہر وقت سامنے رکھیں۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ تلوار کے زخم مندل ہو جاتے ہیں لیکن زبان کے زخم نہایت خطرناک ہوتے ہیں۔ یہ پہلے دل کو گھائل کرتے ہیں اور پھر گھر کی بربادی اور اولاد کی تباہی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

❁ مرد نہایت غصے اور کشیدگی کے عالم میں بھی طلاق کا لفظ کبھی زبان پر نہ لائے۔ اور اسی طرح عورت بھی خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرے نہ طلاق لینے والا رویہ ہی اختیار کرے۔ دونوں ہر حالت میں عقد نکاح کو نبھانے کی کوشش کریں۔

❁ خاص طور پر صاحب اولاد ہونے کی صورت میں کبھی ایک دوسرے سے علیحدگی کا نہ سوچیں۔ علیحدگی کی صورت میں دونوں کا گھر ہی نہیں اجڑے گا، اولاد کا مستقبل بھی برباد ہو جائے گا۔ ان غنچوں کو بن کھلے ہی نہ مرجھا دیں، بلکہ دونوں مل کر ان کی حفاظت اور تربیت کریں تاکہ وہ شرم دار درخت بن کر ان کے لیے گھنی چھاؤں کا کام بھی دیں اور ان کے لیے عصائے پیری بھی بنیں۔

عورت جہاں پٹی بڑھی جو ان ہوئی اس جگہ سے انس پیار فطری چیز ہے لیکن اس پیار کا مطلب یہ نہیں کہ نئی جگہ سے، جہاں اب اس نے پوری زندگی گزارنی ہے، دل لگانے کی کوشش نہ کرے بلکہ پرانے ماحول ہی کو آنکھوں میں بسائے رکھے اور اسی کی یادوں کا چراغ دل کے طاقوں میں فروزاں رکھے۔ اب ماحول بھی نیا ہے، لوگ بھی نئے ہیں، ان کی تمنائیں اور خواہشیں بھی، جوئی نوپلی دلہن سے وابستہ ہیں، نئی ہیں۔ اب کامیابی کا گراور راز یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس ماحول میں ڈھالے، بشرطیکہ وہ شریعت سے متجاوز نہ ہو، انکی آرزوں اور تمنائوں پر پورا اترنے کی کوشش کرے۔

ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے چند اہم نصیحتیں

ماں باپ کی شفقت اور پیار اولاد کو ہر صورت میں حاصل رہتا ہے، اولاد فرماں بردار ہوتی ہے اور نافرمان ہوتی بھی۔ لیکن نئے گھر میں ماں باپ کی جگہ ساس، سسر ہیں اور بہن بھائیوں کی جگہ خاوند اور اس کے بھائی (دیور، جیٹھ) اور بہنیں (نندیں) ہیں، یہ سب اجنبی ہیں ان کو اپنا بنانے اور ان کی محبت حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ خوش اخلاقی، خوش زبانی اور خوش اطواری کو اختیار اور محنت اور امور خانہ داری میں پوری دلچسپی کو شعاع بنایا جائے۔ اس کے بغیر پیار محبت اور آرام و راحت کا وہ ماحول جو اس کو اس کے آبائی گھر میں حاصل تھا، یہاں میسر نہیں آسکتا۔ اور اگر ایسا ہوا تو اس کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں تصور نہ ماں باپ کا ہوگا جنہوں نے دیکھ بھال کر اپنی بچی کے لیے نئے گھر کا انتخاب کیا تھا اور نہ نئے گھر والوں کا جو بڑے چاؤ اور ارمانوں کے ساتھ اس کو بیاہ کر اپنے گھر لائے تھے۔ سارا تصور اس کا اپنا ہوگا جس نے نئی زندگی اور نئے ماحول کے تقاضوں کو نہیں سمجھا اور حسن اخلاق و حسن کردار کا مظاہرہ کرنے سے بھی قاصر رہی اور محنت شعاری کو بھی اختیار کرنے سے گریز کیا جب کہ یہی دو خوبیاں عورت کی عظمت کو چار چاند لگانے والی ہیں۔

ان تمام باتوں کی تفصیل آئندہ صفحات میں ”حقوق مردان“ اور ”حقوق نسواں“ اور ”متفرقات“ کے عنوانات سے ملاحظہ فرمائیں۔

حقوق نسواں

یعنی

بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی تفصیل اور اس کی بابت مرد کی ذمہ داریاں

حسرت کے ساتھ معاشرت کی تاکید

اسلام نے عورت کے ساتھ حسن سلوک کی بھی بڑی تاکید کی ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں معاشرت بالمعروف کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [النساء]

”تم ان کے ساتھ اچھے طریقے سے گزر بسر کرو۔“

جس کا مطلب، عورت کے حقوق کی صحیح ادائیگی، اس کی ضروریات زندگی (نان و نفقہ، لباس) کی فراہمی اور اپنے وسائل کے مطابق اسے ہر طرح کی آسانی اور سہولتیں بہم پہنچانا ہے۔ اس سلسلے کی متعدد احادیث اس سے قبل ”مرد اور عورت دونوں کی خدمات کا دائرہ کار“ عنوان کے تحت بیان ہو چکی ہیں۔ یہاں چند احادیث اور ملاحظہ فرمائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿وَأَسْتَوْضُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلْعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلْعِ أَعْلَاهُ، إِنْ ذَهَبَتْ نُفَيْمُهُ كَسَبَتْهُ وَإِنْ بَرَكَتْهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ اسْتَوْضُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا﴾

”عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو، اس لیے کہ عورت کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ اس کا بالائی حصہ ہے، اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ بیٹھو گے (لیکن سیدھا نہیں کر سکو گے حتیٰ کہ معاملہ طلاق تک پہنچ جائے گا) اور اگر تم اسے چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھا ہی رہے گا (یعنی عورت کی فطری کجی کبھی ختم نہیں ہوگی، اس لیے اس کو برداشت کرتے ہوئے) اس کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔ (اس کے ساتھ باہ کرنے کا صرف یہی طریقہ ہے)۔“

رسول اللہ ﷺ کو عورتوں کے حقوق کی اتنی فکر تھی کہ حجۃ الوداع کے خطبے میں بھی آپ

نے اس کی تاکید فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

«أَلَا وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٍ عِنْدَكُمْ لَيْسَ لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِثْلُكُمْ مِثْلَهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذَلِكَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ، فَإِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ، وَاصْرَبُوهُنَّ صَرْبًا غَيْرَ مُبْرَحٍ، فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا، أَلَا إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا، فَأَمَّا حَقُّكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ فَلَا يُؤْطِقَنَّ فُرْشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُونَ وَلَا يَأْذَنَنَّ فِي بَيْتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُونَ، أَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُخْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ» ﴿۱﴾

”سنو! تم عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو، بلاشبہ وہ تمہارے پاس قیدی ہیں (تم ہی ان کے سب کچھ ہو اور وہ تمہارے رحم و کرم پر ہیں) اس کے علاوہ تم ان کی کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے۔ ہاں اگر وہ کھلی بے حیائی (بدرزبانی و بدسلوکی) کا ارتکاب کریں تو تم ان سے بستروں میں علیحدگی اختیار کر لو اور ان کو اس طرح ہلکی مارو جس سے ان کو شدید ضرب نہ آئے۔ اگر (اس حکمت عملی سے وہ ٹھیک ہو جائیں) تمہاری باتیں مان لیں تو تم ان کے لیے کوئی اور راستہ نہ ڈھونڈو (طلاق نہ دو)۔ یاد رکھو! تمہارے لیے تمہاری عورتوں پر حق ہیں اور اسی طرح تمہاری عورتوں کے لیے تم پر حق ہیں۔ تمہارا حق عورتوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر ایسے لوگوں کو نہ آنے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور تمہارے گھروں میں ان کو اذن باریابی نہ دیں جن کو تم اچھا نہیں سمجھتے۔ سنو! اور ان عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کے لباس اور خوراک میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو (اس میں کوتاہی نہ کرو)۔“

یہ ارشاد مبارک بھی بڑا جامع ہے اور اس میں ازواجی زندگی میں پیش آنے والے نشیب و فراز کے بارے میں بڑی مفید ہدایات دی گئی ہیں جن پر اگر میاں بیوی

جامع الترمذی: أبواب الرضاع، باب ما جاء في حق المرأة على زوجها، حديث، 1163

صدق دل سے عمل کریں تو پیدا ہونے والی پیچیدگیاں آسانی سے سلجھ سکتی ہیں اور اخلاق و کردار کی کوتاہیوں کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ ازدواجی زندگی کو خوش گوار بنانے کا یہی اصول ہے کہ دونوں میاں بیوی اولاً ایک دوسرے کے حقوق صحیح طریقے سے ادا کریں تاکہ کوئی ناخوشگوار مرحلہ ہی نہ آئے لیکن کسی کی کوتاہی سے اگر ایسا مرحلہ آ ہی جائے تو مذکورہ فرمانِ رسول میں بتلائی ہوئی حکمت عملی کو بروئے کار لا کر اس کا ازالہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔

معاملات میں زیادہ بگاڑ، جس سے گھرا جڑ جاتے ہیں، اسی وقت آتا ہے کہ جب چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کرنے یا ان کو مناسب حکمت عملی سے سلجھانے کے بجائے، سخت اور نامناسب رویہ اختیار کیا جائے اور ان کو بڑھایا جائے۔ اس سے ایک چنگاری شعلہ بن جاتی ہے اور گھر بھسم ہو کر رہ جاتا ہے۔

بگاڑ کا ایک اور سبب مرد کا قوت برداشت اور صبر و دانائی سے کام لینے کے بجائے جلد بازی اور اپنی حاکمیت و قوامیت کا بے اعتدالی سے استعمال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر قوام بنایا ہے، اس قوامیت کا تقاضا ہے کہ وہ صنفِ نازک کی فطری کمزوری اور کجی کو حکمت و دانائی سے برداشت کرے نہ کہ کمزور کے مقابلے میں اپنی قوت کا مظاہرہ کرے۔ اس قوت مردانگی کا بے جا استعمال بھی اکثر گھروں کے آرام و سکون کو برباد کر دیتا ہے۔ مذکورہ احادیث میں مرد کو یہی نکتہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ عورت کے مقابلے میں اللہ نے مرد کو عقل و شعور اور جسمانی قوت زیادہ عطا کی ہے، اس اعتبار سے گھر کو آباد رکھنے میں اس کی ذمہ داری بھی زیادہ ہے، اس کو ہر وقت حکمت و دانائی اور صبر و تحمل سے کام لینا چاہیے۔ جو مردان حق آگاہ اس نکتے کو سمجھ لیتے ہیں، وہ عورت میں موجود اس کی خوبیوں کی قدر کرتے اور کمزوریوں اور کوتاہیوں کو برداشت کرتے ہیں، نتیجتاً ان کی ازدواجی زندگی پرسکون گزرتی اور گھر جنت کا نمونہ بنا رہتا ہے اور جو مرد اس کے برعکس رویہ اختیار کرتے اور عورت کی خوبیوں کو نظر انداز کر کے اس کی فطری کجی (بیڑھی پھلی) کو سیدھا کرنے کی ناکام سعی کرتے ہیں، وہ اپنا گھر اجاڑ بیٹھتے ہیں۔

حسن معاشرت کے لیے چھ درجہ اصول

عورت کے ساتھ حسن معاشرت کی جو تاکید ہے، وہ کچھ اہل صفحات میں آپ نے پڑھ لی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر وہ رہنما اصول بھی بیان کر دیے جائیں جن پر عمل کرنے سے حسن معاشرت کا اہتمام آسانی سے ہو سکتا ہے اور اس کے تقاضے پورے کیے جاسکتے ہیں۔ یہ رہنما اصول حسب ذیل ہیں، یہ دراصل مرد کے ذمے وہ حقوق ہیں جو اس پر عورت کی طرف سے عائد ہوتے ہیں، ان حقوق کی پوری رعایت اور ادائیگی سے حسن معاشرت کے تقاضے پورے ہو جاتے ہیں۔

لیجیے! ملاحظہ فرمائیے۔

① حق مہر کی ادائیگی

سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ پوری خوش دلی سے حق مہر ادا کیا جائے، اس میں قطعاً نہ کوتاہی کی جائے اور نہ اس میں بلا وجہ تاخیر۔ تاہم عورت رضامندی سے اپنا یہ حق مہر معاف کر دے تو بات اور ہے، عورت ایسا کر سکتی ہے لیکن بلا جبر و اکراہ، اپنی رضامندی سے۔ اگر عورت یہ ایسا کرے تو مرد سے یہ ذمے داری ساقط ہو جائے گی۔

﴿وَأْتُوا النِّسَاءَ صِدْقَ مَهْرِنَّ فَإِنْ طَبِنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُنَّ فَكُلُوا مِمَّا كَسَبْنَ﴾
[النساء: ۴]

”اور تم عورتوں کے حق مہر خوشی سے ادا کرو، اگر وہ خوشی سے اس میں سے کچھ معاف کر دیں تو تم اسے چٹا چٹا کھا لو۔“

2) خوبیوں پر نظر رکھی جائے۔

ضروری نہیں کہ ہر مرد کو اس کی پسند اور خواہش کے مطابق بیوی مل جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو سبحان اللہ۔ اللہ کا شکر ادا کرے۔ بصورت دیگر اس پر نہ گھٹن محسوس کرے اور نہ اس سے نفرت و کراہت کا اظہار۔ بلکہ نوشتہ تقدیر سمجھ کر اسے برداشت کرے اور اس کے حقوق ادا کرے، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اسی میں اس کے لیے بہتری کا سامان پیدا کر دے، اس سے اللہ تعالیٰ اولاد صالح عطا فرمادے جو اس کے لیے دین و دنیا کی سعادت کا باعث بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَعَلَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ﴾ [البقرة: ۱۷۷]

”ہو سکتا ہے جس چیز کو تم ناپسند کرو، وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔“

اور نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

”کوئی مومن مرد کسی مومنہ عورت (بیوی) سے بغض، دلی نفرت، نہ رکھے، اگر اس

کے اندر کوئی ناپسندیدہ چیز ہے تو کوئی دوسری چیز پسندیدہ بھی ہوگی۔“ (۱)

مطلب یہ ہے کہ ہر انسان میں اچھائی اور برائی دونوں ہی ہوتی ہیں۔ اس لیے نباہ کا طریقہ یہی ہے کہ برائیوں کو نظر انداز کر کے اچھائیوں (خوبیوں) پر نظر رکھی جائے۔ انسان کو اپنے والدین، اولاد، بہن بھائیوں کے معاملے میں بھی یہی اصول اپنانا پڑتا ہے، اس کے بغیر چارہ نہیں، ورنہ انسان کا مذکورہ رشتوں کا نبھانا بھی ناممکن ہو جائے۔

بیوی کے لیے بھی اسی اصول کو سامنے رکھا جائے تو بیوی کے ساتھ، اس کی بعض ناپسندیدہ باتوں کے باوجود نباہ آسان ہو جاتا ہے اور اس صبر و ضبط کے صلے میں اس کو اللہ تعالیٰ دین و دنیا کی بہت سی سعادتوں سے بھی نواز دیتا ہے۔

﴿3﴾ کسی بھی اختلاف کو انا اور وقار کا مسئلہ نہ بنایا جائے ﴿﴾

گھریلو معاملات میں، رشتے داروں کے معاملات میں، حتیٰ کہ اپنے ہی بچوں کے معاملات میں میاں بیوی کے درمیان اختلاف ہوتا رہتا ہے اور خانگی زندگی اکثر و بیشتر اسی طرح گزرتی ہے، الا ماشاء اللہ۔ اگر کسی وقت یہ اختلاف شدت اختیار کر جائے تو مرد کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل اور درگزر سے کام لے اور کسی بھی اختلاف یا مسئلے کو اپنی انا اور وقار کا مسئلہ نہ بنائے۔ انا اور وقار کا مسئلہ بنالینے سے وہ اختلاف ختم یا کم نہیں ہوتا بلکہ اس کی شدت و وسعت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور بہت سی خرابیوں اور مسائل کا باعث بن جاتا ہے۔ اور اگر اپنی انا کو دبا کر افہام و تفہیم اور تواضع سے کام لیا جائے تو بڑے سے بڑا اختلاف بھی ختم یا کم ہو جاتا ہے اور کوئی درمیانی راستہ اختیار کرنے سے اتفاق رائے پیدا ہو جاتا ہے۔

﴿4﴾ بیویوں کو بھی اختلاف رائے اور مشورے کا حق دیں ﴿﴾

بعض مرد نہایت خود پسند ہوتے ہیں، وہ کسی کو بھی اختلاف رائے کا حق دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور کسی سے مشورہ لینے کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے۔ ایسے لوگ اپنے آپ ہی کو عقل کل سمجھتے اور بیوی کی رائے کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ ہر معاملے میں اپنی من مانی کرتے اور گھر میں ڈکٹیٹر شپ (آمریت) نافذ کرتے ہیں۔

یہ ردیہ بھی خوش گوار ماحول کے منافی ہے جب کہ گھریلو زندگی کی خوش گواری کے لیے ماحول کی خوش گواری نہایت ضروری ہے اور ایسا تب ہی ہو سکتا ہے کہ مرد بیوی کو زندگی کا دوسرا پہیہ سمجھے، جیسا کہ وہ واقعتاً ہے، اور ہر اہم معاملے میں اس کو اعتماد میں لے کر فیصلہ

کرے اور اس سے مشاورت کا اہتمام کرے، اس کے دلائل سنے اور اپنے دلائل اس کو سنائے، اس طرح زیر بحث مسئلے کے سارے پہلو سامنے آجائیں گے جس کی روشنی میں بہتر فیصلہ کرنا آسان ہو جائے گا۔

اس سلسلے میں ذیل کی حدیث سے ہمیں کافی رہنمائی ملتی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اللہ کی قسم! ہم زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت وہ احکام نازل فرمائے جو (اسلام نے عورتوں کی بابت دیے۔) اور ان کو بہت سی رعایتیں دیں (جس سے ان کے اندر اعتماد اور گھریلو معاملات میں اختلاف رائے کا شعور پیدا ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) ایک مرتبہ میں اپنی بیوی کو کسی بات کا حکم دے رہا تھا کہ (اس نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا) اگر آپ یہ کام اس اس طرح کر لیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ میں نے اس سے کہا: تجھے میرے معاملے میں دخل دینے کا کیا حق ہے؟ اور میرے حکم سے سرتابی کیوں کرتی ہے؟ اس نے مجھ سے کہا: ابن خطاب! آپ پر مجھے تعجب ہے، آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی بات پر بحث و تکرار نہ کی جائے، حالانکہ آپ کی بیٹی (ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث و تکرار کرتی ہے جس کی وجہ سے (بعض دفعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سارا دن اس سے ناراض رہتے ہیں۔“¹

اسلام نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور لطف و کرم کا معاملہ کرنے کا جو حکم دیا ہے، اس کے نتیجے میں مسلمان عورت کے اندر جو شعور اور اعتماد پیدا ہوا، جس پر خود

¹ صحیح البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب ہتھنی مرضاة أزواجك، حدیث: 4913

رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی ازواجِ مطہرات کے معاملے میں عمل کیا، اس کی ایک جھلک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ عورت کو اہمیت نہ دینا اور استبداد رائے کا مظاہرہ کرنا یکسر غلط اور حسن معاشرت اور اسوۂ رسول کے خلاف ہے۔

(5) کسبِ معاش، یعنی سرمائے کی فراہمی مرد کی ذمے داری ہے ﴿﴾

اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت، دونوں کو الگ الگ مقاصد کے لیے تخلیق کیا ہے اور اسی مقصدِ تخلیق کے تحت دونوں کو جسمانی، ذہنی اور دماغی صلاحیتیں بھی ایک دوسرے سے مختلف عطا کی ہیں۔ پھر اس کے مطابق دونوں کا دائرہ کار بھی متعین فرما دیا ہے۔ عورت کا دائرہ کار گھر کی چار دیواری ہے جہاں وہ خانگی امور (کھانے پکانے، صفائی دھلائی وغیرہ) بچوں کی دیکھ بھال، ان کی تربیت و نگرانی، گھر کی حفاظت اور خاوند کے مال کی حفاظت اور خاوند کی خدمت وغیرہ کی ذمے دار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو صلاحیتیں بھی ایسی ہی دی ہیں کہ وہ یہ سارے امور نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دے لیتی ہے۔

اسی لیے اس کو حکم ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ [الأحزاب: 33]

”تم اپنے گھروں میں ٹک کر رہو۔“

مرد کا دائرہ کار بیرون در، یعنی گھر سے باہر کے امور ہیں، گھریلو نظام چلانے اور ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کے لیے معاشی جدوجہد اس کی ذمے داری ہے، وہ تجارت کرے، کھیتی باڑی کرے، ملازمت کرے، گھر کا سودا سلف لائے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سارے امور اسی کے ذمے ہیں۔

اللہ نے مرد کی قومیت کی ایک وجہ اس کا کسب معاش کا ذمے دار ہونا بتلائی ہے اور دوسری وجہ جو وہی، یعنی اللہ کی عطا کردہ ہے، وہ عورت کے مقابلے میں اس کا عقلی و دماغی صلاحیتوں میں عورت سے ممتاز ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے:

﴿الَّذِينَ جَاءُوا مَوْتًا قَوْمًا عَلَى التَّسَاءُرِ يَمَّا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَمَا آتَفَقُوا مِنْ أَمْرِ الْهَيْمَةِ﴾ [النساء: 34]

”مرد عورت پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے مال خرچ کئے ہیں۔“
میں اسی نکتے کو بیان فرمایا ہے۔

ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: ہم میں سے کسی شخص کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿أَنْ تُطْعَمَهَا إِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَا تُضْرَبَ الْوَجْهَ، وَلَا تُقْبَحَ وَلَا تُهْجَرَ إِلَّا فِي الْبَيْتِ﴾^①

”جب تو کھائے، اسے بھی کھلا، جب تو پہنے، اسے بھی پہنا، اس کے چہرے پر نہ مار، نہ اسے برا بھلا کہہ اور اس سے علیحدگی اختیار کرنی پڑے تو گھر کے اندر ہی کر (نہ اس کو گھر سے نکال اور نہ خود گھر سے نکل۔“

ایک اور حدیث میں بیوی بچوں پر خرچ کرنے کو زیادہ اجر و ثواب کا باعث قرار دیا۔
فرمایا:

﴿دَيْنَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَدَيْنَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي رِقَبَةٍ، وَدَيْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهِ عَلَى مَسْكِينٍ، وَدَيْنَارٌ أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ أَغْظَمَهَا أَجْرًا الَّذِي أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ﴾^②

① سنن أبي داود: كتاب النكاح، باب في حق الزوج على المرأة، حديث: 2142، وشرح السنه: (180/9)

② صحيح مسلم: كتاب الزكاة، باب فضل النفقة على العيال والمملوك، حديث: 995

”ایک دینار وہ ہے جسے تو نے جہاد پر خرچ کیا، ایک دینار وہ ہے جسے تو نے کسی غلام کی آزادی پر خرچ کیا، ایک دینار وہ ہے جسے تو نے کسی مسکین پر صدقہ کیا، ایک دینار وہ ہے جو تو نے اپنے بیوی بچوں پر خرچ کیا، ان سب میں سے زیادہ اجر کا باعث وہ دینار ہے جو تو نے اپنے بیوی بچوں پر خرچ کیا۔“

ایک دوسری حدیث میں اہل و عیال پر خرچ کردہ دینار کو ”افضل دینار“ قرار دیا۔

فرمایا:

﴿أَفْضَلُ دِينَارٍ يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ، دِينَارًا يُنْفِقُهُ عَلَى عِيَالِهِ﴾¹

”سب سے افضل دینار، جو آدمی خرچ کرے، وہ دینار ہے جو وہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے۔“

انسان اگر اس نیت سے کمائے کہ میں نے وہ فریضہ ادا کرنا ہے جو اللہ نے مجھ پر بیوی بچوں کے نان نفقہ کے بارے میں عائد کیا ہے اور اس میں صرف حلال ذرائع ہی اختیار کرے، تو اس کا یہ کمانا اور اہل و عیال کو کھلانا سب صدقہ (نیکی ہی نیکی) بن جاتا ہے۔

﴿إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا أَنْفَقَ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةً، وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا، كَانَتْ لَهُ صَدَقَةً﴾²

”مسلمان جب ثواب کی نیت سے اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرتا ہے تو وہ سب صدقہ (نیکی) بن جاتا ہے۔“

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بیوی بچوں کی کفالت کی ساری ذمے داری مرد کی ہے عورت اس سے یکسر فارغ ہے۔ اس لیے کسی مرد کو بھی اپنی بیوی کو ملازمت اور محنت مزدوری کے لیے مجبور نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ نے اس کو گھر کی ملکہ بنایا ہے، اس کے اس اعزاز کو برقرار رکھا جائے، لوگوں کی ناز برداری کروا کر یا افسروں کا حاشیہ بردار بنا کر اس

¹ صحیح مسلم: کتاب الزکاة، باب فضل النفقة على العیال والمملوك، حلی حدیث: 994

² صحیح مسلم: کتاب الزکاة، باب فضل النفقة والصدقة على الأقرین، حلی حدیث: 1002

کی بے توقیری نہ کی جائے اور نہ اس کو گھر سے نکال کر اس کی عصمت و تقدس کو خطرے میں ڈالا جائے۔

عورت کی عزت جس طرح گھر کے اندر رہنے میں ہے، اسی طرح مرد کی عزت گھر سے باہر نکل کر کسب معاش کے لیے محنت و جدوجہد کرنے میں ہے۔

جو مرد دکھنوں بن کر گھر میں بیٹھے رہتے ہیں یا دوستوں کے ساتھ گپ شپ ہی کو مقصد زندگی بنائے رکھتے ہیں اور اہل و عیال کے نان نفقہ کی ذمہ داری سے غافل رہتے ہیں جس کی وجہ سے مجبوراً عورت کو اپنا اور بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے درد کی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں یا پھر اپنے میکے کے سہارے زندگی گزارنے پر مجبور ہوتی ہے، ظاہر بات ہے ایسے مردوں کا رویہ حسن معاشرت کے یکسر منافی ہے۔ حسن معاشرت کا تقاضا یہ ہے کہ مرد بہ رضا و رغبت اپنی بیوی بچوں کی کفالت کی ذمہ داری بہ طریق احسن ادا کرے۔

﴿6﴾ خراج میں اعتدال اور میانہ روی ضروری ہے ﴿﴾

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اخراجات کے معاملے میں اسلام کی اعتدال پر مبنی تعلیمات کی طرف بھی کچھ اشارہ کر دیا جائے کیونکہ ہمارے معاشرے میں ہر معاملے میں افراط و تفریط کا سلسلہ عام ہے۔ معاشیات اور مالیات میں بھی یہ افراط و تفریط اکثر و بیشتر دیکھنے میں آتی ہے۔ کہیں اسراف و تبذیر ہے تو کہیں کنجوسی اور بخل کی انتہا۔ اسلام میں یہ دونوں رویے ناپسندیدہ ہیں۔

بیوی بچوں کے نان و نفقے پر کس طرح خرچ کیا جائے، اس کے لیے اسلام نے کسی حد کا تعین نہیں کیا ہے بلکہ انصاف پر مبنی ایک نہایت اہم اصول یہ بیان فرمایا ہے:

﴿لِيُنْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قَدِرْ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ﴾ [الطلاق 7]

”خوش حال آدمی اپنی خوش حالی کے مطابق (بیوی بچوں پر) خرچ کرے اور جسے رزق کم دیا گیا ہو، وہ اس مال میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔“
دوسرا اصول یہ بیان فرمایا ہے:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ [الأعراف: 31]
”کھاؤ پھو اور اسراف فضول خرچی نہ کرو، بلاشبہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔“

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَلَا تُبَدِّلْ تَمْذِيرًا ۗ إِنَّ الْمُبْتَدِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۗ﴾ [سورة بنی اسرائیل 26، 27]
”فضول خرچی مت کر، یقیناً فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بہت ہی ناشکرا ہے۔“

قرآن نے فضول خرچی کے لیے اسراف اور تبذیر دو لفظ استعمال کیے ہیں۔ دونوں لفظ ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے پر بولے جاتے ہیں اس لیے دونوں کے معنی فضول خرچی کے کیے جاتے ہیں۔ بعض اس میں فرق کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

اسراف کے معنی ہیں، حد سے نکل جانا۔ اس لیے ہر چیز میں حد سے نکل جانا اسراف ہے۔ کھانے پینے، یعنی ضروریات زندگی پوری کرنے میں حد سے تجاوز کرنا بھی اسراف ناپسندیدہ ہے۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا وَابْتَسُوا وَتَصَدَّقُوا فِي غَيْرِ اسْرَافٍ وَلَا تَجِلَّةٍ﴾

”کھاؤ، پھو، پہنو اور صدقہ کرو۔ البتہ دو باتوں سے گریز کرو، اسراف اور تکبر سے۔“
صدقے میں تو اسراف پسندیدہ ہونا چاہیے کیونکہ اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنا مطلوب ہے، لیکن اس حدیث میں صدقے میں بھی اسراف سے روکا گیا ہے۔ اس کا

• صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب قول الله تعالى: قل من حرم زينة الله التي اخرج لعباده. قبل الحديث: 5783

مطلب یہ ہے کہ جن کی آمدنی تھوڑی ہے، وہ صاحب حیثیت نہیں ہیں۔ ان کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ پہلے اپنے اہل و عیال کی ضروریات پر خرچ کریں، اس کے بعد دیگر مددات خیر پر خرچ کریں اور وہ بھی اتنی مقدار میں جس سے نفقات واجبہ متاثر نہ ہوں۔ ایسے لوگوں کے لیے حکم ہے کہ وہ صدقہ بھی اپنی مالی پوزیشن کے مطابق ایک حد تک ہی کریں، اس سے تجاوز نہ کریں۔ ورنہ اصحاب حیثیت کے لیے تو اجازت ہے کہ وہ جتنا چاہیں اللہ کی راہ میں خرچ کر سکتے ہیں بلکہ ان کو تو خوب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم ہے۔

اور تیزی کے معنی، ناجائز امور میں خرچ کرنا ہیں، چاہے تھوڑا ہی ہو۔ بہر حال جائز امور میں بھی فضول خرچی کی اجازت نہیں ہے۔ جب کہ ناجائز امور میں تو خرچ کرنے کی قطعاً اجازت ہی نہیں ہے۔

فضول خرچی سے ممانعت، افراط کی ممانعت ہے جو ہمارے معاشرے میں زندگی کے ہر شعبے میں عام ہے بلکہ یہ افراط (فضول خرچی) ہمارا قومی شعار بن چکی ہے۔

اس کے مقابلے میں تفریط (کوٹاہی) ہے یعنی ضرورت کے مطابق بھی خرچ نہ کرنا بلکہ تنگ دلی، کنجوسی اور بخل کا مظاہرہ کرنا۔ بعض لوگ اس مرض میں بھی مبتلا ہوتے ہیں اور اس کا مظاہرہ وہ اپنے اہل و عیال کے معاملے میں بھی کرتے ہیں۔ بیوی کو پورا خرچ نہ دینا، ایک ایک پائی کا اس سے حساب لینا۔ یا گھریلو سامان خود لا کر دینا تو وہ پورا لا کر نہ دینا۔ یا بیوی کو حسب ضرورت کچھ خریدنے کے لیے جیب خرچ بھی مہیا نہ کرنا، اخراجات کے معاملے میں بیوی پر اعتماد نہ کرنا اور معمولی معمولی اخراجات کے لیے بھی اس کا خاوند کے رحم و کرم کا محتاج ہونا، وغیرہ۔ یہ ساری صورتیں بخل اور کنجوسی کی ہیں جو نا پسندیدہ ہیں۔

ایسے خاوندوں کی بیویاں جب میکے (کچھ دنوں کے لیے اپنے والدین کے ہاں) جاتی ہیں تو بالکل خالی ہاتھ جاتی ہیں، خاوند ان کو جیب خرچ دینا بھی گوارا نہیں کرتے۔ وہ والدین کے ہاں معمولی معمولی ضروریات کے لیے بھی والدین ہی سے رقم لینے پر مجبور ہوتی ہیں۔ والدین کے ہاں ان کی حیثیت مہمان کی ہوتی ہے اور والدین حتی الامکان حسب استطاعت اپنی مہمان بیٹیوں اور نواسے نواسیوں کی مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے حتیٰ کہ بچوں کی ضروریات کے لیے بھی کچھ خرچ کرنا پڑے تو وہ دریغ نہیں کرتے۔ لیکن ایسے خاوندوں کو سوچنا چاہیے کہ ان کا یہ رویہ اخلاقاً اور شرعاً صحیح ہے؟ آخر شادی کے بعد بیوی بچوں کے نان و نفقہ کا مکمل ذمے دار خاوند ہے۔ اس کی بیوی چند دنوں کے لیے ماں باپ کے پاس جائے تو بلاشبہ اس کو کھلانا پلانا تو مہمان نوازی کا ایک حصہ ہے اور ماں باپ یہ فریضہ نہایت خوش دلی سے ادا کرتے ہیں۔ لیکن کیا بیوی کو یا بچوں کو دوائی کی ضرورت ہو، یا بچوں کے بعض اضافی اخراجات ہوں۔ کیا ان کے لیے بھی رقم مہیا کرنا والدین کی ذمے داری ہے؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ اس کا ذمے دار خاوند ہے۔ اگر وہ بیوی کو خالی ہاتھ میکے چھوڑ کر جاتا ہے تو یقیناً وہ کنجوسی اور بخیلی کے علاوہ بد اخلاقی کا بھی مظاہرہ کرتا ہے اور اپنے سسرال پر وہ ناروا بوجھ ڈالتا ہے جس کے ذمے دار وہ نہیں ہیں، بلکہ خاوند ہے، گو وہ خاموشی سے اضافی خرچ بھی پورا کر دیں لیکن خاوند کی یہ کنجوسی اور بد اخلاقی ان کے لیے بارخاطر ضرور بنتی ہے اور بیوی کے لیے بھی شرمندگی کا باعث، اگر بیوی حساس اور سمجھ دار ہو۔

بہر حال بعض لوگوں کا یہ رویہ کنجوسی اور بخیلی کی انتہا ہے جو حسن معاشرت، حسن اخلاق کے منافی اور شریعت سے متجاوز ہے۔

اسلام میں ان دونوں انتہاؤں کے درمیان کفایت شعاری کی تلقین ہے۔ شریعت اسلامیہ میں نہ اسراف پسندیدہ ہے اور نہ کنجوسی اور بخیلی۔ بلکہ وہ ان دونوں کے درمیان اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ فضول خرچی کے مقابلے میں جزیسی اور کفایت شعاری کو پسند کرتا ہے لیکن کفایت شعاری کا مطلب بخل نہیں، بلکہ حد سے تجاوز نہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولًا إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۗ﴾

”اور نہ رکھو تو اپنا ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ بندھا ہوا اور نہ اسے کھول دے بالکل

کھول دینا، کہ تو بیٹھ رہے ملامت کیا ہوا، تھکا ماندہ۔“ [بنی اسرائیل 29:17]

اس آیت کی تفسیر ”احسن البیان“ میں درج ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

”اس میں انفاق (خرچ کرنے) کا ادب بیان کیا جا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان نہ بخل کرے کہ اپنی اور اپنے اہل عیال کی ضروریات پر بھی خرچ نہ کرے اور دیگر مالی حقوق واجبہ بھی ادا نہ کرے۔ اور نہ فضول خرچی ہی کرے کہ اپنی وسعت اور گنجائش دیکھے بغیر ہی بے دریغ خرچ کرتا رہے۔ بخل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان ملوم یعنی قابل ملامت و مذمت قرار پائے گا اور فضول خرچی کے نتیجے میں محسور (تھکا ماندہ اور پچھتاتے والا)۔

محسور، اسے کہتے ہیں جو چلنے سے عاجز آچکا ہو، فضول خرچی کرنے والا بھی بالآخر خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔

اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ۔ یہ کنایہ ہے بخل سے۔ اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے۔ یہ کنایہ ہے فضول خرچی سے۔“^❶

❶ تفسیر احسن البیان، مذکورہ آیت۔

7) بیوی کے لیے مناسب تفریحی مواقع فراہم کرنا ﴿﴾

بیوی کے ساتھ خوش طبعی اور اس کی تفریحِ طبع کے مواقع پیدا کرنا، یہ بھی حسن معاشرت کا ایک حصہ ہے۔ لیکن اس کا سروسامان بھی شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے ہی کرنا ہے نہ کہ اس سے تجاوز کر کے، نیز اپنی وسعت کے مطابق نہ کہ اس سے بڑھ کر، جس سے وہ خودیہ بار ہو جائے۔

جیسے آج کل ٹی وی ڈراموں، فلموں اور تھیٹر کے نقش مزاحیہ ڈراموں کو تفریح کا سامان سمجھا جاتا ہے، اس کے لیے گھروں میں ٹی وی، وی سی آر اور کیبل اور نیٹ وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے یا سینماؤں یا تھیٹر ہالوں (الحمراء وغیرہ) کا رخ کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ سب شیطانی تفریح ہے کیونکہ ان میں قدم قدم پر شریعت سے تجاوز ہے، ان میں ہیجان انگیز جنسی مناظر اور حرکات سے شہوانی جذبات کو بھڑکایا جاتا ہے، فحاشی و عریانی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور مرد و زن کا بے باکانہ اختلاط ہوتا ہے اور اس طرح کی متعدد قباحتوں اور غیر شرعی حرکتوں کا وہاں ارتکاب ہوتا ہے۔

شریعت کی نظر میں مذکورہ چیزیں ”تفریحِ طبع“ کا نہیں، خباث و کثافت اور شیطنت کی مظہر ہیں، ان سے بے حیائی، فحاشی اور مغرب کی حیا باختمہ تہذیب کا فروغ ہو رہا ہے۔ اس لیے ان کا گھروں میں رکھنا جرمِ عظیم ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دنیا و آخرت میں شدید وعید بیان فرمائی ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ يُحْيِيهِمْ وَأَنْ تَشِيخَ الْفَاحِشَةَ فِي الدِّينِ أَمِنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ [النور: 19]

”جو لوگ اہل ایمان میں بے حیائی پھیلنے کو پسند کرتے ہیں، ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔“

جب بے حیائی کے پھیلنے کو پسند کرنے والوں کے لئے اتنی سخت وعید ہے تو جو خود اپنے گھر والوں میں اس کو پھیلانے کے ذمہ دار ہیں وہ کتنی سخت وعید کے مستحق ہونگے؟ اسی طرح دور دراز کی تفریحی مقامات پر بیوی بچوں کو لے جانا بھی ہر کسی کے بس کا کام نہیں۔ یہ تفریح صرف وہ لوگ برداشت کر سکتے ہیں جن کے پاس وسائل کی فراوانی ہے، ایسے لوگ بیوی بچوں سمیت ایسے مقامات پر جا سکتے ہیں اور وہاں شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے وہاں کے حسین قدرتی مناظر اور روح افروز شادابی سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ اور جو وسائل فراوان سے محروم ہیں، وہ مقامی باغات اور تفریح گاہوں میں حسب ضرورت جا سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اور بھی جو مناسب تفریح کے مواقع اور طریقے ہیں، انہیں اختیار کیا جاسکتا ہے جس کے بعض نمونے ہمیں اسوۂ رسول میں بھی ملتے ہیں۔ جیسے رسول اللہ ﷺ کی خوش مزاجی اور خوش طبعی کی ایک مثال یہ ملتی ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں (رسول اللہ ﷺ کو کچھ تنہائی میسر آئی تو) آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کیا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

”رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک یا خیبر سے واپس تشریف لائے تو میرے طلحے کے آگے پردہ پڑا ہوا تھا، ہوا چلی تو اس نے پردے کا ایک حصہ ظاہر کر دیا جس سے (طلحے میں پڑے ہوئے) میرے کھلونے اور گڑیاں نظر آنے لگیں، آپ نے پوچھا: عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے کہا: یہ میری گڑیاں ہیں۔ آپ نے ان میں کپڑے کا ایک گھوڑا بھی دیکھا جس کے دو پر تھے، آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے جو میں ان کے درمیان دیکھ رہا ہوں؟ میں نے کہا: یہ گھوڑا ہے۔ آپ نے پوچھا: ”اور اس کے اوپر کیا ہے؟“ میں نے کہا: اس کے دو پر ہیں۔ آپ نے کہا: ”کیا گھوڑے کے بھی پر ہوتے ہیں؟“ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ نے سنا نہیں کہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پر تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ اس قدر ہنسے کہ میں نے آپ کی ڈاڑھیں دیکھیں۔^①

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چونکہ صغیر السن (کم سن) تھیں، اس لیے چھوٹی عمر کی بچیوں میں کھلونوں کے ساتھ (بالخصوص گڑے، گڑیاؤں کے ساتھ) جو رغبت ہوتی ہے، وہ محتاج بیان نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اندر بھی یہ رغبت اور شوق تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کے مزاج و طبیعت کے مطابق ان کھلونوں پر کبھی کوئی اعتراض نہیں فرمایا اور ان کو ان کے ساتھ کھیلنے اور گھر میں رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ نیز محلے کی بچیاں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ کر کھیلا کرتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا، خصوصاً عید اور خوشی کے موقع پر، اور وہ آ کر قومی گیت بھی گایا کرتی تھیں۔^②

اس سے معلوم ہوا کہ بیوی کے مزاج و مذاق کے مطابق تفریح کی اشیاء بیوی کی دلجوئی اور دل داری کے لیے گھر میں رکھی جاسکتی ہیں بشرطیکہ شریعت میں ان کی اجازت ہو۔

دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ بچیاں اپنے ہاتھوں سے کھیل کود کے طور پر کپڑے کی جو گڑیاں بناتی ہیں، وہ جائز ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے منع نہیں فرمایا۔

البتہ آج کل جو مشینی گڑیاں (پلاسٹک وغیرہ کی) نکل آئی ہیں۔ جن میں سے بعض میں میوزک بھی لگا ہوتا ہے۔ نیز ان سے چھوٹے بچے کھیلتے ہی نہیں، بلکہ ان کو شوپیس کے طور پر شوکیسوں میں بطور سجاوٹ کے بھی رکھا جاتا ہے، ان کا جواز محل نظر ہے کیونکہ ہاتھ کی بنی ہوئی بے ہنگم سری گڑیاں اور مشینی گڑیاں، ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، اول الذکر کے جواز سے ثانی الذکر کا جواز ثابت نہیں ہو سکتا، نہ ایک کو دوسرے پر قیاس ہی کیا جاسکتا ہے۔

① سنن أبي داود: كتاب الأدب، باب في اللعب بالبنات حديث: 4932

② صحيح البخاري: كتاب الصلاة، باب الحراب والدرق يوم العيد، حديث: 499

اسی طرح خوشی کے موقع پر چھوٹی بچیاں ایسے گیت بھی گاسکتی ہیں جن میں آباء و اجداد کی خدمات اور کارناموں کا تذکرہ ہو۔ کم سن (صغیر السن) بیویوں میں کھیل کود کی جو رغبت ہوتی ہے، اس کا ایک اور واقعہ احادیث میں ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ذوق اور شوق کی کس طرح رعایت فرمائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”عید کا دن تھا، حبشی مسجد نبوی میں (ایک جنگی سکنہ بازی (کھیل، کرتب) اور نیزہ بازی کر رہے تھے، آپ نے مجھ سے پوچھا: تو اس کھیل کو دیکھنا پسند کرتی ہے؟“ میں نے کہا: ہاں۔ پس آپ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا، میرا رخسار آپ کے رخسار پر تھا (کیونکہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پیچھے سے کاندھوں پر اٹھایا ہوا تھا) اور آپ کرتب بازوں کو فرماتے تھے۔

(دُونَكُمْ يَا بَنِي أُمَّيَّةَ)

”شاباش، اے بنو امیہ (یہ حبشیوں کا لقب ہے)۔“

(دُونَكُمْ، کلمہ ترغیب ہے، یعنی آپ ان کو بلا شیری دیتے تھے کہ کھیلو، خوب کھیلو)۔

یہاں تک کہ جب میں تھک گئی، تو پوچھا: ”بس“ میں نے کہا: ہاں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے اس طرز عمل کے جب تک میں خود نہیں تھک گئی آپ نے مجھے اپنی چادر سے پردہ کیے ہوئے اپنے کاندھے پر اٹھائے رکھا اور اپنے کھیل کود دیکھنے کے شوق پر اس طرح تبصرہ فرمایا:

(فَأَقْرُؤُوا فَلَنَرَّ الْجَارِيَةَ الْحَدِيثَةَ التَّيْنَ الْحَرِيصَةَ عَلَى اللَّهْوِ) ①

”تم اس نو عمر لڑکی کا اندازہ کرو جو کھیل کود دیکھنے کی اتنی شوقین ہے۔“

① صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب نظر المرأة إلى الحبش وموم من غير رية، حلیف، 454.950-5236

اس واقعے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر بیوی کم سن ہو تو خاندان کو خاص طور پر اس کی دل داری اور دل جوئی کا اور اس کی دلچسپی کے سامان کا اہتمام کرنا چاہیے۔
 اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مردوں کے ایسے کھیل، جن کا جواز شریعت نے تسلیم کیا ہے، ان کا دیکھنا عورتوں کے لیے جائز ہے، بشرطیکہ پردے کے تقاضے مجروح نہ ہوں۔
 آج کل کرکٹ، ہاکی وغیرہ، جن کے بڑے بڑے میچ اور مقابلے ہوتے ہیں اور پوری قوم کو ان کو دیکھنے کا بخار چڑھا ہوتا اور ان کے نتیجے کا نہایت بے چینی سے انتظار ہوتا ہے، یہ کھیل سراسر ناجائز ہیں جن میں بے پناہ قومی وسائل ضائع کیے جاتے ہیں اور وقت کا ضیاع الگ۔ ان کا نہ کھیلنا جائز ہے اور نہ دیکھنا، سننا۔ نہ مردوں کے لیے اور نہ عورتوں کے لیے۔

اسلام میں صرف وہ کھیل جائز ہیں جن میں جنگی تربیت کا سامان ہو، جیسے گھوڑوں کا مقابلہ، نیزہ بازی، وغیرہ۔ انھی کھیلوں میں ایک کھیل بیوی کے ساتھ ملاعبت ہے یعنی اس کے ساتھ دل لگی اور ہر لطف ہنس مذاق، جس سے معاشرتی زندگی میں حسن اور خوش گواری پیدا ہو۔
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی زبان مبارک سے اہلیہ کے ساتھ حسن معاشرت کی تمثیل

صحیح بخاری میں گیارہ عورتوں کا ایک واقعہ بیان ہوا ہے کہ وہ ایک جگہ جمع تھیں، انھوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا: ہر عورت اپنے اپنے خاندان کی صحیح تفصیل بیان کرے کہ وہ اخلاق و کردار کا کیسا ہے اور بیوی کے ساتھ اس کا رویہ کیسا ہے؟ تو ہر عورت نے اپنے اپنے خاندان کی بابت نہایت مختصر سے تفصیل بیان کی، ان میں ایک عورت ام زرع تھی، اس نے اپنے خاندان بوزرع کی بابت جو وضاحت کی اس میں اس کے خاندان اور اس کے بچوں وغیرہ کا کردار سب سے بہتر تھا، نبی ﷺ نے سب کی تفصیلات سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: «كُنْتُ لِكِ كَأْبِي زَرْعٍ لِأَمِّ زَرْعٍ»^۱
 ”میں تیرے لیے ایسا خاندان ہوں جیسے ام بوزرع ام زرع کے لیے تھا۔“

صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب حسن المعاشرة مع الأهل، حدیث: 5189

⑧ بیوی کے ساتھ ظلم و زیادتی کا معاملہ نہ کرے ﴿﴾

عورت خلقی اور جسمانی اعتبار سے مرد سے کمزور ہے، اسی لیے اسے صنف نازک سے تعبیر کیا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک مرتبہ قواریر (آگینے) قرار دیا ہے۔^❶ آگینہ (شیشہ) بھی نہایت نازک ہوتا ہے۔

مرد اس کے مقابلے میں قوی الجسہ بھی ہے اور زیادہ ذہنی و دماغی صلاحیتوں کا حامل بھی۔ اسی لیے گھر کی توأمیت (حاکمیت) اسی کو عطا کی گئی ہے کیونکہ حاکمیت کے لیے قوت و طاقت بھی ضروری ہے اور ذہنی و دماغی صلاحیتوں کی فراوانی بھی۔ لیکن اس طاقت کا مطلب، کمزوروں پر دست درازی کرنا نہیں ہے بلکہ صبر و ضبط کا مظاہرہ اور رحم و کرم کا معاملہ کرنا ہے۔

مردوں کی ایک معتد بہ تعداد اپنی اس خداداد طاقت کا غلط استعمال کرتی اور عورتوں پر ظلم و زیادتی کا ارتکاب کرتی ہے حالانکہ ظلم و زیادتی کا ارتکاب حسن معاشرت کے منافی ہے جب کہ حکم بیوی کے ساتھ حسن معاشرت (اچھا سلوک کرنے) کا ہے۔
ظلم کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً:

❶ اس کے نان و نفقہ، یعنی ضروریات زندگی مہیا کرنے میں کوتاہی کرنا۔

❷ اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے عورت پر ناروا پابندیاں لگانا، جیسے تو اپنے میکے نہیں جاسکتی، فلاں سے میل ملاپ نہیں رکھ سکتی، اس طرح کی دیگر پابندیاں جن کا شرعاً جواز نہ ہو۔

❶ صحیح البخاری کتاب الأدب، باب ما یجوز من الشعر والرجل والحداء وما یکره منه، حدیث: 6149

● لڑکیوں کی مسلسل پیدائش پر، جس میں مرد کی طرح وہ بھی بے اختیار ہے، طلاق کی دھمکی دینا، یا اس کو اچھا نہ سمجھنا، اس کی بے عزتی کرنا، وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ لڑکے یا لڑکیاں دینا، یہ مکمل طور پر اللہ کے اختیار میں ہے، کسی انسان کی خواہش یا کوشش کا اس میں دخل نہیں۔ اس کے باوجود صرف عورت ہی کو اس کا ذمے دار ٹھہرا کر اس کو طعن و تشنیع کا اور ظلم و زیادتی کا ہدف (نشانہ) بنانا حماقت بھی ہے اور ظلم کا ارتکاب بھی۔

● ایک ظلم یہ بھی ہے کہ مرد بعض دفعہ ناراض ہو کر بیوی سے بول چال بند کر دیتا ہے، یا اس سے جنسی تعلق قائم نہیں کرتا، یا اس کے اور بعض حقوق ادا نہیں کرتا، یا اس کی بابت قسم کھا لیتا ہے۔ ظاہر بات ہے ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے خاوند کی یہ بے رخی یا بائیکاٹ عورت کے لیے ناقابل برداشت ہے، شریعت اس ظلم کی کس طرح اجازت دے سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿لِّلَّذِينَ يُؤَلُّونَ مِنْ نِّسَابِهِمْ تَرِئُصٌ أَوْ بَعَةٌ آسُفٌ ۚ فَإِنْ قَامُوا قَانَ اللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝﴾

”جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لیتے ہیں، ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے، اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے اور اگر وہ طلاق کا عزم کر لیں تو اللہ بہت سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔“ (البقرہ: 226، 227)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں قطع تعلق کی زیادہ سے زیادہ مدت کا تعین فرما دیا ہے، اور وہ چار مہینے ہے، اس کے اندر اندر وہ اپنا تعلق بحال کر لے ورنہ اس کے بعد اس کو طلاق دینی ہوگی۔ اس آیت کی تفسیر حسب ذیل ہے:

”ایلاء“ کے معنی قسم کھانے کے ہیں، یعنی کوئی شوہر اگر قسم کھالے کہ میں اپنی بیوی

سے ایک مہینہ یا دو مہینے (مثال کے طور پر) تعلق نہیں رکھوں گا۔ پھر قسم کی مدت پوری کر کے تعلق قائم کر لیتا ہے تو کوئی کفارہ نہیں۔ ہاں اگر مدت پوری ہونے سے قبل تعلق قائم کرے گا تو کفارہ قسم ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر چار مہینے سے زیادہ مدت کے لیے یا مدت کے تعین کے بغیر قسم کھاتا ہے تو اس آیت میں ایسے لوگوں کے لیے مدت کا تعین کر دیا گیا ہے کہ وہ چار مہینے گزرنے کے بعد یا تو بیوی سے تعلق قائم کر لیں یا پھر اسے طلاق دے دیں۔ (اسے چار مہینے سے زیادہ معلق رکھنے کی اجازت نہیں ہے) پہلی صورت میں (تعلق قائم کرنے) میں اسے کفارہ قسم ادا کرنا ہوگا۔ اگر دونوں میں سے کوئی صورت اختیار نہیں کرے گا تو عدالت اس کو دونوں میں سے کسی ایک بات کو اختیار کرنے پر مجبور کرے گی کہ اس سے تعلق قائم کرے یا طلاق دے۔ تاکہ عورت پر ظلم نہ ہو۔“

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام میں عورت کے ساتھ کسی بھی قسم کا بائیکاٹ کر کے اس کو ذہنی اذیت میں مبتلا کرنے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ یہ عورت پر ظلم ہے۔ اگر غصے یا ناراضی میں خاوند ایسی کوئی بات کر بیٹھے تو اس کو زیادہ طول نہ دے بلکہ اس کو جلد از جلد ختم کر کے اپنا تعلق بحال کر لے، اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو ایک متعینہ مدت کے بعد بذریعہ عدالت عورت کو اس ظلم سے نجات دلوائی جائے گی۔

• ایک ظلم زمانہ جاہلیت میں عورتوں پر یہ کیا جاتا تھا کہ نہ ان کو صحیح طریقے سے آباد کیا جاتا تھا اور نہ طلاق دے کر ان کو آزاد کیا جاتا تھا، مرد عورت کو طلاق دیتا اور عدت گزرنے سے قبل رجوع کر لیتا، اور جس عورت کو تنگ کرنا اور اس کی زندگی کو اجیرن بنائے رکھنا مقصود ہوتا تو وہ عمر بھر اسی طرح طلاق دے دے کر رجوع کرتا رہتا۔

اسلام نے اس ظلم کا سدباب کرنے کے لیے ایسی طلاق کی، جس کے بعد عدت کے اندر رجوع جائز ہے، تعداد مقرر فرمادی کہ وہ صرف دو مرتبہ ہے۔ ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ﴾ [البقرة: 228] یعنی زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ طلاق دے کر (عدت کے اندر) رجوع کیا جاسکتا ہے، دو مرتبہ حق طلاق استعمال کرنے کے بعد تیسری مرتبہ طلاق دی جائے گی تو رجوع اور صلح کا حق ختم، اور ہمیشہ کے لیے جدائی، ”حتی تعکح زوجا غیرہ“

دوسری نصیحت مسلمانوں کو یہ فرمائی گئی کہ طلاق دینے کے بعد اگر رجوع اور صلح کی ضرورت ہو (جس کا اللہ نے دو مرتبہ موقع عطا فرمایا ہے) تو اس رجوع کا مقصد عورت کو تنگ کرنا، اس کو نقصان پہنچانا اور اس کے ساتھ زیادتی کرنا نہ ہو بلکہ خوش اسلوبی کے ساتھ اس کو آباد کرنا ہو۔

﴿وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ حِزًّا اِذَّاتَّعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا﴾ [البقرة: 231]

”(طلاق دینے کے بعد عدت گزرنے سے قبل اگر تم ان کو روکو یعنی صلح کر لو) تو تم ان کو نقصان پہنچانے کے لیے نہ روکو تا کہ تم ان سے زیادتی کرو اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ یقیناً اپنے آپ ہی پر ظلم کرے گا اور تم اللہ کی آیتوں کو ہنسی مذاق نہ بناؤ“

کتنی سخت وعید ہے کہ ایسے مردوں کے لیے جو طلاق دے کر رجوع تو کر لیں لیکن بیوی کے حقوق ادا نہ کریں اور ان کے ساتھ ظلم و زیادتی کا رویہ جاری رکھیں۔ یہ ان کا اپنے نفس پر بھی ظلم ہے (کہ اس کو اللہ کے عذاب کا مستحق بنا رہے ہیں)۔ اور اللہ کے احکام کے ساتھ استہزاء و مذاق بھی ہے اور اس پر بھی وہ اللہ کی سزا کے مستوجب قرار پاسکتے ہیں۔

9) عدل و انصاف کی تاکید

حسن معاشرت کے تقاضے عدل و انصاف کے اہتمام کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے۔ اور اس کی دو موقعوں پر خاص طور پر بڑی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک جب کہ مشترکہ خاندان (جو انٹ فیملی سسٹم) میں رہائش ہو۔ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ دوسرے بہن بھائی، ان کی اولاد اور والدین سب ایک ہی مکان میں رہتے ہوں۔ وہاں بہن بھائیوں اور والدین کے حقوق کے ساتھ اپنی بیوی کا حق اس طرح ادا کرنا کہ نہ اس کے ساتھ کوئی زیادتی ہو اور نہ بہن بھائیوں اور والدین کو یہ شکایت ہو کہ ان کے حقوق میں کوتاہی ہو رہی ہے۔

ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا: ہم میں سے کسی شخص کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ أَوْ اكْتَسَبْتَ، وَلَا تُضْرِبَ
الْوَجْهَ، وَلَا تَقْبِضَ، وَلَا تَهْجُرَ إِلَّا فِي الْبَيْتِ» ❶

”جب تو کھائے، اسے کھلا، جب تو پہنے اسے پہنا، اس کے چہرے پر نہ مار، اسے برا بھلا نہ کہہ اور اس سے علیحدگی اختیار کرنی پڑے تو گھر کے اندر ہی کر۔“

اس حدیث پر صحیح معنوں میں عمل کرنا ہے، چاہے میاں بیوی علیحدہ ایک مکان میں رہتے ہوں یا مشترکہ خاندان کی صورت میں ایک مکان میں۔ دونوں صورتوں میں سب کے حقوق کے ساتھ بیوی کے ساتھ بھی حسن سلوک کے تقاضے مکمل طور پر ادا کرے۔

ہمارے معاشرے میں فیملی جو انٹ سسٹم میں بھادج مندوں اور ساس بہو کا مسئلہ بڑا

❶ سنن أبي داود: كتاب النكاح، باب في حق المرأة على زوجها، حديث، 2142

گھمبیر ہے لیکن اگر بیوی سنگھڑ یعنی سلیقہ مند ہو اور وہ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت کے اصول کو اپنائے رکھے، اسی طرح گھر کے بڑے بھی بہو کو بیٹی والا پیار اور شفقت دیں، نندیں اس کو اپنی بہن والی حیثیت دیں۔ نیز خاوند بھی نہایت سوجھ بوجھ اور حکمت عملی کے ساتھ سب کو اپنے مقام پر رکھتے ہوئے سب کے حقوق کا خیال رکھے، نہ بڑوں کے کہنے پر بیوی کے حقوق میں کوتاہی کرے اور نہ بیوی کی محبت میں والدین کے ادب و احترام یا ان کے حقوق میں کوتاہی کرے، تو وہ گھر روایتی جھگڑوں سے محفوظ اور جنت نظیر بن جاتا ہے اور ایسا تب ہی ہوتا ہے جب خاوند سمیت چھوٹے بڑے سب حسن معاشرت (اچھے رویے) کا اہتمام کریں۔

دوسرا اہم موقع عدل و انصاف کرنے کا وہ ہے جب ایک شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں، دو ہوں یا تین یا چار۔ ایسی صورت میں خاوند کے لیے عدل و انصاف کرنا پل صراط سے گزرنے کی طرح نہایت مشکل ہوتا ہے۔

لیکن شریعت نے جہاں کسی معقول ضرورت کی وجہ سے ایک سے زیادہ چار بیویوں تک کی اجازت دی ہے (نہ کہ حکم) وہاں دوسری طرف ان کے درمیان عدل و انصاف اور مساوات کا بھی بڑی سختی کے ساتھ حکم دیا ہے، بصورت دیگر ایک ہی بیوی پر قناعت کرنے کی تاکید کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَسْمِيْنَ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَعْنَى
وَلَيْتَ وَرُبِحَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾ [النساء: 3]
”اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کے ساتھ
گزارا کرو۔“

گو یا ایک سے زیادہ بیوی کی اجازت مشروط ہے عدل و انصاف کے ساتھ۔ اگر یہ شرط پوری نہیں کر سکتے تو دوسری عورت سے نکاح کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔

ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ظاہر بات ہے کہ فطری طور پر خاوند کا ولی میلان کسی ایک کی طرف زیادہ ہوگا، یہ دل کا معاملہ ہے جس پر کسی کا اختیار نہیں ہے، لیکن کسی ایک بیوی کی محبت کا دل میں زیادہ ہونا یہ قابل گرفت ہے نہ عدل کے خلاف، بشرطیکہ یہ زیادہ محبت اس کو عدل و انصاف کے تقاضوں سے نہ روکے۔

عدل و انصاف اور مساوات کے حکم کی رو سے خاوند تمام بیویوں کے ساتھ لباس، خوراک اور دیگر ضروریات زندگی میں ان کے درمیان امتیاز نہیں کرتا، سب کے ساتھ یکساں سلوک کرتا اور سب کو ایک سی سہولتیں مہیا کرتا ہے۔ اسی طرح میاں بیوی کے خصوصی تعلقات کی ادائیگی میں بھی مساوات کا اہتمام کرتا ہے۔ سب کے پاس باری باری جاتا ہے، کسی کی باری پر اس کو محروم کر کے دوسری کے پاس نہیں جاتا۔ اس کے اس ظاہری انصاف سے عدل و مساوات کے وہ تقاضے یقیناً پورے ہو جاتے ہیں۔ جو شرعاً مطلوب ہیں، چاہے اس کے دل میں کسی ایک بیوی کی محبت زیادہ ہی ہو۔ لیکن محبت کی اس زیادتی نے اس کو دوسری بیوی یا بیویوں کی حق تلفی پر مجبور نہیں کیا تو پھر یہ زیادتی محبت عند اللہ مذموم نہیں ہوگی کیونکہ یہ دل کا معاملہ ہے اور دل میں سب بیویوں کی محبت یکساں نہیں ہو سکتی، تو جو چیز انسان کے اختیار سے باہر ہو، اس پر عند اللہ مواخذہ نہیں ہوگا۔ نبی ﷺ کو بھی اپنی تمام ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ پیار تھا، اس لئے آپ نے اگرچہ باریاں بھی مقرر فرما رکھی تھیں (جس کی آپ پوری پابندی فرماتے تھے۔) اور عدل کا بھی پورا اہتمام فرماتے تھے؛ لیکن چونکہ دل میں محبت ایک بیوی کی زیادہ تھی، اس لیے

آپ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

«اللَّهُمَّ هَذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ، فَلَا تَلْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ»^①
 ”یا اللہ! جن چیزوں میں میرا اختیار ہے، ان میں میں نے یہ باریاں مقرر کر رکھی
 ہیں۔ پس تو مجھے اس چیز پر ملامت نہ کرنا جس پر تیرا ہی اختیار ہے، میں اس میں
 بے اختیار ہوں۔“

زیادہ بیویوں والے خاوند کے لیے خطرناک امر جو ہے، وہ یہ ہے کہ کسی ایک بیوی کی
 محبت، دوسری بیویوں کی حق تلفی کا باعث بن جائے اور وہ دوسری بیوی یا بیویوں کو معلقہ بنا
 کر رکھ دے، نہ ان کو طلاق دے کر آزاد کرے اور نہ ان کے حقوق ادا کرے۔

اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی زیادہ بیویاں رکھنے والوں کو تنبیہ فرمائی ہے:
 ﴿وَلَنْ نَسْطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ
 فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ [النساء: 129]

”اور تم سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ تم اپنی بیویوں میں ہر طرح سے عدل کرو، خواہ تم
 اس کی کتنی ہی خواہش رکھو، لہذا تم کسی ایک ہی کی طرف پوری طرح مائل نہ ہو جاؤ
 کہ دوسری کو بیچ میں لگتی چھوڑ دو۔“

بہر حال عورت کے ساتھ ظلم اور نا انصافی کی کسی صورت میں اجازت نہیں ہے۔ ایک
 بیوی ہوتی بھی، ایک سے زیادہ ہوتی بھی۔ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا ایک بہت بڑی
 آزمائش ہے، بہتر ہے آدمی اس آزمائش میں نہ پڑے۔ اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے
 دوسری بیوی ناگزیر ہو تو اس رخصت سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ لیکن اس شرعی رخصت
 سے صرف دنیوی فائدہ ہی نہ اٹھائے، آخرت کی باز پرس کا بھی خیال رکھے جہاں وہی

① سنن أبي داود، كتاب النكاح، باب في القسم بين النساء، حديث: 2134

شخص سرخ رو ہوگا جو عدل و انصاف کا اہتمام کرنے والا ہوگا۔

10) خانگی امور میں تعاون

حسن معاشرت کا ایک پہلو یہ بھی کہ مرد حسب ضرورت گھریلو امور میں بھی عورت کا ہاتھ بٹائے اور اس باہمی تعاون کو اپنے مردانہ وقار اور شان کے خلاف نہ سمجھے۔ اس سے بھی ازدواجی زندگی میں خوش گواری آئے گی۔

نبی ﷺ کی بابت آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت اسود رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

«مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَضْنَعُ فِي بَيْتِهِ؟»

”نبی ﷺ اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

«كَانَ يَكُونُ فِي مَنَّةِ أَهْلِهِ - تَعْنِي خِدْمَةَ أَهْلِهِ - فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ»¹

”آپ گھر والوں کی خدمت میں (گھریلو امور میں تعاون) کیا کرتے تھے۔ (اس دوران میں) اگر نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔“

حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی شرح میں شمائل ترمذی کے حوالے سے یہ حدیث

نقل کی ہے، یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«مَا كَانَ إِلَّا يَشْتَرِي مِنَ الْبَشَرِ، يَغْلِبُ ثَوْبَهُ، وَيَغْلِبُ شَاتَهُ، وَيَغْلِبُ نَفْسَهُ، وَيَلْحَقُ وَابِنِ جِبَانٍ مِنْ رِوَايَةِ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ (يَحْنِطُ ثَوْبَهُ، وَيَخْلِصُ نَفْلَهُ)»²

”آپ انسانوں میں سے ایک انسان ہی تھے، اپنے کپڑوں سے جوئیں خود ہی دیکھ لیتے، اپنی بکری کا دودھ دودھ لیتے، اپنا کام خود کر لیتے، اپنا کپڑا اسی لیتے اور

¹ صحیح البخاری: کتاب الصلاة باب من كان في حاجة أهله فأقيمت الصلاة لم يخرج حديث، 878

² فتح الباري: (2/212، 211) طبع دارالسلام

اپنی جوتی بھی گانٹھ لیتے تھے۔“

یعنی ہر کام اہلیہ ہی کے سپرد نہ کرتے، بلکہ چھوٹے موٹے کام خود بھی کر لیتے اور اس کو اپنی شان کے خلاف نہ سمجھتے، جیسے آج کل کے مردوں کا شیوہ ہے۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہمارے پیغمبر اتنی عظمت و شان کے باوجود بہت سے گھریلو امور خود ہی انجام دے لیا کرتے تھے اور اس میں کسر شان نہیں سمجھتے تھے، تو آپ کے مقابلے میں ہماری کیا حیثیت ہے؟ اس اسوۂ رسول کو اپنانے میں، جس میں معاشرتی زندگی کا حسن پیدا ہوتا ہے، ہم کیوں اپنی توہین محسوس کرتے ہیں؟

﴿11﴾ محبت کا بھرپور اظہار

حسن معاشرت کا ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ جس طرح عورت کو یہ تاکید حکم ہے کہ مرد اس کو جب بھی اپنے پاس (خلوت میں) بلائے، وہ جس حالت میں بھی ہو، اس کی تعمیل کرے تاکہ مرد ادھر ادھر منہ نہ مارتا پھرے۔ اسی طرح مرد کی بھی ذمے داری ہے کہ وہ عورت کے ساتھ بھرپور محبت کا اظہار کرے۔ عورت کے اندر فطری طور پر شرم و حیا کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے، سوائے چند شہوت زدہ عورتوں کے۔ اس لیے وہ جنسی جذبات کی تسکین کے لیے بہت کم مرد کے سامنے پہل کرتی ہے۔ عموماً مرد ہی پہل کرتا اور اس کو اس کام کے لیے بلاتا اور آمادہ کرتا ہے۔

اس لیے مرد کی ذمے داری ہے کہ وہ بیوی کے ساتھ از خود بھرپور محبت کا اظہار کرے تاکہ اس کے اندر کوئی تنگی نہ رہے اور وہ کسی اور کی طرف دیکھنے پر مجبور نہ ہو۔ اس کے لیے اس کو دو طریقے اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

① اس کے ساتھ ہنسی مذاق اور دل لگی کے ذریعے سے اس کی دلجوئی و دل داری کا اہتمام کرتا رہے (جیسے نبی ﷺ کو موقع ملتا تو عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کرتے، ان کو حبشیوں کے جنگلی کرتب دکھا کر ان کی تفریح طبع کا سامان کرتے، ان کو گزٹیوں اور چھوٹی بچیوں کے ساتھ کھیلنے کا موقع فراہم کرتے، وغیرہ وغیرہ)۔

اسی لیے ایک حدیث میں بھی نبی ﷺ نے بیوی کے ساتھ ہنسی مذاق کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَ اللَّهْوِ إِلَّا تَلَاثٌ، تَأْدِيبُ الرَّجُلِ فَرَسَهُ، وَمَلَاعِبَتُهُ أَهْلَهُ وَزَمِيئَهُ بِقَوْسِهِ»^①
 ”کھیل تین ہی ہیں۔ انسان کا اپنے گھوڑے کو سدھانا (جنگ کے لیے تیار کرنا)
 دوسرا، اس کا اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا، (ہنسی مذاق اور دل لگی کرنا) تیسرا، اس کا
 اپنے تیرکمان سے تیر پھینکنے کی مشق کرنا۔“

ان میں سے دو کھیلوں کا تعلق تو جنگی تیاریوں سے ہے جس سے مقصود مسلمانوں کو ہمہ وقت جہاد کے لیے تیار رکھنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس قسم کے با مقصد کھیلوں کے علاوہ دوسرے تمام کھیل ناجائز ہیں کیونکہ ان میں وقت کا بھی ضیاع ہے اور وسائل کا بھی ضیاع۔ البتہ ان کے علاوہ بیوی کے ساتھ ہنسی مذاق کو بھی ایک جائز کھیل تسلیم کیا گیا ہے کیونکہ اس کا بھی ایک نہایت اہم فائدہ ہے اور وہ ہے گھریلو زندگی کا خوش گوار ہونا، اس لیے شریعت نے اس کی بھی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے شیئہ (شوہر دیدہ عورت، مطلقہ یا بیوہ) کے مقابلے میں کنواری عورت سے شادی کرنے کی ترغیب دی ہے اور اس کی وجہ بھی یہ بیان فرمائی ہے

① سنن أبي داود: كتاب الجهاد، باب في الرمي، حديث: 2513

کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کھیلیں یعنی آپس میں دل لگی کریں اور ایک دوسرے سے وابستگی کا بھرپور اظہار کریں۔ ایک بیوہ کے ساتھ مرد اس طرح وابستگی کا اظہار نہیں کر سکتا جس طرح کنواری کے ساتھ کرتا ہے اور خود بیوہ بھی مرد کو اس طرح ٹوٹ کر نہیں چاہتی جیسے کنواری عورت سے متوقع ہوتا ہے۔

② دوسرا طریقہ یہ ہے کہ عملی طور پر از خود بیوی سے اظہار محبت مختلف چیزوں سے کرتا رہے، اس کا انتظار نہ کرے کہ بیوی کی طرف سے اظہار ہو۔ جیسے نبی ﷺ بعض دفعہ وضو کی حالت میں بھی اپنی اہلیہ محترمہ کا بوسہ لے لیا کرتے تھے اور پھر نماز کے لیے تشریف لے جاتے، حتیٰ کہ روزے کی حالت میں بھی بوسہ لے لیتے، اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کو اپنے جذبات پر پورا کنٹرول حاصل تھا، یعنی آپ نے دوسروں کو متنبہ فرمایا کہ بلاشبہ روزے کی حالت میں بیوی سے بوس و کنار کی اجازت ہے کیونکہ نبی ﷺ سے ایسا کرنا ثابت ہے، لیکن یہ عمل نوجوانوں کے لیے اور ایسے لوگوں کے لیے جن کو اپنے جذبات پر پورا کنٹرول نہ ہو، خطرناک بھی ہو سکتا ہے اور وہ جذبات کی رو میں بوسے کی حد سے تجاوز کر کے وہ کام کر بیٹھیں جس کا کفارہ دو مہینے کے روزے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

تاہم عام حالات میں عام لوگوں کے لیے روزے کی حالت کے علاوہ دیگر حالات اور اوقات میں اظہار محبت اور تعلق خصوصی کے لیے مواقع موجود ہیں، خود رمضان میں بھی رات کو ان تمام باتوں کی اجازت ہے جن کا تعلق میاں بیوی کی خلوت سے ہے۔ غالباً اسی لیے شریعت میں یہ بھی اجازت ہے کہ حالت جنابت میں سحری کھا کر روزہ رکھا جاسکتا ہے۔ البتہ پھر نماز فجر کے لیے غسل کرنا ضروری ہے اور اس پر آسانی سے عمل کیا جاسکتا

ہے۔ یہ رخصت اسی لیے ہے کہ رمضان المبارک کی راتوں میں تعلقات زن و شوہر قائم کرنے میں کسی قسم کی دقت نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ عبادت میں بھی ایسا غلو (زیادتی) ناپسندیدہ ہے جس سے عورت کی حق تلفی ہو اور وہ مقصد پورا نہ ہو جس کے لیے عورت سے نکاح کیا جاتا ہے، عورت ساری رات خاوند کی منتظر رہے اور میاں صاحب ساری رات نوافل اور عبادت میں گزار دیا کریں۔ حتیٰ کہ عورت دن کے اوقات میں اس بات کی خواہش مند ہو لیکن عابد و زاہد خاوند کا دن بھی نفلی روزے میں گزرے اور وہ اس کو مستقل معمول بنالے اور عورت کو گلہ دینے کا دن بنایا۔ اسلام میں ایسے زہد اور عبادت کی اجازت نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کا یہ واقعہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ زیادہ عبادت و زہد کے اسی شوق میں بیوی کا حق ادا نہیں کرتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے ان کو بلا کر پوچھا: کیا تم رات کو قیام کرتے ہو اور دن کو روزہ رکھتے ہو، کیا بات ایسے ہی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، ایسا ہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس طرح مت کرو، روزہ بھی رکھو اور روزہ چھوڑ بھی دیا کرو۔ رات کو قیام بھی کرو اور سو یا بھی کرو۔ اس لیے کہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔“^①

بہر حال حسن معاشرت کا ایک نہایت اہم تقاضا یہ بھی ہے کہ عورت کو دیگر آسائشیں اور راحتیں بہم پہنچانے کے ساتھ ساتھ اس کی جنسی آسودگی کا بھی مکمل اہتمام ہو۔ حتیٰ کہ اگر آدمی اس میں کمزوری محسوس کرے تو اس کے لیے ڈاکٹر یا حکیم کے مشورے سے مقویات

① صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لزوجك عليك حق، جلد ۱، ۵۱۹۹

بھی استعمال کرتا رہے تاکہ عورت کو اس معاملے میں بھی تشنگی اور نا آسودگی کا احساس نہ ہو۔

﴿12﴾ عورت ہر حیثیت سے قابل احترام ہے ﴿﴾

عورت کے ساتھ حسن معاشرت (اچھا برتاؤ کرنے) میں ان تصورات کو سامنے رکھا جائے اور ان کے مقتضیات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے جو اسلام نے عورت کی عزت و وقار کی بحالی کے لیے بیان کیے ہیں، تو ایک انسان عورت کے ساتھ بے رحمانہ، ظالمانہ اور سنگ دلانہ سلوک کا نہ تصور کر سکتا ہے اور نہ اس کو محض لذت اندوزی کا سامان سمجھ کر اسے اس کا اصل مقام دینے سے گریز کر سکتا ہے۔

اسلام میں عورت کی صرف چار حیثیتیں ہیں، وہ ماں ہے، بہن ہے، بیٹی ہے اور بیوی ہے۔ ان میں سے ہر حیثیت سے وہ نہایت قابل احترام ہے۔

ماں ہے تو باپ سے بھی زیادہ قابل احترام ہے اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے اس سوال پر کہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ وہ منہ "أَحَقُّ النَّاسِ بِحَسْنِ صَحَابَتِي" آپ نے فرمایا: "تمہاری ماں۔" اس نے سوال کیا، اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں، اس نے پھر پوچھا: اس کے بعد کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تمہاری ماں" اس نے پھر پوچھا: اس کے بعد کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تمہاری ماں" چوتھی مرتبہ سوال کرنے کے بعد فرمایا: "تمہارا باپ۔" ﴿1﴾

ماں، باپ سے بھی زیادہ حسن سلوک کی مستحق کیوں ہے؟

نبی ﷺ نے باپ کے مقابلے میں ماں کو تین مرتبہ سب سے زیادہ حسن سلوک کا مستحق

قرار دیا۔ اس کی توجیہ میں شارحین حدیث نے فرمایا ہے کہ ماں کے زیادہ استحقاق کی تین وجوہ ہیں۔

- ① نو مہینے تک حمل کی تکلیف برداشت کرنا۔
- ② وضع حمل (زچگی، ڈلیوری) کے مرحلے سے گزرنا جو عورت کے لیے موت و حیات کا ایک نہایت سنگین مرحلہ ہوتا ہے۔
- ③ پھر دو سال تک رضاعت (بچے کو دودھ پلانا) راتوں کو اس کے لیے اٹھنا اور اس کی ضروریات اور صفائی ستھرائی کا خیال رکھنا جب کہ وہ بول کر اپنی حاجت اور تکلیف بیان نہیں کر سکتا۔

ان تینوں مراحل کی جاں گداز تکلیفوں میں مرد کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، صرف ماں کا جذبہ شفقت، جسے ماما کہا جاتا ہے، اسے ان تکلیفوں کو برداشت کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور وہ ہنسی خوشی ان ذمے داریوں کو ادا کرتی ہے۔

بیوی گھر کی ملکہ اور گھر کی زینت ہے ﴿﴾

اللہ تعالیٰ نے عورت کے اندر فطری طور پر ایسے اوصاف رکھے ہیں، جو مردوں سے مختلف ہیں، ان اوصاف کی وجہ سے وہ مذکورہ تینوں مشقتیں برداشت کر لیتی ہے، مرد عورت سے زیادہ قوت و طاقت کا مالک ہے لیکن اس کے باوجود مذکورہ مشقتیں اس کے لیے ناقابل برداشت ہیں، اس لیے مرد کی سمجھ داری کا تقاضا ہے کہ وہ عورت کی ان مشقتوں پر ہمدردی سے غور کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو کبھی عورت کے ساتھ ظلم و زیادتی کا معاملہ نہیں کرے گا۔

وہ سمجھ لے گا کہ میری یہ بیوی میرے بچوں کی ماں ہے اور ماں ہونے کے ناطے سے وہ ان کی خاطر وہ تکلیفیں برداشت کر لیتی ہے جو میں نہیں کر سکتا۔ مزید برآں وہ میری خدمت گزار، میرے گھر کی محافظ، میری خواہشات کے خاکوں میں رنگ بھرنے والی اور مجھے سکون و راحت بہم پہنچانے والی ہے، میرے گھر کی ملکہ اور میرے گھر کی زینت ہے۔ اگر یہ میرے گھر سے نکل جائے تو گھر امن و سکون کا گہوارہ، مہر و محبت کا مرکز اور عزت و وقار کا سنگم نہیں رہے گا بلکہ ایک بے آب و گیاہ صحرا میں تبدیل ہو جائے گا جہاں کوئی روئیدگی، شادابی اور بہجت و نشاط کی فرحت انگیزیاں نہیں ہوں گی۔ ایک جہنم کدے میں تبدیل ہو جائے گا جہاں زندگی کی رونق اور چہل پہل کے بجائے ویرانی اور جھلسا دینے والی بادِ سموم کا ڈیرہ ہوگا۔

عورت، بیٹی اور بہن کی حیثیت سے ﴿﴾

بہر حال یہ گفتگو تو عورت کے ماں اور بیوی ہونے کی حیثیت سے تھی۔ لیکن جب وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں ہوتی ہے تو وہ ان کی بیٹی اور بھائیوں کی بہن ہوتی ہے اور ان دونوں حیثیتوں میں بھی وہ محترم ہوتی ہے اور احادیث میں ان دونوں کے پالنے اور ان کی تربیت کرنے کی بڑی فضیلت وارد ہے۔ بیٹی ماں باپ کی آنکھوں کا تارا اور دلوں کا دلارا ہوتی ہے، ماں باپ اسے شہزادیوں کی طرح ناز و نعمت سے پالتے اور اسے حسن تربیت سے آراستہ کرتے ہیں اور بہن کی حیثیت سے وہ بھائیوں کی مہر و محبت اور ہمدردیوں کا مرکز ہوتی ہے اور وہ اس کو ہر طرح کا آرام و سکون بہم پہنچانے میں والدین کے ہم دم و ہم راز ہوتے ہیں۔ بیوہ اور مطلقہ ہونے کی صورت میں بھی والدین یا بھائیوں کا گھر ہی اس کی

مابوسیوں میں امیدوں کا مرکز اور تاریکیوں میں روشنی کا منبع ہوتا ہے۔

مغرب میں عورت کی ذلت و خواری

اس کے برعکس مغرب میں عورت گرل فرینڈ ہے یا کسی افسر کی سٹیوگرافریا سیکرٹری، کسی دفتر کی کلرک ہے یا کسی کارخانے کی ورکر (مزدور) ریسپشن گرل (استقبال کرنے والی چھوکر ہے) یا ایئر ہوسٹس (فضائی میزبان، جہازوں کے مسافروں کی خدمت کرنے والی اور ان کے دلوں کو بھانے والی) یا ہسپتالوں میں مریضوں کی دیکھ بھال کرنے والی اور اپنے افسر ڈاکٹروں کی ناز برداری کرنے والی نرس۔ ہوٹلوں میں گاہکوں کو چائے اور شراب مہیا کرنے پر مامور اور ان کی نگاہ ہوس کا شکار بننے والی خادمہ۔ بلکہ بہت سے شراب خانوں میں ٹاپ لیس سرورس پر مجبور، جس میں عورت کو اپنے جسم کا بالائی حصہ عریاں رکھنا پڑتا ہے تاکہ ان کی عریانی سے مردوں کی ہوس کی تسکین ہو سکے۔

مغرب کی یہ عورت اول تو نکاح سے پہلے ہی مردوں سے جنسی تعلقات کے نتیجے میں بن بیاہی ماں بن جاتی ہے اور شادی کے بعد بھی یہ ڈانس کلبوں میں غیروں کی باہوں میں جھومتی اور جھولتی ہے۔ اس کو کبھی نہ گھر کی ملکہ کا اعزاز حاصل ہوتا ہے اور نہ معاشرے میں وہ عزت و مقام جو اسلام نے عورت کو عطا کیا ہے۔ اس کے لیے ذلت ہی ذلت ہے اور قدم قدم پر مردوں کی غلامی و محکومی، ایک شوہر کی غلامی، جس میں اس کا مکمل احترام ہے، اس کو قید لگتی ہے اور بے شمار ہوس زدہ مردوں کی غلامی، جس میں ذلت و خواری کے سوا کچھ نہیں، یہ ہے وہ آزادی نسواں جس کا مغرب علم بردار ہے۔

اسلام نے عورت کو ان تمام ذلتوں سے بچا کر مرد کو اس بات کا پابند بنایا ہے کہ اگر وہ

ماں ہے تو اس کی باپ سے بھی زیادہ خدمت کرو، بیٹی ہے تو ناز و نعمت سے اس کی پرورش کرو اور اس کی آرزوں اور خواہشوں کے مطابق اس کا جیون ساتھی تلاش کر کے اس کے ساتھ اس کا نکاح کر دو۔ بہن ہے تو اس کے ساتھ بھی بیٹیوں کی طرح حسن سلوک کرو اور بیوی ہے تو اس کو گھر کی ملکہ بنا کر رکھو اور اس کی تمام ضروریات گھر بیٹھے پوری کرو اور اس کے آرام و راحت کا ہر سامان مہیا کرو۔ اس کو اپنی کسی بھی ضرورت کے پورا کرنے کے لیے گھر سے باہر نکل کر کسی دفتر، کارخانے یا فیکٹری میں کام کرنے کی ضرورت ہے نہ اس کو اس کی شرعاً اجازت ہے۔ سوائے سخت مجبوری کے۔

﴿13﴾ عورت بھی بہ حیثیت انسان کے مرد کے برابر ہے ﴿﴾

عورت کے بارے میں اسلام سے قبل عرب کے لوگ ہی جاہلی تصورات نہیں رکھتے تھے جس کی بنا پر عرب معاشرے میں عورت عزت و وقار سے محروم تھی بلکہ عجم میں بھی عورت کی کوئی قدر و منزلت نہیں تھی، اس کو پیروں کی جوتی کے ساتھ تشبیہ دی جاتی تھی، یا کہا جاتا تھا کہ اس کو مردوں کی غلامی اور چاکری کے لیے پیدا کیا گیا ہے یا وہ شیطان کی ایک آلہ کار ہے جس سے شیطان انسانوں کو گمراہ کرنے کا کام لیتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اسلام نے ان تصورات کا خاتمہ کر کے اس کو عزت و وقار کا ایک نہایت اعلیٰ مقام عطا فرمایا اور اس کو بہ حیثیت انسان ہونے کے اس کی بعض امتیازی چیزوں سے قطع نظر مردوں کے مساوی قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَىٰ هُنَّ دَرَجَةٌ﴾ [البقرہ: 228]

”اور ان عورتوں کا (حق خاوندوں پر) اسی طرح ہے (جس طرح خاوندوں کا حق) ان عورتوں پر ہے اور ان مردوں کو ان پر کچھ فضیلت ہے۔“

یعنی بہ حیثیت انسان ہونے کے مرد اور عورت دونوں کے حقوق ایک جیسے ہیں جن کو پورے کرنے کے دونوں شرعاً پابند ہیں۔ نہ عورت، مرد کو انسانیت سے ماورا مقام کا حامل سمجھے کہ اس سے ایسے مطالبات کرے جن کا پورا کرنا انسانی طاقت سے بالا ہو اور نہ مرد عورت کو انسانی شرف و تکریم سے عاری مخلوق سمجھے کہ اس کے ساتھ جس طرح کا چاہے غیر انسانی سلوک کر کے اس کی عزت و وقار کو مجروح یا اس کے حقوق کو پامال کرے۔ دونوں کو شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے ہیں جو شریعت نے بتلائے ہیں۔ البتہ اس کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کو ملحوظ رکھا جائے کہ گھر کا نظام چلانے کے لیے مرد و عورت میں سے مرد کو قوام و حاکم اور عورت کو محکوم بنایا گیا ہے کیونکہ دونوں کو یکساں طور پر اگر حاکمیت کا حق دیا جاتا تو گھر کا نظام چل ہی نہیں سکتا تھا، جیسے ایک ملک میں ایک کے بجائے دو حکمران مساوی طور پر با اختیار ہوں تو نظم مملکت قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ نظم ایک ہی با اختیار حکمران کے ذریعے ہی قائم رہ سکتا ہے۔ اسی قوامیت میں یہ بھی شامل ہے کہ مرد فطری قوتوں میں، جہاد کی اجازت میں، میراث کے دوگنا ہونے میں اور حق طلاق و رجوع (وغیرہ) میں عورت سے ممتاز ہے۔ یہی ایک گونہ وہ فضیلت ہے جو اللہ نے مرد کو عطا کی ہے جس کو قرآن کریم میں ”وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهَا دَرَجَةٌ“ میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ ایک گونہ فضیلت یا امتیاز چونکہ ناگزیر تھا اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَكْفُرُوا بِاللَّهِ بِهِ بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ وَاللَّهُ بَاطِنٌ لِّمَن يَخْتَفِي﴾ [النساء: 32]

”اور اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، مردوں کا اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں

کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو انھوں نے کمایا اور اللہ سے اس کا فضل مانگو۔“
اس آیت کی شان نزول میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مرد جہاد میں حصہ لیتے ہیں اور شہادت پاتے ہیں، ہم عورتیں ان فضیلت والے کاموں سے محروم ہیں، ہماری میراث بھی مردوں سے نصف ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔^❶

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے جو جسمانی قوت و طاقت اپنی حکمت و ارادہ کے مطابق عطا کی ہے اور جس کی بنیاد پر وہ جہاد بھی کرتے ہیں اور دیگر بیرونی کاموں میں حصہ لیتے ہیں، یہ ان کے لیے اللہ کا خاص عطیہ ہے، اس کو دیکھتے ہوئے عورتوں کو مردانہ صلاحیتوں کے کام کرنے کی آرزو نہیں کرنی چاہیے۔ البتہ اللہ کی اطاعت اور نیکی کے کاموں میں خوب حصہ لینا چاہیے اور اس میدان میں وہ جو کچھ کمائیں گی، مردوں کی طرح ان کا پورا پورا صلہ انھیں ملے گا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرنا چاہیے کیونکہ مرد اور عورت کے درمیان، استعداد صلاحیت اور قوت کار کا جو فرق ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ کا ایک اٹل فیصلہ ہے جو محض آرزو سے تبدیل نہیں ہو سکتا، البتہ اس کے فضل سے کسب و عنایت میں رہ جانے والی کمی کا ازالہ ہو سکتا ہے۔^❷

مرد کے بعض صلاحیتوں اور خصوصیات میں ممتاز ہونے کی حکمتیں ﴿﴾

مرد اور عورت کے درمیان جو چند امتیازی چیزیں ہیں، اس کی ایک وجہ تو فطری صلاحیتوں کا وہ فرق ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے درمیان رکھا ہے جسے دنیا کی کوئی

❶ مسند احمد: (322/8)

❷ تفسیر احسن البیان تفسیر سورہ نساء آیت 32

طاقت ختم نہیں کر سکتی، کیونکہ اس کی وجہ وہ تخلیقی مقاصد ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں جن کی بنیاد پر عورت کا دائرہ کار گھر کی چار دیواری ہے اور مرد کا دائرہ کار گھر سے باہر (بیرونِ در) کے امور ہیں۔ جن میں امور جہاں بانی، جہاد اور کسب معاش وغیرہ ہیں، عورت ان تمام ذمے داریوں سے سبکدوش ہے۔ اسی میں عورت کی عزت بھی ہے اور اس کی عصمت و تقدس کا تحفظ بھی۔

عورت کو وراثت میں حصے دار بنانا، اس میں بھی عورت کی عزت و احترام کی بحالی ہے جس سے عورت اسلام سے قبل محروم تھی، ورنہ عورت کی جو ذمے داریاں ہیں، ان میں اس کو بالعموم مال کی ضرورت نہیں ہوتی، مال کی زیادہ ضرورت مرد ہی کو رہتی ہے، اسی نے کاروبار کرتا ہے، عورت کی معاشی کفالت اسی نے کرنی ہے، حق مہر بھی اسی نے ادا کرنا ہے، ولیمہ بھی کرنا اور دیگر شادی کے اخراجات ہیں جو مرد ہی نے برداشت کرنے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ذمے داری عورت پر نہیں ہے۔ اس لیے اس کو وراثت میں مرد کے دو گنا کے مقابلے میں ایک گنا حصے دار قرار دینا، اس کی عزت و احترام ہی کے پیش نظر ہے ورنہ اس کو مال کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

مرد کو طلاق و رجوع کا حق دینے میں بھی بڑی حکمت ہے اور وہ ہے گھر کو بربادی سے بچانا، عورت مرد کے مقابلے میں کم حوصلہ بھی ہے اور جذباتی بھی۔ اگر اس کو بھی طلاق کا حق مل جاتا تو اختلاف و نزاع کی صورت میں وہ فوراً طلاق دے کر اپنے پیروں پر کھڑی مار لیا کرتی اور خانماں برباد ہو جایا کرتی۔ مرد کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ حوصلہ و ہمت سے نوازا ہے اس لیے وہ زیادہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتا اور گھر بربادی سے محفوظ رہتا ہے۔ اگرچہ بعض مرد جہالت اور بے شعوری کی وجہ سے صبر و تحمل کے بجائے عجلت اور عاقبت نا اندیشی کا

مظاہرہ کرتے ہوئے فوری طور پر طلاق دے دیتے ہیں اور پھر بعد میں پچھتاتے ہیں لیکن اگر عورت کو بھی حق طلاق مل جاتا تو پھر طلاق کی شرح کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

عورت کو مارنے کی رخصت اور اس کی حکمت اور مطلب ﴿﴾

جس طرح بعض مرد جہالت کی وجہ سے عورت کے حقوق صحیح طریقے سے ادا نہیں کرتے، تو اس میں اسلام کا تو کوئی قصور نہیں، ان مردوں کا قصور ہے جو اسلام کے عطا کردہ بعض مردانہ امتیازی حقوق کا، جو نہایت حکمت پر مبنی ہیں، غلط استعمال کرتے اور اسلام کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں، انھی میں سے یہ طلاق کا بھی حق ہے جسے بعض مرد نہایت غلط طریقے سے استعمال کرتے اور اپنا گھر اجاڑ لیتے ہیں جس کا خمیازہ عورت کے علاوہ ان کو بھی بھگتنا پڑتا ہے، بچے ہوں تو ان کو بھی۔

یا جس طرح اللہ تعالیٰ نے نشوز (عورت کی نافرمانی، سرکشی) کی صورت میں مرد کو اس کو سمجھانے کے لیے وعظ و نصیحت کرنے، اس سے بستر سے علیحدگی اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اس کو مارنے کی بھی اجازت ہے۔

﴿وَالَّذِينَ يَخْتَفُونَ تَلْفُوفَهُمْ فَيُعْظِوهُمْ وَهُنَّ وَالْمُضَاجِعَ وَأَخْلَىٰ يُؤْمِنُونَ﴾ [النساء: 34]
 ”اور جن بیویوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو انہیں سمجھاؤ (اگر نہ سمجھیں) تو خواب
 گا ہوں میں ان سے الگ رہو (پھر بھی نہ سمجھیں تو) انہیں مارو۔“

تو یہ حق بھی گھر کے نظم کو برقرار رکھنے کے لیے ہے کیونکہ گھر کا قوام (حاکم) مرد ہی ہے جس طرح کسی ملک یا علاقے کے قوام (سربراہ یا حاکم مجاز) کو ملک یا علاقے کا نظم و نسق برقرار رکھنے کے لیے سختی کرنی پڑتی ہے، دار و گیر سے کام لینا پڑتا ہے اور سرکشوں کے سر پر غرور کو کچلنے کے لیے ان کو زد و کوب بھی کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح مرد کو بھی عورت کو راہ

راست پر رکھنے کے لیے آخری چارہ کار کے طور پر زرد کو ب کرنے کی بھی اجازت دی گئی ہے تاکہ گھر میں مرد کی توامیت (حاکمیت) بھی برقرار رہے اور گھر کا نظم و نسق بھی انتشار سے محفوظ رہے۔

لیکن مارنے کا یہ حق غیر محدود نہیں ہے لیکن چونکہ ناگریز حالات میں بطور علاج اس کی اجازت ہے اس لیے یہ مار وحشیانہ اور ظالمانہ نہ ہو، بلکہ علاج کی حد تک ہلکی مار ہو جس سے اس کو شدید چوٹ نہ آئے۔ نبی ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا:

وَلَكُمْ عَلَيْهِمْ أَنْ لَا يُؤْطِئَنَّ فَوْشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ، فَإِنْ فَعَلَنَ ذَلِكَ فَاصْبِرْ بُوهُنَّ صَبْرًا عَنِّي مُبْتَسِحًا ❶

”تمہارا عورتوں پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر ایسے کسی شخص کو آنے کی اجازت نہ دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو ایسی مار مارو جس سے ان کو زیادہ چوٹ نہ آئے۔“

ایسی مار جو بطور علاج ہو اور جس میں وحشیانہ پن نہ ہو، تو چونکہ اس کی اجازت ہے اس لیے اس پر قیامت کے دن باز پرس بھی نہیں ہوگی۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿لَا يُسْأَلُ الرَّجُلُ فِيمَا صَبَرَ إِمْرَأَتَهُ﴾ ❷

”آدمی سے اپنی عورت (بیوی) کے مارنے پر باز پرس نہیں کی جائے گی۔“

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿لَا تُضْرِبُوا إِمَاءَ اللَّهِ﴾

”اللہ کی باندیوں کو مت مارا کرو۔“ ❸

❶ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: 1218

❷ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی ضرب النساء، حدیث: 2147

❸ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی ضرب النساء، حدیث: 2146

چنانچہ صحابہ کرام بڑے محتاط ہو گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاوندوں کے مقابلے میں ان کی جسارتیں بڑھ گئیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نتیجے سے آگاہ فرمایا تو آپ نے ان کو مارنے کی رخصت عنایت فرمادی۔ بعض صحابہ نے اس رخصت کا غلط استعمال کیا تو بہت سی عورتوں نے آ کر ازواجِ مطہرات کے پاس ان کی شکایتیں کیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَقَدْ طَافَ بِأَلِ مُحَمَّدٍ نِسَاءٌ كَثِيرٌ يَشْكُونَ أَزْوَاجَهُنَّ لَيْسَ أَوْلَيْكَ بِخِيَارِكُمْ»[●]
 ”آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت سی عورتوں نے آ کر اپنے خاوندوں کی شکایت کی ہے، یہ لوگ تم میں بہتر نہیں ہیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ یہ رخصت بے رحمانہ طریقے سے مارنے کی نہیں ہے اور جو ایسا کرے گا وہ بہتر لوگوں میں شمار نہیں ہوگا اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رخصت کی بڑے حکیمانہ انداز میں وضاحت فرمائی:

«لَا يَجْلِدُ أَحَدُكُمْ إِفْرَأْتَهُ جِلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ يَجْأُ مَعَهَا فِي آخِرِ الْيَوْمِ»
 ”تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طرح نہ مارے جس طرح غلام کو مارا جاتا ہے، (کیونکہ یہ عجیب بات ہوگی کہ اس طرح مارنے کے بعد) پھر دن کے آخر میں اس سے ہم بستری کرے گا۔“

اسی لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر باب باندھا ہے:

«بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ صَرْبِ النِّسَاءِ»

”اس بات کا بیان کہ عورتوں کو مارنا ناپسندیدہ (مکروہ) ہے۔“

اور قرآن کریم میں مارنے کی رخصت ﴿واضربوهن﴾ کی تفسیر ان الفاظ میں

● سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی ضرب النساء، حدیث، 2146

فرمائی ہے: ﴿عَلَيْكُمْ بِرَأْسِ الْوَجْهِ﴾ ایسی مارجس سے شدید چوٹ نہ آئے۔“^① اور یہی وہ تفسیر ہے جو خود نبی ﷺ نے فرمائی ہے جیسا کہ صحیح مسلم کے حوالے سے یہ حدیث گزری ہے۔

بہر حال مقصود اس تفصیل سے یہ ہے کہ ہلکی مار مارنے کی اجازت ایک خاص حکمت کے تحت دی گئی ہے کہ بعض عورتوں کے لیے بعض دفعہ یہ علاج مؤثر ہوتا ہے لیکن جو لوگ حق طلاق کی طرح اس کو بھی غلط استعمال کرتے ہیں تو یہ سخت ناپسندیدہ ہے اور ایسے لوگ اسلام کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کی بابت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ بہتر بھی نہیں ہیں اور عقل و دانش سے بھی بے بہرہ ہیں کہ مارتے بھی ہیں اور پھر اسی سے اپنی خواہش بھی پوری کرتے ہیں۔

① عورت کو منحوس سمجھنا غلط ہے ﴿﴾

حسن معاشرت کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ عورت کو منحوس نہ سمجھا جائے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جب عورت نئی نویلی دلہن کی صورت میں آتی ہے تو چونکہ وہ یکسر ایک نئے ماحول میں آتی ہے، دولہا سمیت اس گھر کے سارے افراد اس کے لیے اجنبی ہوتے ہیں، اس کو اس نئے ماحول سے مانوس ہونے میں اور دولہا اور اس کے گھر والوں کے مزاجوں کو سمجھنے میں کچھ وقت درکار ہوتا ہے۔ اسی طرح دلہن بھی تمام افراد خانہ کے لیے اجنبی ہوتی ہے، اس کی خوبیاں (یا برائیاں) ظاہر ہونے میں بھی وقت لگتا ہے۔ چند ایام یا چند ہفتوں میں ایک دوسرے کی بابت اچھا یا برا ہونے کا نہ صحیح طور پر اندازہ کیا جاسکتا ہے اور نہ فیصلہ ہی۔

① صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب ما یکرمہ من ضرب النساء، حدیث: 5204

لیکن ہمارے معاشرے میں عجلت سے فیصلہ کرنے کا مرض عام ہے دلہن کے آنے کے بعد اگر اتفاقی طور پر کوئی حادثہ ہو جاتا ہے، یعنی کاروبار میں کچھ نقصان ہو جاتا ہے یا کوئی اور ارضی و سماوی آفت آ جاتی ہے تو فوراً کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ نئی عورت جو ہمارے گھر میں آئی ہے، اس کی نحوست ہے اور پھر گھر کے سارے افراد اس کو منحوس باور کر لیتے ہیں۔

ظاہر بات ہے ایسا سمجھنا اور کہنا جہاں تقدیر الہی کے خلاف ہے جو کہ کمال ایمان کے منافی ہے، وہاں حسن معاشرت کے بھی خلاف ہے۔ قدرتی حوادث و آفات کا باعث عورت کو قرار دینا، جب کہ اس میں اس کے ارادے یا عمل کا کوئی دخل نہیں، یکسر خلاف واقعہ اور ایک پاک دامن کو نحوست سے متہم کرنا ہے اور جب اس کو منحوس سمجھ لیا جائے گا تو کون اسے اچھا سمجھے گا یا اس سے اچھا سلوک کرے گا؟

اس لیے حسن معاشرت کا تقاضا ہے کہ اتفاقی حوادث و واقعات کی بنیاد پر عورت کو یا کسی بھی چیز کو منحوس سمجھنا بے بنیاد بات ہے۔

نحوست کے تصور کی بنیاد

در اصل یہ تصور ایک حدیث سے غلط فہمی کے طور پر مشہور ہو گیا ہے، وہ حدیث ہے:

«الشُّؤْمُ فِي ثَلَاثَةٍ، فِي الْقَرْسِ، وَالْمَرْأَةِ، وَالذَّارِ»

”نحوست تین چیزوں میں ہے، گھوڑے میں، عورت میں اور گھر میں۔“

حالانکہ ایک دوسری حدیث سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے، وہ حسب ذیل ہے:

«إِنْ كَانَ الشُّؤْمُ فِي شَيْءٍ، فَفِي الدَّارِ، وَالْمَرْأَةِ، وَالْقَرْسِ»

”اگر کسی چیز میں نحوست ہو سکتی ہے تو وہ گھر ہے، اور عورت ہے، اور گھوڑا ہے۔“

یہ دونوں روایات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب النکاح کے ”باب ما یتقی من شؤم المرأة“ وقوله تعالى ﴿إِنَّ مِنْ آذٍ وَاجِدِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ﴾ [التغابن 14] میں بیان کی ہیں۔ یعنی امام بخاری نے شؤم المرأة (عورت کی نحوست سے بچنے) کا باب باندھا اور اس میں قرآنی آیت بھی ساتھ بیان کر کے یہ واضح کر دیا ہے کہ عورت کا منحوس ہونا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ بعض عورتیں منحوس ہو سکتی ہیں جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

”تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمہاری دشمن ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے ”مِنْ“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو تعیض کے لیے بھی آتا ہے۔ یعنی ساری بیویاں یا ساری اولاد دشمن نہیں ہے بلکہ بعض ہیں۔ اور یہ واضح ہے کہ جو اولاد ماں باپ کی فرماں بردار اور خیر خواہ ہو، وہ ماں باپ کی دشمن نہیں ہے، صرف وہ اولاد دشمن ہے جو نافرمان اور گستاخ ہو۔ اور اللہ کا یہ فرمان واقعات کے عین مطابق ہے۔ اسی طرح وہ بیوی بھی جو ”فالصالحات قانتات حافظات للغيب“ کی مصداق ہو، وہ خاوند کی دشمن نہیں بلکہ وفادار، اطاعت شعار اور خیر خواہ ہوگی۔ اور جو اولاد اور بیوی نیک اور صالح ہوگی، ان کی بابت نحوست کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی باب میں یہ حدیث بھی ذکر کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

﴿مَا عَزَمْتُ بَعْدِي فِتْنَةً عَلَى الزَّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ﴾^❶
 ”میں نے اپنے بعد عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ ایسا نہیں چھوڑا جو مردوں کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ ہو۔“

❶ صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب ما یتقی من شؤم المرأة، حدیث: 5096

اس حدیث سے بھی یہی نکتہ واضح ہوتا ہے کہ جو عورت فتنے کا باعث ہو، اس میں تو شر اور نحوست کا پہلو ہو سکتا ہے لیکن جو عورت ایسی نہ ہو بلکہ اس کے برعکس نیکی اور صالحیت کا پیکر ہو، تو اسے منحوس کیسے قرار دیا جاسکتا ہے اس کی طرف کسی تقدیری امر کے ظہور کی وجہ سے شر اور نحوست کو منسوب کرنا ایسا ہی ہے جیسے حدیث میں کہا گیا ہے کہ یہ کہنا کفر ہے کہ فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے۔ یعنی بارش برسانے کے فعل کو اللہ کے بجائے ستارے کی طرف منسوب کرنا، بیکسر غلط بلکہ کفریہ کلمہ ہے تو پھر مطلقاً عورت کو شر اور نحوست کا باعث قرار دینا کیوں کر صحیح ہے؟ جب کہ اس شر کے ظہور میں اس کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ ایک تقدیری معاملہ ہے جس کا ظہور اس عورت کے نئے گھر میں آنے کے بعد ہوا ہے۔ اور قضا و قدر کے فیصلے کا اس کے ساتھ توافق ہو گیا ہے۔

عدم موافقت ہو سکتی ہے لیکن صرف اللہ کی مشیت سے ﴿﴾

یہ تو ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے کہ بعض دفعہ انسان گھر خریدتا یا کرائے پر لیتا ہے، سواری کے لیے کوئی جانور، یا آج کل کے حساب سے کوئی گاڑی وغیرہ لیتا ہے، اسی طرح کسی عورت سے شادی کرتا ہے۔ لیکن یہ چیزیں انسان کو اس نہیں آتیں، اس کو مسلسل نقصان اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کو یہ تو اجازت ہے کہ عدم موافقت کی وجہ سے گھر چھوڑ کر، جانور یا گاڑی بیچ کر، بیوی کو طلاق دے کر وہ متبادل انتظام کر لے لیکن ان کا تعلق نحوست سے جوڑ کر بد اعتقادی کا اظہار نہ کرے بلکہ اس کو قضا و قدر کا فیصلہ سمجھے۔ اس بارے میں بھی ایک حدیث سے ہمیں کافی رہنمائی ملتی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

”ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم ایک گھر میں رہتے ہیں، وہاں گھر کے افراد بھی کافی ہوتے ہیں اور مال و دولت کی بھی فراوانی ہوتی ہے، لیکن ہم گھر بدل لیتے ہیں تو وہاں ہمارے افراد اور اموال میں کمی ہو جاتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اس گھر کو اپنے حق میں برا سمجھتے ہوئے چھوڑ دو۔“^۱

اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ شریعت اسلامیہ میں اس تصور کی نفی کی گئی ہے کہ کوئی بیماری متعدی بھی ہوتی ہے بلکہ اس عقیدے کی تاکید کی گئی ہے کہ اللہ کے حکم اور مشیت کے بغیر کسی کو کوئی بیماری نہیں لگ سکتی۔ اس کے باوجود ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ مجذوم (کوڑھی کے مریض) سے اس طرح بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ نہیں کہ جذام کا مرض متعدی ہے بلکہ اس کی وجہ اعتقاد کی خرابی سے بچانا ہے۔ کیونکہ اگر کسی شخص کو مجذوم کے پاس بیٹھنے سے اگر جذام کی بیماری لاحق ہوگئی تو اس کی اصل وجہ تو اللہ کا حکم اور اس کی مشیت ہوگی لیکن اس شخص کے اندر عقیدے کی یہ خرابی پیدا ہو سکتی ہے کہ مجھے یہ بیماری اس مریض کے پاس بیٹھنے کی وجہ سے لاحق ہوئی ہے۔ یہ عقیدہ چونکہ اسلامی مسلمات کے خلاف ہے اس لیے مسلمانوں کے عقیدوں کو محفوظ رکھنے کے لیے احتیاط کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ اس بدعقیدگی سے مسلمان محفوظ رہیں۔

اسی طرح عدم موافقت کی صورت میں زیر بحث مذکورہ اشیاء کو چھوڑا جا سکتا ہے لیکن اس رد و بدل میں ان کی نحوست کا عقیدہ نہ رکھا جائے بلکہ اس کو قضا و قدر کا فیصلہ ہی سمجھا جائے۔ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ زیر بحث حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

”یہ حدیث (لوگوں کی رائے کے برعکس) اس مفہوم کی تائید کرتی ہے کہ کسی چیز

^۱ سنن أبي داود: كتاب الطب، باب في الطيرة، حديث: 3924

میں نحوست نہیں ہے۔ اس لیے کہ حدیث کے معنی ہیں: ”اگر نحوست کسی بھی چیز میں ثابت ہوتی تو ان تین چیزوں میں ہوتی لیکن بات یہ ہے کہ نحوست کسی بھی چیز میں یکسر ثابت ہی نہیں ہے۔ اور بعض روایات میں جو الفاظ نقل ہوئے ہیں کہ ”نحوست تین چیزوں میں ہے“ یہ بعض راویوں کا اختصار اور تصرف ہے (ورنہ اصل لفظ یہی ہیں کہ اگر نحوست ہوتی تو ان میں ہوتی)۔“^❶

امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی یہی بات لکھی ہے، فرماتے ہیں:

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی تو عورت، گھوڑے اور گھر میں ہوتی۔“ آپ نے یہ خبر نہیں دی کہ ان میں ہوتی ہے بلکہ یہ فرمایا ہے: اگر نحوست کی چیز میں ہوتی تو ان میں ہوتی، یعنی اگر کسی چیز میں ہوتی تو ان میں ہوتی اور جب ان تینوں میں نہیں ہے تو کسی بھی چیز میں نہیں ہے۔“^❷

بعض احادیث اور آثار سے مذکورہ مفہوم کی تائید رحمہم اللہ

ہمارے وضاحت کردہ نکتے کی تائید ذیل کی حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿أَزْيَعُ مِنَ السَّعَادَةِ، الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، وَالْمَسْكُورُ النَّوَاسِعُ، وَالْجَارُ الصَّالِحُ، وَالْمَرْكَبُ الْهَتْبِيُّ، وَأَزْبَعُ مِنَ الشَّقَاءِ: الْجَارُ الشُّؤْمُ وَالْمَرْأَةُ الشُّؤْمُ، وَالْمَرْكَبُ الشُّؤْمُ وَالْمَسْكُورُ الصَّنْبِيُّ﴾^❸

”چار چیزیں سعادت سے ہیں: نیک عورت، فراخ کشادہ گھر، نیک پڑوسی اور اچھی سواری، اور چار چیزیں شقاوت (بدبختی) سے ہیں: برا پڑوسی، بری عورت،

❶ سلسلة الأحاديث الصحيحة: (72/1)، رقم الحديث: 442

❷ شرح معاني الآثار، بحوالہ الصحيحہ للابان (728/2)، رقم الحديث: 993۔

❸ موارد الظمان، النكاح، حديث: 1232، الصحيحہ: (509/1)، رقم الحديث: 282

بری سواری، اور تنگ مکان۔“
یعنی مذکورہ چیزیں کسی کے لیے سعادت کا اور کسی کے لیے شقاوت کا ذریعہ ہیں اور یہ سب کچھ اللہ کی مشیت اور اس کے قضا و قدر کے تحت ہے۔

اسی لیے بعض شارحین نے حدیث شہوم کی شرح میں لکھا ہے، جیسے امام خطابی ہیں:
﴿إِنْ كَانَتْ لِأَخِيكَمْ دَارٌ يَكُونُ فِيهَا أَوْ امْرَأَةٌ يَكُونُ فِيهَا، أَوْ فَرْسٌ يَكُونُ فِيهَا سَبِيحَةٌ فَلْيَغَارِقْهُ﴾^۱

”اگر کسی کا گھر ایسا ہے کہ اس میں رہائش اس کو ناپسند ہو، یا بیوی ایسی ہو کہ اس کے ساتھ گزارا مشکل ہو، یا گھوڑا ایسا ہو کہ اس پر سفر اس کو ناگوار ہو، تو وہ ان کو چھوڑ دے۔“

اور بعض نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے:

﴿إِنْ شُؤِمَ الدَّارُ صَيْفُهَا وَسُوءَ جَوَارِحِهَا، وَشُؤِمَ الْمَرْأَةُ أَنْ لَا تَلِدَ وَشُؤِمَ الْفَرَسِ أَنْ لَا يُغْزِ عَلَيْهِ﴾^۲

”گھر کی محسوس اس کا تنگ ہونا اور پڑوسی کا برا ہونا ہے، عورت کی محسوس اس کا بانجھ پن اور گھوڑے کی محسوس اس پر جہاد کرنے کا موقع نہ ملنا ہے۔“

بعض آثار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جیسے حضرت معمر (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی یہ تفسیر سنی ہے (بظاہر یہی ہے کہ کسی صحابی سے سنی ہوگی)۔

﴿شُؤِمُ الْمَرْأَةِ إِذَا كَانَتْ غَيْرَ وُلُودٍ، وَشُؤِمُ الْفَرَسِ إِذَا لَمْ يُغْزِ عَلَيْهِ وَ شُؤِمُ الدَّارِ جَاؤُا الشُّؤْمِ﴾^۳

^۱ فتح الباری، الجہاد، (776)

^۲ حوالہ منکور

^۳ فتح الباری، (776)، مصنف عبدالرزاق، (411/10)، ج ۱ الحدیث، 19527

”عورت کی نحوست اس کا بانجھ ہونا ہے، گھوڑے کی نحوست اس پر بیٹھ کر جہاد نہ کرنا ہے اور گھر کی نحوست برے پڑوسی کا ہونا ہے۔“

بہر حال مطلقاً عورت یا کسی بھی چیز کی نحوست کا عقیدہ بے بنیاد اور تقدیر پر ایمان کے منافی ہے، اس لیے اس قسم کے تصورات سے بچنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

﴿13﴾ بیوی کو عار نہ دلانے

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک عورت بد چلن یا مرد بد کردار ہوتا ہے لیکن ایسے جوڑے سے اللہ تعالیٰ اولاد صالح پیدا فرما دیتا ہے، اولاد میں ماں باپ کی وہ خرابیاں نہیں ہوتیں جو شریعت میں بھی ناپسندیدہ ہیں اور لوگوں کی نظروں میں بھی ناقابل قبول ہوتی ہیں۔ ایسے ماں باپ کی کوئی نیک چلن لڑکی اگر کسی شخص کے حوالہ عقد میں آجائے تو کسی بھی موقع پر اس کی کسی کوتاہی کی وجہ سے اس کو یہ نہ کہے کہ ہاں تو بیٹی تو اسی ماں یا باپ کی ہے جو ایسی ایسی یا ایسا ایسا ہے یا تھی یا تھا۔ اسے عار دلانا کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اسے ناپسند فرمایا اور اسے زمانہ جاہلیت کی نحو (بد عادت) قرار دیا۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص (اپنے غلام) کو برا بھلا کہا اور اسے عار دلانی کہ تیری ماں ایسی تھی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

﴿يَا أَبَا ذَرٍّ! أَعْيَبْتَهُ بِأَمْرِهِ؟ إِنَّكَ امْرُؤٌ فَيْسُ جَاهِلِيَّةٍ﴾

”اے ابو ذر! کیا تو نے اس کو اس کی ماں کی وجہ سے عار دلانی ہے، تیرے اندر تو ابھی تک جاہلیت کی نحو ہے۔“

پھر فرمایا:

﴿إِخْوَانُكُمْ خَوْلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ

فَلْيَطْعَمَهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيَلْبَسُهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا تَكْفُرُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَفَرْتُمْوَهُمْ فَأَعْيِبُوهُمْ ﴿٤٠﴾

”تمہارے بھائی (غلام) تمہارے ماتحت ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے ماتحت کیا ہے (تم کو ان پر بالا دستی عطا کی ہے اور ان کو تمہارے زیر دست کیا ہے) پس جو بھائی (غلام نوکر چاکر) اس کے ماتحت ہو اس کو چاہیے کہ اس کو وہی کچھ کھلائے جو وہ کھاتا ہے، اور اس کو وہی کچھ پہننے کو دے جو وہ خود پہنتا ہے اور ایسا کوئی کام اس کے سپرد نہ کرے جو اس کی طاقت سے بالا ہو، اگر تم ایسا کوئی کام اس کے سپرد کرو تو تم ان کی مدد کرو (ان کے ساتھ مل کر وہ کام کرو۔)“

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اپنے ماتحتوں، زیر دستوں اور غلاموں، نوکروں کو عار دلانا، ان کو اپنے سے کمتر سمجھتے ہوئے ان کو کھانے پینے میں اپنے ساتھ بٹھانے سے گریز کرنا اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ کاموں کا بوجھ ڈالنا یہ سب ممنوع ہیں تو بیوی تو غلام اور ماتحتوں سے زیادہ شرف و فضل اور عزت و احترام کی مستحق ہے، اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرنے کی اجازت کب ہو سکتی ہے؟

اس لیے حسن معاشرت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ بیوی کو عار نہ دلائی جائے۔ اس کے ماں باپ کیسے بھی ہوں یا کیسے بھی کبھی رہے ہوں، یا وہ خود بھی کبھی ایسی ویسی رہی ہو لیکن تو بہ کر کے اس نے اپنی اصلاح کر لی ہو اور اب وہ صحیح معنوں میں ایک صالح اور نیک چلن ہو اور اسی وجہ سے اس نے اسے اپنا رفیق زندگی بنانے کے لیے پسند کیا ہو تو اس کے بعد اس کو عار دلانے کا کوئی جواز نہیں ہے اور یہ حسن معاشرت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں

صحیح البخاری: کتاب الإيمان، باب المعاصی من أمر الجاہلیۃ، حدیث: 30، وصحیح مسلم: کتاب الأیمان، باب إطعام المملوک

اس کی دل آزاری کا پہلو ہے جب کہ حسن معاشرت کا تقاضا اس کی دلجوئی و دلداری کرنا ہے نہ کہ دل آزاری۔

﴿16﴾ بیوی پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے ﴿﴾

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب ایک غلام اور ماتحت شخص پر بھی اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا جائز نہیں ہے جب کہ ان کو اپنے گھروں میں رکھنے کا مقصد ہی ان سے اپنی خدمت لینا اور ان سے اپنے اندرونی و بیرونی کام کرانا ہوتا ہے تو بیوی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا کب جائز ہو سکتا ہے۔؟

بلاشبہ خاوند کی خدمت اور گھریلو امور کی انجام دہی عورت کی ذمہ داری ہے، لیکن مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس معاملے میں بھی حسن معاشرت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھے اور اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔ اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً، خاوند اس کو گھریلو اخراجات کے لیے جو رقم مہیا کرے، وہ ضروریات سے بہت کم ہو، لیکن خاوند اس کو مجبور کرے کہ وہ اسی رقم سے تمام ضروریات پوری کرے، ظاہر بات ہے بعض خاوندوں کا یہ رویہ سراسر تحکم اور تکلیف مالا لفظاً ہی ہے۔

اسی طرح بعض گھروں میں آنے والی نئی بہو پر ضرورت سے زیادہ کاموں کا بوجھ ڈال دیا جاتا ہے جب کہ گھر میں اس کی جوان نندیں وغیرہ بھی ہوتی ہیں۔ عدل و انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ سب مل جل کر گھریلو امور سرانجام دیں، ساس سسر بھی اس پہلو کو ملحوظ رکھیں، خاوند اگر اس سلسلے میں ماں باپ سے کوئی بات کرتا ہے تو اس کو زن مرید ہونے کا طعنہ دے کر خاموش رہنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ اس بے انصافی کے تین نتیجوں میں سے کوئی

ایک نتیجہ بالعموم ظاہر ہوتا ہے۔

① یا تو خاندان اور بیوی و دونوں، ماں باپ اور ساس سسر کے احترام میں خاموشی سے اس بے انصافی کو برداشت کرتے رہتے ہیں اور عورت طاقت سے زیادہ بوجھ برداشت کرتی رہتی ہے اور گھر کا نظم میاں بیوی کی خاموشی اور بزرگوں کے احترام کی وجہ سے قائم رہتا ہے۔ ظاہر ہے یہ سکون دباؤ کا نتیجہ ہے، حسن معاشرت کا نتیجہ نہیں۔

② اگر میاں بیوی اس بے انصافی کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے تو جلد یا بہ دیر یہ صورت حال ماں باپ سے علیحدگی پر منتج ہوتی ہے۔

③ گھر کی دوسری خواتین (نندیں، ساس وغیرہ)۔ اگر اس بے انصافی پر مصر رہتی اور سارا بوجھ فرماں بردار بیٹی کی بیوی پر ہی ڈالنے کی پالیسی پر گامزن رہتی ہیں تو جلد ہی پیمانہ صبر لبریز ہو جائے گا اور پھر آئے دن اس پر باہم تھکا فضیحتی ہوگی جس سے میاں بیوی کا سکون بھی برباد ہوگا، گھر کا امن بھی قائم نہیں رہے گا اور ساس کا بے انصافی پر مبنی یہ رویہ لڑکی کے خاندان کو بھی ان سے بدظن کر دے گا اور مخاصمت و عناد کی ایسی فضا قائم ہو جائے گی۔ جو دونوں خاندانوں کو مضطرب رکھے گا۔

بنا بریں یہ تینوں ہی صورتیں ظلم و نا انصافی کی ہیں جو حسن معاشرت کے خلاف ہیں۔ یہ ساس بہو کا وہ رد ایتی کردار ہے جس کی کہانیاں ہمارے معاشرے میں عام ہیں۔ لیکن اہل دین اور خشیت الہی رکھنے والوں کو اس قسم کے رویوں سے بچنا چاہیے، ایسا رویہ آخرت ہی برباد کرنے والا نہیں ہے بلکہ دنیا بھی بگاڑ دینے والا ہے۔

①7 مشاورت کا اہتمام کیا جائے

حسن معاشرت کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ ہر اہم معاملے میں مرد بیوی سے مشاورت کا

اہتمام کرے، بیوی کو نظر انداز کر کے کوئی فیصلہ نہ کرے۔ یہ حسن معاشرت کے بھی خلاف ہے اور عقل و دانش کے بھی منافی۔ عدم مشاورت سے بھی بعض دفعہ میاں بیوی کے درمیان ایسی تلخیاں اور کشیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو پورے گھر کے سکون کو برباد کر دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر تک کو یہ حکم دیا کہ وہ مسلمانوں سے مشاورت کا اہتمام کریں۔

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ [آل عمران: 159]

”اور معاملات میں ان سے مشورہ کیا کیجئے۔“

اور مسلمانوں کی صفت یہ بھی بیان فرمائی کہ وہ اپنے معاملات باہم مشاورت سے چلاتے ہیں۔

﴿وَأْمُرْهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ [المؤمن: 38]

”اور ان کے کام باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں“

صلح حدیبیہ کے موقع پر جو معاہدہ لکھا گیا تھا، مسلمان اس کی ظاہری دفعات سے دل گیر تھے اور نبوت کی نگاہ دور رس میں اس کے جو فوائد تھے، عام مسلمان اس کا اندازہ کرنے سے قاصر تھے۔ بنا بریں جب رسول اللہ ﷺ نے معاہدے کے تحریر کیے جانے کے بعد صحابہ کو حکم دیا کہ اٹھو! اور اپنے اپنے جانور قربان کر دو (کیونکہ اس سال ہم مکہ جا کر عمرہ نہیں کر سکیں گے) لیکن صحابہ غم سے نڈھال اور دل گرفتہ تھے، اس لیے کوئی بھی نہ اٹھا، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بات تین مرتبہ دہرائی مگر پھر بھی کوئی نہ اٹھا تو آپ اپنی زوجہ مطہرہ حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور صحابہ کے اس طرز عمل کا ذکر کیا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے مشورہ دیا کہ آپ کسی کو کچھ نہ کہیں اور جا کر اپنا جانور ذبح کر دیں اور اپنا سر منڈا لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مشورے کے مطابق

اپنی ہدیٰ کا جانور ذبح کر دیا اور حجام کو بلا کر سر منڈوا لیا۔
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ نے آپ کے عمل کو دیکھ کر بلا توقف اپنے اپنے جانور بھی ذبح کر دیے اور باہم ایک دوسرے کے سر بھی مونڈ دیے۔

یعنی رسول اللہ ﷺ نے اپنی تمام تر عظمت کے باوجود جب اپنی اہلیہ محترمہ سے جا کر مشورہ کیا تو انھوں نے جو مشورہ دیا، اس پر عمل کرنے سے ایک نہایت اہم مسئلے کا فوری حل نکل آیا جس پر آپ خود بھی سخت پریشان تھے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کو صرف اپنی عقل و دانش ہی کو حرف آخر نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ اپنے رفیق زندگی یعنی بیوی سے بھی ہر اہم معاملے پر مشورہ کرنا اور باہم مل کر سوچ بچار کرنا نہایت با برکت عمل ہے۔ نہ عورت اپنے طور پر فیصلہ کرے اور نہ مرد ہی ایسا کرے بلکہ دونوں قدم سے قدم ملا کر اور ایک دوسرے کو اپنا ہم نوا بنا کر اور اعتماد میں لے کر فیصلہ کریں۔

جب بچے بچیاں جوان ہو جاتے ہیں تو ان کے رشتوں ناطوں کے سلسلے میں اگر باہم مشاورت اور افہام و تفہیم سے کام نہ لیا جائے تو بڑی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور بعض دفعہ بچوں کے مستقبل بھی تاریک ہو جاتے ہیں، و علیٰ ہذا القیاس، دوسرے معاملات ہیں، سب میں باہم مشاورت باعث برکت بھی ہے اور حسن معاشرت کا تقاضا بھی، اور گھر کی خوش گوار فضا اور اس کے امن و سکون کو برقرار رکھنے کا ایک بڑا سبب بھی۔

(18) مرد حسن باطنی کے ساتھ، ظاہری زیب و زینت بھی اختیار کرے۔

جس طرح مرد کی خواہش ہوتی ہے کہ بیوی حسن و جمال کا پیکر ہو یا کم از کم آرائش و

زیبائش کا اہتمام کرنے والی ہو۔ اسی طرح عورت کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا خاوند مردانہ جاہ و جلال اور حسن و جمال کا حامل ہو۔ اس لیے مرد کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ عورت کی اس جائز خواہش کا احترام کرے اور شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے ظاہری زیب و زینت اختیار کرنے میں بے اعتنائی نہ برتے۔ جیسے صاف ستھرا رہنا، نظافت و طہارت کا خیال رکھنا، خوشبو وغیرہ کا استعمال اور کنگھی تیل کا اہتمام، وغیرہ، اسی لیے حدیث میں آتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلا کام کیا کرتے تھے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”مسواک کرتے تھے۔ (تا کہ منہ سے خوش گوار خوشبو آئے۔) تاہم اس زیب و زینت کے اختیار کرنے میں نہ شریعت سے تجاوز ہوا اور نہ کبر و غرور کا اظہار ہو، یہ دونوں باتیں ناپسندیدہ ہیں۔“

مثلاً، آج کل زیب و زینت کا معیار یہ ہے کہ مرد کا چہرہ سنتِ رسول (داڑھی) سے پاک ہو، انگریزوں کے لباس (ٹائی، پتلون) میں ملبوس ہو اور بیوٹی پارلر میں جا کر آراستہ و پیراستہ ہو۔ ظاہر بات ہے یہ زیب و زینت اللہ کو ناپسند ہے۔

اسی طرح زیب و زینت کے ڈانڈے کبر و غرور سے نہ جا ملیں۔ بلکہ یہ زیب و زینت ظاہری و باطنی حسن و جمال کا ایسا حسین امتزاج ہو جس میں حُسن صورت بھی ہو اور حُسن سیرت بھی۔ حُسن سیرت اور باطنی جمال کے بغیر ظاہری حسن کی حیثیت اس شخص کی طرح ہے جو غبار آلود چہرے پر غازہ پاشی کر لیتا ہے جس سے اس کا چہرہ نکھرنے کے بجائے اور دھندلا جاتا اور کالک زدہ سا ہو جاتا ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے جہاں ظاہری لباس کو وجہ زینت بتلایا ہے تو وہیں لباس تقویٰ کی

اہمیت کو بھی اجاگر کیا ہے جس کا تعلق انسان کے باطن سے ہے۔

﴿يَبْنَئِي أَدَمَ فَإِنَّ أَتْرَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُؤَارِجُ سَوَاتِرَكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسًا لِلتَّقْوَىٰ ۗ ذٰلِكَ خَيْرٌ مِّنْ ذٰلِكَ مِنَ اٰلِهٖ اللّٰهُ لَعَلَّهُمْ يَدَّكُرُوْنَ ۝﴾ [الأعراف: 26]

”اے بنی آدم (انسانو)! ہم نے تمہارے لیے لباس اتارا ہے جو تمہاری شرم والی چیزوں کو بھی چھپائے اور زینت کا باعث بھی ہو، اور لباس تقویٰ (دل میں خشیت الہی) یہ بہت بہتر ہے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔“

گویا دل میں عجب، کبر و غرور اور ظاہری حسن کا پندار اور گھمنڈ نہ ہو، بلکہ اللہ کا خوف ہو جو انسان کو بہکنے اور بھٹکنے سے محفوظ رکھے۔ نبی ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

﴿لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ﴾
”وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔“

نبی ﷺ کا یہ فرمان سن کر ایک شخص نے پوچھا:

﴿إِنَّ الْوَجَلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَ نَعْلُهُ حَسَنَةً﴾
”ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اور اس کی جوتی اچھی ہو (کیا یہ بھی کبر ہے؟)“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، الْكِبْرُ يَبْطِرُ الْحَقَّ وَتَعْطَى النَّاسَ﴾
”اللہ تعالیٰ خوب صورت ہے، خوب صورتی کو پسند کرتا ہے۔ کبر (غرور) توحق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔“^①

یعنی اچھا لباس پہن کر خوب صورتی اختیار کرنا تو اللہ کو پسند ہے کیونکہ وہ خود

① صحیح مسلم کتاب الإيمان، باب محرم الکبر و بیاتہ، حدیث: 91

خوب صورت ہے۔ البتہ اچھا لباس (خلعتِ فاخرہ) پہن کر اس پر اترا نا، اکڑنا اور کبر و غرور کا اظہار بایں طور کرنا کہ اس کو حق کی بات بتلائی جائے تو اپنی انانیت میں اس کا انکار کر دے اور اپنے سے کم تر ترہوں کے لوگوں کو حقیر سمجھے، یہ کبر ہے جو اللہ کو نا پسند ہے۔

ایک اور حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«كُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا، الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَخْفَزُهُ، التَّقْوَى هَهُنَا، وَيُسْبِغُ إِلَى صَنْدِرِهِ ثَلَاثُ مِرَارٍ، بِحَسَبِ أَمْرِ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَخْفَزَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ... الخديث»^۱

”اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اس پر نہ ظلم کرے، نہ اس کو (مدد کے وقت) بے یار و مددگار چھوڑے اور نہ اس کو حقیر سمجھے۔ اور اپنے سینے کی طرف تین مرتبہ اشارہ کر کے فرمایا: تقویٰ یہاں ہے، تقویٰ یہاں ہے، تقویٰ یہاں ہے، یعنی دل (سینے) میں۔ آدمی کے برا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔“

ایک اور حدیث میں فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى أَجْسَادِكُمْ وَلَا إِلَى صُورِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَشَارَ بِأَصَابِعِهِ إِلَى صَنْدِرِهِ وَفِي رِوَايَةٍ وَأُغْمَلِكُمْ»^۲

”اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا، وہ تو تمہارے دلوں کو (اور اپنے ہاتھوں سے اپنے سینے کی طرف اشارہ فرمایا) اور تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔“

^۱ صحیح مسلم کتاب البر والصلة والآداب، باب محرم ظلم المسلم وخذلوا واحتقاره ودمعه وعرضه وماله، حدیث: 2564

^۲ صحیح مسلم کتاب البر والصلة والآداب، باب محرم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ودمعه وعرضه وماله، حدیث: 2564

19) مرد رات کا بیشتر حصہ گھر میں گزارے

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی بابت پہلے گزرا کہ وہ ساری رات قیام کرتے اور دن کو روزہ رکھتے تھے، نبی ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے ان سے فرمایا:

وَلَا هَلَكَ عَلَيْكَ حَقًّا ۝

”تیرے گھر والوں (بیوی) کا بھی تجھ پر حق ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ قیام اللیل رات کو (اللہ کی عبادت کرنا) بلاشبہ بہت فضیلت والا عمل ہے لیکن رات کو بیوی کے حقوق کو نظر انداز کر کے اگر قیام کیا جائے گا تو یہ پسندیدہ امر نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی مرد راتوں کو اپنا وقت دوستوں کے ساتھ گپ شپ میں یا اسی طرح کی دیگر سرگرمیوں میں گزارتا ہے اور رات کو دیر سے گھر میں آتا ہے تو یہ بھی بیوی کی حق تلفی ہے اور حسن معاشرت کے بھی منافی ہے۔

حُسن معاشرت کا تقاضا ہے کہ مرد سارا دن گھر سے باہر گزارنے کے بعد رات کا وقت بیوی کے پاس گزارے اور اس کی دلداری و دلجوئی کا اہتمام کرے۔ سارے دن کی جدائی کے بعد رات کو بھی عورت کو انتظار کے کرب انگیز لمحات گزارنے پر مجبور کرنا کسی لحاظ سے بھی مستحسن اور پسندیدہ نہیں ہے۔

20) میاں بیوی کے درمیان راز کی باتیں دوستوں میں بیان نہ کی جائیں

بہت سے نوجوان اپنے دوستوں کی محفل میں تنہائی اور راز کی باتیں مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں جو ان کے اور ان کی بیویوں کے درمیان ہوتی ہیں، بالخصوص شب زفاف (شادی کی پہلی رات کی) باتیں۔ یہ شرعاً نا پسندیدہ امر ہے اور اس پر سخت وعید وارد ہے۔

● السنن الکبریٰ للبیہقی: (16:3)

نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ أَشْرَ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ مَثْوِلَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، الرَّجُلُ يُفْضِنُ إِلَى امْرَأَةٍ وَتُفْضِنُ إِلَيْهِ ثُمَّ يُنْشَرُ سِرُّهَا، وَفِي رِوَايَةٍ: إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْأَمَانَةِ أُنَى أَعْظَمِ خِيَانَةِ الْأَمَانَةِ، عِنْدَ اللَّهِ...»

”قیامت کے دن اللہ کے ہاں لوگوں میں سب سے زیادہ بدتر درجے والا (دوسری روایت کے الفاظ ہیں) امانت میں سب سے زیادہ بڑی خیانت کرنے والا، وہ شخص ہوگا جو اپنی بیوی کے پاس جاتا اور وہ اس کے پاس جاتی ہے (دونوں ہم بستری کرتے ہیں) پھر وہ شخص اپنی بیوی کی راز کی باتیں پھیلاتا (دوستوں میں بیان کرتا) ہے۔“

بیوی کے راز افشا کرنے کا مطلب ہے، ہم بستری کے وقت میاں بیوی ایک دوسرے کے ساتھ جو پیار محبت کی باتیں کرتے، ایک دوسرے کو جنسی تلذذ پر آمادہ کرنے کے لیے جو حرکتیں کرتے اور اس خصوصی عمل سے جو لذت حاصل کرتے ہیں، ان کیفیات کو بیان کرنا۔ اس کی ممانعت میں کئی حکمتیں ہیں:

- ① یہ بے حیائی کی باتیں ہیں، ان سے بے حیائی کو فروغ ملتا ہے۔
- ② بیوی کے حسن و جمال اور اس کی ناز نینانہ اداؤں اور محبوبانہ غمزوں اور عشووں کے بیان کرنے میں خطرہ ہے کہ اس کے دوست، یہ باتیں سن کر اس کے رقیب بن جائیں اور اس کی دلربا بیوی سب کے لیے فتنہ اور آزمائش بن جائے۔
- ③ اور اگر بیوی اس کے برعکس ہو، یعنی خوب رونہ ہو تو اس کی برائیاں یا اس کے بارے میں ناخوشگوار تاثرات یہ حسن معاشرت کے منافی ہے۔ دوستوں میں ان باتوں کے بیان کرنے کی وجہ سے یہ باتیں دونوں خاندانوں میں بلکہ دوستوں کے گھرانوں میں

پھیلیں گی جس کے اثرات اچھے نہیں ہوں گے۔
یہی حکم عورت کے لیے بھی ہے کہ وہ خلوت کی ان باتوں کو اپنی سہیلیوں میں بیان نہ کرے۔

23) بیوی کو دینی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے

حسن معاشرت کا ایک حصہ یہ ہے کہ جس طرح بیوی کے لیے اپنی طاقت کے مطابق دنیوی آسائشیں اور سہولتیں مہیا کرے، اسی طرح خاوند اس بات کا بھی اہتمام کرے کہ بیوی کی آخرت کی زندگی بھی بہتر ہو۔ اور آخرت کی زندگی کا سنورنا منحصر ہے اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے میں۔ اور عمل تب ہی ہوگا جب اس کو دینی تعلیمات سے آگاہی اور ان پر عمل کرنے کا جذبہ ہوگا۔

بنا بریں مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ عورت کی دینی تعلیم و تربیت کا بھی اہتمام کرے اور دین پر عمل کرنے کا جذبہ بھی اس کے اندر پیدا کرے۔ اگر بیوی اس میں کوتاہی کرے تو اس پر سختی کرے اور دین پر عمل کروائے تاکہ اس کی آخرت برباد نہ ہو۔

علاوہ ازیں اس کی دین داری کی وجہ سے اس کی گود میں پلنے والی اولاد بھی دین دار ہوگی، بصورت دیگر اولاد کی بھی بے راہ روی کا شدید خطرہ ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ حکم دیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ [الصحرہ: 66]

”اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو بھی اور اپنے گھر والوں (اہل) کو بھی اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔“

اسی حکم میں نماز کی پابندی بھی شامل ہے، یعنی بیوی بچے اگر نماز میں سستی کرتے ہوں تو

انھیں سختی سے نماز پڑھنے کی تلقین کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ [طہ 132]

”اپنے اہل خانہ کو نماز کا حکم دیں اور اس پر مضبوطی سے قائم رہیں۔“

اور نبی ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

﴿مُرُوا نِسَاءَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَنِينَ وَاصْبِرُوا لَهُمْ وَعَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَصَاحِبِ﴾¹

”تم اپنی اولاد کو، جب کہ وہ سات سال کی ہو جائے، نماز کا حکم دو اور جب وہ دس سال کی ہو جائے (اور وہ نماز میں سستی کرے) تو اس پر اس کی سرزنش کرو، اور (اس عمر میں) ان کے بستر ایک دوسرے سے الگ کر دو۔“

﴿22﴾ گھر سے باہر جانے کی اجازت دے، مگر... ﴿﴾

حسن معاشرت میں یہ بھی شامل ہے کہ خاوند بیوی کو گھر سے حسب ضرورت باہر نکلنے کی اجازت دے، اس میں بلا وجہ قدغشیں نہ لگائے۔ جیسے بعض لوگ بیوی کو اس کے رشتے داروں کے پاس جانے سے روکتے ہیں، بعض گھر سے ہی نہیں نکلنے دیتے، بعض مسجدوں میں جانے سے روکتے ہیں۔ یہ سب باتیں حسن معاشرت کے منافی ہیں۔ جب شریعت نے یہ پابندیاں عائد نہیں کی ہیں تو کسی اور کو اس کا حق کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؟

البتہ یہ ضروری ہے کہ عورت بلا وجہ گھر سے باہر نہ گھومتی پھرے اور اگر کسی ضرورت کی وجہ سے باہر جانا پڑے تو شریعت کے حکم کے مطابق سادگی اور پردے سے باہر جائے۔ بعض عورتیں پردے اور سادگی کی اہمیت کو نہیں سمجھتیں اور بے پردہ بلکہ نیم عریاں ہو کر گھر

¹ سنن أبي داود، کتاب الصلاة، باب من يؤمر بالظلم بالصلاة، حديث: 495

سے نکلتی ہیں۔ مرد کی ذمے داری ہے کہ ایسی بے پردہ اور فیشن پہننے والی عورت کو سختی سے پردے کا پابند بنائے اور اس کو اس حدیث کا مصداق بننے سے روکے جس میں رسول اللہ ﷺ نے بہت سی عورتوں کو ”لباس پہننے کے باوجود عریاں قرار دیا اور ان کی بابت جہنم کی وعید بیان فرمائی۔ یہ حدیث مکمل الفاظ میں پہلے گزر چکی ہے۔

﴿23﴾ گھر کے اندر بھی عورت کی حفاظت کرے ﴿﴾

اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر میں ایسے لوگوں کو آنے کی اجازت نہ دے جن سے عورت کی عزت کو خطرہ ہو اور نہ وہ خود ایسے دوستوں کو گھر میں لا کر گھنٹوں بٹھائے رکھے جس سے اس قسم کے خطرات پیدا ہوں۔ اسی طرح قریبی رشتے داروں کے نوجوان بچوں کو بلا محابہ گھر میں آنے جانے کی اجازت نہ دی جائے، حتیٰ کہ شریعت نے دیوار درجیٹھ تک سے پردہ کرنے کی تاکید کی ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالذُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَفَرَأَيْتَ الْحَمُو؟ قَالَ: الْحَمُو الْمَوْتُ» ﴿﴾

”عورتوں کے پاس جانے سے اجتناب کر۔ ایک انصاری نے پوچھا: خاندان کے قریبی رشتے دار (دیور، جیٹھ وغیرہ) کے بارے میں وضاحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: خاندان کا قریبی رشتے دار (دیور، جیٹھ وغیرہ) تو موت ہیں۔“

”حمو“ عربی میں خاندان کے نہایت قریبی رشتے دار کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس لیے اکثر لوگ اس کا ترجمہ دیور، جیٹھ کر دیتے ہیں۔ بلاشبہ قریبی رشتے داروں میں سب سے پہلے خاندان کے حقیقی بھائی ہی آتے ہیں لیکن اس لفظ میں وسعت ہے۔ اس میں حقیقی

صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لا یخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم، والدخول علی النبیة، حدیث: 2322

بھائیوں کے علاوہ اس کے چچا زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد، اور خواہر زاد (بھانجے) سب آجاتے ہیں جن سب کے لیے آج کل کزن کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں ایک عورت کے لیے یہ سب غیر محرم ہیں جن سے پردہ کرنے کا حکم ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں ان سے پردے کا رواج نہیں ہے، سوائے چند گھرانوں کے بیشتر گھروں میں اس پر عمل نہیں کیا جاتا، جس کی وجہ سے بعض دفعہ عورت فتنے کا شکار ہو جاتی ہے اور ایسا کام کر بیٹھتی ہے جس کی سزا رجم (سنگساری) ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے دیور، جیٹھ اور کزنوں کو موت سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس لیے مرد کی ذمہ داری ہے کہ گھر کے اندر گھر میں ساتھ رہنے والے بھائیوں اور گھر میں آنے جانے والے کزنوں پر نظر رکھے اور جہاں تک ہو سکے پردے کا اہتمام کرے تاکہ کسی قسم کی ناخوشگوار صورت حال سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

اسی طرح گھروں میں ایسے لوگوں کو بھی داخلے کی اجازت نہ دی جائے جو بے حیائی کی ترغیب دینے والے ہوں۔ جیسے مخمٹ (مخمرے) وغیرہ۔ نبی ﷺ ایک مرتبہ اپنی اہلیہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر تھے۔ گھر میں ایک مخمٹ بھی تھا، وہ حضرت ام سلمہ کے بھائی عبداللہ بن ابی امیہ سے کہنے لگا: اگر کل کو اللہ نے تمہارے لیے طائف کو فتح کر دیا تو میں تمہیں وہاں رہائش پذیر غیلان کی بیٹی بتلاؤں گا جو موٹی تازی ہے، چلتے وقت اس کے جسم میں آگے پیچھے اتنے اتنے بل پڑتے ہیں۔ نبی ﷺ نے اس کے یہ الفاظ سنے تو فرمایا:

﴿لَا يَدْخُلْنَ هَذَا عَلَيْكُمْ﴾

صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب ما یمنی من دخول المتشعبین بالنساء علی المرأة، حدیث، 5235

”یہ تمہارے گھروں میں داخل نہ ہوں۔“

﴿24﴾ عورت کی خدمات کا اعتراف کرے ﴿﴾

حسن معاشرت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مرد عورت کی ان خدمات کا اعتراف کرے جو ایک عورت گھر کے اندر رہ کر شب و روز سرانجام دیتی ہے۔
جیسے:

- گھر کی صفائی
- کھانا پکانا اور انواع و اقسام کی ہانڈیاں تیار کرنا۔
- افراد خانہ کے کپڑے دھونا۔
- بچوں کی خبر گیری کرنا، ان کی خوراک وغیرہ کا خیال رکھنا۔
- آئے گئے مہمانوں کی خاطر تواضع کرنا۔
- خاوند کی خدمت اور اس کی خواہش پوری کرنا۔
- سلیقہ مندی اور گھڑ پن سے گھر کا انتظام چلانا۔
- رشتے داریوں اور ان کے تقاضوں کو نبھانا۔
- شادی شدہ بیٹیوں اور بیٹوں کے بچوں کا خیال رکھنا۔
- مستقبل کی منصوبہ بندی اور اس کو اپنے لیے اور پورے کنبے کے لیے زیادہ سے زیادہ روشن بنانے کی سعی پیہم اور جہدِ مسلسل کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

﴿ ایک کتاب کے فاضل مؤلف کی صراحت ﴾

ایک کتاب کے فاضل مؤلف نے عورت کی خدمات کا بڑے مؤثر انداز میں تذکرہ کیا

ہے، اس کی افادیت کے پیش نظر ہم اپنے قارئین کی خدمت میں اسے پیش کرتے ہیں۔
 ”بعض نادان لوگ سمجھتے ہیں کہ عورت کا خانگی اور گھریلو کام آسان ہوتا ہے۔ لہذا نادان
 بھر صرف انہی کاموں کے لیے فارغ رہنا ایسا ضروری نہیں ہے۔ یہ گمان جہالت پر مبنی
 ہے اس لیے کہ بچوں کی تربیت جیسی اہم ذمے داری جب تک عورت کے کاندھے پر ہوتی
 ہے اس کے لیے فرصت ضروری ہے تاکہ اپنی ذمے داری کو حدیث میں بتائے ہوئے
 طریقہ کے مطابق نبانے کے لیے اسے کچھ پڑھنے اور بکثرت مشاہدے کا موقع ملے۔
 مزید برآں اسے اپنا ذہن یکسو اور دل کو مطمئن رکھنے کے لیے بھی وقت درکار ہوتا ہے تاکہ
 ایسے زوردار اثر احساس اور تیز جذبے سے محفوظ ہو جس کا راست اثر پیٹ کے اندر یا دودھ
 پینے والے بچے پر پڑتا ہے اور بدترین اندیشہ سامنے آتا ہے۔ علم نفسیات کے تجربے اور
 مشاہدے سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ڈاکٹر محمد حسین لکھتے ہیں:

”یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ عورت کا پہلا کام یعنی بچہ پیدا کرنا اور نسل انسانی کی
 حفاظت کرنا ایسا عمل ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور انجام نہیں دے سکتا۔ مرد کے
 جسمانی اعضاء کی بناوٹ پیٹ میں بچہ پالنے یا دودھ پلانے کے لائق ہرگز نہیں
 ہوتی۔ اب اگر عورت کو شدت سے کام میں جوڑ دیا جائے تو ظاہر ہے اس کے دل
 و دماغ اور اعصاب پر اس کا اچھا اثر مرتب نہیں ہوگا۔

نیز یہ بھی طے شدہ حقیقت ہے کہ اس قسم کے گہرے اثرات عورت کے دل سے
 ہو کر حمل کی حالت میں رہنے والے پیٹ کے بچے پر براہ راست پڑتے ہیں اسی
 طرح شیر خوار بچے بھی ان اثرات سے کسی طرح خود کو نہیں بچا سکتا۔ موروثی اثرات
 کے بعض ماہرین یہاں تک کہتے ہیں کہ ماں اور باپ پر جو حالت یا کیفیت جنسی
 ملاپ یا (ماں پر) حمل کے دوران طاری ہوتی ہے اس کا تمام تر اثر بچے کی عادت

اور طبیعت پر پڑتا ہے جن عورتوں کو حمل کی مشقت اٹھانی پڑتی ہے، پیٹ کے اندر بچے کی حفاظت اور پیدائش کے بعد ان کی تربیت اور نگہداشت جن کے ذمہ عائد ہوتی ہے، ایسی تمام خواتین کے لیے ضروری ہے کہ اعصابی ہیجان سے دور رہیں اور کوئی مشقت کا ایسا کام نہ کریں جس سے عضلات اور دماغ سخت مکان کا شکار ہو جائے۔ ورنہ اس کے اثرات زیر پرورش پیٹ کے بچے یا شیرخوار پر گہرے اور بدترین پڑیں گے اور تادیر باقی رہیں گے۔ ظاہر ہے اس ذمہ داری کو سنبھالنا بھی اہم فریضہ اور جاگلسل مشغلہ ہے جس میں نسل انسانی کی بقا افزائش اور ترقی مضمر ہے۔ اس مرحلہ سے عہدہ برآ ہونے کے بعد یہ بھی ضروری ہے کہ اہلیہ اپنے بچوں پر کامل توجہ صرف کرنے کے لیے پوری طرح فرصت سے رہے، اپنے جسم، عقل اور اپنی عادات و اطوار کو اس طرح قابو میں رکھے کہ تندہی سے ان بچوں میں اعلیٰ تعلیم اور اخلاق اور نیک کردار کا بیج بوسکے اور بری عادت سے انھیں بچا سکے۔ اور یہ کام ایک دو بار حکم دینے یا منع کرنے سے نہیں ہوگا بلکہ اس کے لیے مسلسل نگرانی کڑی توجہ اور پوری دیکھ بھال ضروری ہے تاکہ بچوں کے اندر یہ صلاحیتیں راسخ ہو جائیں۔

بچوں کو کسی غلط کام پر پے در پے ٹوکنا اور مسلسل اس کے لیے بیدار ہونا بھی طبیعتوں میں غلط چیز راسخ ہونے سے حفاظت کا سبب بنتا ہے۔ یہ نگرانی جس سے اگر غفلت نہ برتی گئی، صبر اور ثابت قدمی سے اس پر عمل کیا گیا اور کسی قسم کی اکتاہٹ روانہ رکھی گئی تو اس میں شک نہیں کہ بچوں اور بچیوں میں غلط افکار جڑ پکڑنے سے پہلے کامل طریقہ سے ان کی بیخ کنی ہوگی اور ان کا علاج مشکل نہ ہوگا۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ بچہ صرف حمل یا شیرخوارگی کے دوران ہی اپنی ماں کے اثرات کو قبول کرتا ہے اور اس سے ربط قائم رکھتا ہے، تو ظاہر ہے یہ نظریہ انسان کو

حیوان کی صفت میں کھڑا کر دینے کے مترادف ہے۔ اس لیے کہ یہ انسان کی خصوصیت ہے کہ وہ غذائی پرورش کے ذریعہ ہی نہیں بلکہ اخلاقی اور ذہنی نگہداشت اور پرورش کے ذریعہ بھی اپنے اوصاف کو بچے کے اندر منتقل کرتا ہے۔ جب کہ حیوان اس جوہر سے یکسر خالی ہوتا ہے۔ انسانی ترقی اور حیوانوں سے اس کے افضل ہونے کا یہ بھی ایک سبب ہے۔ اس طریقہ سے نئی نسلیں اپنی پیش رو نسلوں سے تجربے حاصل کرتی ہیں علم و آگہی کا سبق سیکھتی ہیں جس سے وہ اپنا فرض کا حقہ انجام دیتے ہیں۔ اور تجربے کرنے میں جو وقت اور محنت صرف ہوتی ہے انھیں اس سے نجات مل جاتی ہے۔

اور اگر کسی عورت نے خود ان کاموں کو انجام دینے کی بجائے اپنے بچوں کی نگہداشت اور پرورش کے لیے اپنے نوکروں اور خادموں پر اعتماد کیا، تو ان کی ترقی رک جائے گی۔ کیونکہ ماں جس قدر توجہ اور سرگرمی سے اپنے بچوں کے لیے وقت صرف کر سکتی ہے، جتنے اخلاص اور دردمندی سے وہ کام کر سکتی ہے، اس کا سوا حصہ بھی اس کے علاوہ کسی اور میں نہیں پایا جاسکتا کیونکہ ماں کے اخلاص اور پرورش کی شدید خواہش کے پیچھے اس کے متابھرے جذبات ہوتے ہیں اور اس معاملہ میں نوکروں اور ماتحتوں پر اعتماد کرنے سے تربیت اور پرورش کا وہ پہلا معیار قطعاً برقرار نہیں رہ سکتا۔ خواہ نوکروں سے کتنی ہی اعلیٰ درجے کی خدمت لی جائے۔ خواہ ترقی اور کمال کے لیے بڑے سے بڑا وسیلہ اختیار کیا جائے اور ان خیانتوں اور سستی اور غفلت سے صرف نظر کیا جائے، جس کا نوکروں کی طرف سے روزمرہ کی زندگی میں بارہا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

اور آج جو دفاتر میں کام کرنے والی ماؤں نے اپنا دودھ پلانے کی بجائے مصنوعی طریقہ استعمال میں لانا شروع کر رکھا ہے ہماری نظر میں یہ امانت میں خیانت، حدود سے تجاوز اور سنت الہیہ کو بگاڑ دینے کے مترادف ہے۔ اس لیے کہ اللہ نے

عورت کو چھاتی اس لیے نہیں دی کہ نائٹ کلبوں میں اس کا مظاہرہ کیا جائے اور سڑکوں اور شاہراہوں پر اپنے حسن و جمال کی نمائش کی جائے۔ بلکہ اس کی تخلیق کا اصل مقصد یہی شیر خوارگی ہے پھر شیر خوارگی کا یہ عمل صرف ایک عضو کا استعمال نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے شفقت مادری اور مضبوط عہد و پیمانہ کا رشتہ ہوتا ہے اور آج شیر خوارگی کے ان مصنوعی طریقوں کو دیکھ کر یہ اندیشہ محسوس ہوتا ہے کہ خدا نخواستہ مستقبل میں ایسے طریقے نہ ایجاد کر لیے جائیں جن میں مرد کے نطفہ کو ماں کے رحم سے ہٹا کر کہیں اور اس کی پرورش کی جائے تاکہ عورت کو حمل کی مشقت اور خوبصورتی کے زائل ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔

اس صدی کے آغاز میں اٹھنے والی تعلیم نسواں کی تحریک ابتدا میں بکثرت اس بات کا پروپیگنڈہ کرتی تھی کہ بچوں کی بہتر تعلیم و تربیت کے لیے یہ ضروری ہے کہ عورت خود بھی تعلیم و تربیت یافتہ ہو۔ لیکن جب عورت زیور تعلیم سے آراستہ ہوئی تو یہ تحریک اپنا پچھلا پروپیگنڈہ خود بھول گئی یا بھلا دی گئی۔ اور اب وہ یہ کہنے لگے کہ عورت مرد کے شانہ بشانہ مردوں کی طرح خود بھی کام کرے۔ ظاہر ہے ان کا یہ عمل ان کے پچھلے پروپیگنڈے کے اندر موجود کھوٹ کی غمازی کرتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اس پروپیگنڈے اور مشن کے پیچھے کون سے اغراض و مقاصد کارفرما تھے جو ان کے قول و فعل کے تضاد کا باعث بنے۔

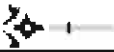
علاوہ ازیں ہم چاہیں تو عورتوں اور خود اپنے آپ کے دشمن ان لوگوں کو جنہیں اخبارات اور رسالے عورتوں کے نام نہاد حامی اور معاون لکھتے آرہے ہیں یہ کہہ سکتے ہیں کہ دیکھو! عورت محنت کی عادی نہیں نہ ایسے تمام کاموں کو وہ انجام دے سکتی ہے جنہیں مرد کرنے کی سکت رکھتا ہے۔ کیونکہ تکوینی طور پر عورت مہینہ میں کم و بیش ایک ہفتہ حیض سے ہوتی ہے۔ یہ حالت قریب قریب مرض کی حالت ہے۔ جس کے تحت عورت روزمرہ کے بہت سارے کام حسب معمول انجام نہیں دے

سکتی۔ اس کے بعد جب اسے حمل ٹھہرتا ہے تو قرار حمل کے ابتدائی دنوں میں اسے کافی مکالیف اور متعدد بیماریاں آگھیرتی ہیں۔ حمل کے آخری دنوں میں اس کی حالت کبھی ایسی ہو جاتی ہے جیسے اس کا بدن ٹوٹ کر شل ہو گیا ہو۔ پھر ایک مزدور عورت اگر غیر شادی شدہ ہے تو اس کا المیہ یہ ہے کہ اسے مناسب شوہر کی تلاش ہوتی ہے، وہ یہ کوشش کرتی ہے کہ ایسی ہر جگہ سے صاف بچ کر نکل جائے، جہاں اس کی نگاہیں خیرہ اور نظریں چکا چوند ہوتی ہوں۔ اور بچ کر یہ نکل جانا کبھی اس کے لیے نئے شوہر کی تلاش سے زیادہ خطرناک اور مشکل ہو جاتا ہے۔

عورت کے ان دوست نہاد شمنوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ عورت کا گھر بیٹھے رہنا اس کے حقوق کو تلف کرنے اس کی شخصیت کو ختم کرنے اور اس کے وجود کو تہس نہس کر دینے کے برابر ہے۔ حالانکہ جیسے زندگی کو الٹے کا فور کہا جاتا تھا اسی کے مصداق یہ بھی ہوگا کہ جو محفوظ ہو جس کی خدمت کی جائے اور جس کی ایک ایک ضرورت پوری کی جائے ایسی ذات کو آزادی نسواں جیسی کتابوں کے مصنف کی طرح ہم قیدی اور نظر بند کا نام دینے لگیں۔ حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ ایک عورت پردے کے پیچھے رہ کر بھی باعزت، شان و شوکت والی اور اپنے شوہر پر حکومت کرنے والی ہوتی ہے۔ اسے کسی دن یہ احساس نہیں ہوتا کہ اس کے حقوق پامال کیے گئے ہیں یا وہ مظلوم و مجبور ہے، یا قیدی اور نظر بند ہے یا اس کی عزت نفس داغدار اور شخصیت مجروح ہو چکی ہے۔ بلکہ اس قسم کی نفرت کا مظاہرہ آئے دن انھی اہل قلم لوگوں کی تحریروں سے ہوتا ہے جو نام نہاد ”حقوق نسواں“ کا بیڑ لگا کر نکل پڑے ہیں۔ اس ذہنیت کا شکار صرف مرد ہیں عورتیں ان کے ساتھ قطعی شریک نہیں ہیں۔ اور ان کا مقصد مردوں کی زندگی بگاڑنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ پھر زندگی تو درحقیقت سکون و اطمینان کا نام ہے جس میں لوگ اپنے لیے برکت اور ثابت قدمی کی راہیں تلاش کر سکیں۔ جب کہ اس نام نہاد تحریک کی پیدا کردہ

عورتوں مردوں کے اندر اس پورش اور بغاوت کی غرض صرف یہ ہے کہ ان کے اندر سکون اور چین کے بجائے کشمکش، اضطراب اور بے چینی پیدا کی جائے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہر دو کے اندر محبت اور رافت و رحمت پیدا ہو، تاکہ کائنات کی آباد کاری اور نسل انسانی کی حفاظت اور بقا کا مرحلہ آسان ہو۔

صحت مند سماج کی بنیاد ہی ہمیشہ باہم میل محبت، رحم دلی اور سچائی پر مبنی ہوتی ہے۔ تاکہ سماج کا ہر فرد خوشی خوشی اپنا فرض منصبی انجام دے سکے۔ اسے کسی اکتاہٹ اور بے چینی کا احساس نہ ہو۔ سماج کی حالت ایک جسم کی ہوتی ہے جس کا ہر عضو اپنا کام کرنے اور اپنی ڈیوٹی پوری کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ اگر ایک عضو بھی اپنے فرض منصبی کی ادائیگی سے رک جاتا ہے تو پورا نظام بگڑ کر رہ جاتا ہے۔ یہ اللہ کی بے عیب اور بلند ذات بابرکات ہے جس نے ہر چیز کو مناسب طریقے سے پیدا فرمایا، پھر اسے راستہ پر لگادیا۔ اسی نے ایک ایک فرد کو اور کائنات کے ذرے ذرے کو خواہ وہ حیوانات و نباتات یا جمادات ہوں، یا کوئی اور ہوں، غرض سب کو خاص کاموں کے لیے پیدا کر رکھا ہے۔ ان کے اندر مناسب طبیعتیں بنائی ہیں اور انھی کاموں کا انھیں خوگر بنا ڈالا ہے۔ ہماری موجودہ اور نئی سے نئی زندگی اپنے ہر میدان میں بس اسی شاہراہ پر گھومتی ہے علم و حکمت کا صیغہ ہو، یا صنعت و حرفت کا کل پرزہ ہو۔ آج ہر پہیہ بڑی باریکی، نزاکت اور صفائی کے ساتھ اسی ڈگر پر گھوم رہا ہے جہاں اسے جوڑ دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ترقی و تربیت کے جدید اصول اس کے لیے کوشاں ہیں کہ تحقیق و جستجو کے بعد بچوں اور بچیوں کی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کیا جائے، تاکہ ہر کوئی اپنے نکلونی فرائض اور مخصوص ذمہ داریوں کو انجام دے سکے۔ جب دیگر عناصر کے لیے اس قسم کی تخصیص اور مناسب کارکردگی کی کوشش کی جاتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ مردوں عورتوں کے لیے اس کے مخالف کوشش کی جائے اور ان کے نکلونی کاموں سے انہیں علیحدہ



رکھا جائے۔

سچ پوچھیے تو ایک مرد جو گھر کے باہر کام کرتا ہے اور محنت و مشقت کے بعد تھک کر چور ہو جاتا ہے، اسے ایسی بیوی کی ضرورت ہوتی ہے جو آراستہ و پیرااستہ ہو، خوشبو میں بسی ہوئی ہو، آسودہ حال اور فارغ البال ہو، جس سے مرد سکون حاصل کرے اس کی قربت سے اس کی تھکن کا فور ہو، بڑھ مردگی اور اس کی ایک ایک پریشانی کا ازالہ ہو۔ لوگوں کے ساتھ مصروف رہ کر تنگی اور شکر رنجی جو طبیعت میں بس جائے اور جس اکتاہٹ کا وہ شکار ہو اس سب کا خاتمہ ہو۔ اس کے بجائے اگر عورت نے محنت و مشقت کے میدان میں قدم رکھا تو شوہر اور بال بچوں کی رعایت وہ بھلا کیسے کرے گی اس لیے کہ کام کے بعد وہ بھی تھک کر چور لوٹے گی جیسے ابھی مرد لوٹا ہے۔ اب تھکا ہوا تھکے ہوئے سے کس طرح تسلی پاسکتا ہے؟ ان میں سے کس کا دل گردہ ہے جو بچوں کے ساتھ ہنسی مذاق اور دل لگی کرے، ان کی تربیت اور انہیں خوش رکھنے کے پتہ مارنے والے کام کو با آسانی انجام دے سکے۔ اور اگر خدا نخواستہ مرد وزن نے یہ وطیرہ اختیار کر لیا تو ان کی زندگی کا بس اللہ ہی نگہبان ہے۔ اس صورت میں ان کی زندگی اذیت و تکلیف اور بدبختی کا دوسرا نام ہوگی، اور پھر سماج کے یہ افراد خواہ مرد، عورت ہوں یا جوان اور بچے ہوں، ان کی حیثیت زندگی کی مشینری میں ان بے جان کل پرزوں کی سی ہوگی جن کی قسمت میں سکون اور ٹھہراؤ نہیں۔ ان کا کام بس چلتے رہنا اور گھستے رہنا ہے۔

ہر بصیرت اور ادنیٰ شعور رکھنے والا اس حقیقت کو سمجھ سکتا ہے کہ اس پہلو سے آج امریکن اور یورپین سماج پر زلت اور ناکامی کے آثار چھائے ہوئے ہیں اور ابھی تو یہ آثار اور بھی گہرے ہوں گے اس لیے کہ تمام خرابیاں ابھی جڑ تک نہیں پہنچیں۔ بہر کیف یورپ کی موجودہ ذلت کی ماری نئی پود کا تعلق ایسے ماں باپ سے ہے، جو حیران و پریشان اور گم کردہ راہ ہیں جن کے اعصاب ٹوٹ چکے ہیں، جن کے

افکار پر آگندہ اور جن کے دل سخت بے چینی کا شکار ہیں اور گراؤٹ کا یہ اونچا تناسب..... جس کے کل اعداد و شمار کو مغربی ماہرین نے فراہم کیا ہے اس کے اندر بے راہ روی اور کجی اپنے پورے رنگ اور پوری نوعیت کے ساتھ جھلکتی نظر آتی ہے یہ مظاہر اور آثار اس تجربہ کے آئینہ دار ہیں جو یورپ نے عورت کے اوپر اب تک کئے ہیں۔ اس لیے کہ یہ نئی نسل تمام تر انھی مزدور اور ملازم پیشہ خواتین کی اولاد ہیں، جنہوں نے ماں کے پیٹ سے مشقت اور کام کے دباؤ کو محسوس کیا ہے۔ اور جب انہوں نے جنم لیا تو یہ ان کی سستی، غفلت اور بے توجہی کا شکار ہوئے۔ اس تجربے کے ناکام ہونے کے بعد کیا پھر کوئی کسی قسم کے تجربے کی جرأت کر سکتا ہے؟ کیا لوگ اب بھی غور و فکر نہیں کریں گے؟

عورتوں کے ان نام نہاد حمایتیوں کے پاس ان کے گمان کے مطابق جو دلیل اور ثبوت ہیں جن کی بنیادیں تمام تر مغالطے پر مبنی ہیں۔ ان کا سب سے بڑا مغالطہ یہ ہے جو وہ سمجھتے ہیں کہ عورت کے گھر میں رہنے سے تقریباً آدھا سماج معطل اور بیکار ہو کر رہ جائے گا۔ گویا ان کے کہنے کا منشا یہ ہے کہ عورت کے لیے گھر میں کوئی کام نہیں ہے۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ عورتوں کی گھریلو ذمہ داری، شوہر کی نگہداشت اور خدمت، بال بچوں کی تربیت اور پرورش اور ان کی طرح طرح کی ضروریات کی تکمیل بذات خود اتنی اہم ہوتی ہے جو عورتوں کا پورا وقت لے لیتی ہے بشرطیکہ عورت کا حقہ اس فریضہ کو انجام دے۔ ورنہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ فرائض کی تکمیل کے لیے پھیلا ہوا وقت بھی تنگ پڑ جاتا ہے۔ ہمارے اس دعوے پر مسکت دلیل جو مخالف کو تقریباً خاموش کر سکتی ہے وہ یہ ہے کہ کام کرنے والی مزدور خواتین ہمیشہ یہ عذر پیش کرتی ہیں کہ جو کام وہ نہیں کر سکتیں ان کی تلافی کے لیے کچھ مرد یا عورت ملازم رکھ لیے جائیں۔ ظاہر ہے اس صورت میں حکومت کی آمدنی میں کون سی ایسی کمائی

یا اضافہ ہو سکتا ہے کہ عورت گھر کے باہر کام کے لیے نکلے۔ اور اس کے پیچھے پیچھے ایک یا دو آدمی ایسے ہوں جنہیں وہ کام سے الگ کیے رہے۔ کیا اس کو اقتصادیات کی اصطلاح میں نفع بخش آدمی کہا جاسکتا ہے اور کیا یہ خود خرابی اور خلل کا پیش خیمہ نہیں ہے کہ عورت گھر کے باہر مردوں کا کام کرے اور کام کرنے والے لوگوں میں سے ایک یا دو آدمی کم ہو کر گھر میں اس عورت کے چھوڑے ہوئے کاموں کو انجام دیں۔ اور اس طرح باضابطہ اور بے ضابطہ ایسے بیکار لوگ لسٹ میں باقی رہیں جن کے نقصان کا کوئی اثر نفع یا خسارے کے بجٹ میں کہیں نظر نہ آئے۔ اور اگر اس کو درست تسلیم کیا گیا کہ سماج کے نصف بے کار مزدوروں کو کام ملے اس لیے عورت کو کام میں لگانا چاہیے۔ تو اس سے تو یہ لازم آئے گا کہ سماج کے جملہ مزدوروں کو کام سے ہٹا دیا جائے تاکہ ایک عورت کو عوامی کام دیا جاسکے۔“¹

¹ ہمارے قلعوں کو درپیش اندرونی خطرات، ص: 147-153۔ بحوالہ تجزیہ العروس، ص: 303-310

حقوقِ مردوں

یعنی

بیوی کے ذمے خاوند کے حقوق

بیوی کے ذمے خاوند کے حقوق

مرد کے ذمے بیوی کے جو حقوق ہیں جن کا ادا کرنا مرد کے لیے ضروری ہے، ان کی تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان ہوئی ہے۔ اب ملاحظہ فرمائیں مرد کے وہ حقوق جو ایک عورت (بیوی) پر عائد ہوتے ہیں یعنی جن کا ادا کرنا عورت کے لیے ضروری ہے۔

مرد اور عورت انسانی زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں، دونوں پہیے رواں دواں ہوں گے یعنی دونوں کی کارکردگی صحیح اور یکساں ہوگی تو دونوں کی زندگی، جو ایک ہی گاڑی کے سوار ہیں، نہایت خوش گوار گزرے گی، اسی طرح میاں بیوی اگر ایک دوسرے کے حقوق و فرائض صحیح طریقے سے اور خوش اسلوبی سے ادا کریں گے تو زندگی کے تمام نشیب و فراز میں وہ کامیاب اور سرخ رو رہیں گے، ان کے ملاپ سے ہونے والی نسل بھی سرسبز و شاداب ہوگی جن کے ثمرات و فوائد سے یہ دونوں میاں بیوی بھی فیض یاب ہوں گے اور یہ سعادت مند اولاد ان کے لیے عصائے پیری (بڑھاپے کا سہارا) ثابت ہوگی۔

امہات المؤمنین کے لیے بیان کردہ احکام میں تمام صفت کے لیے دعائی

سب سے پہلے ان عمومی صفات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن سے ہر مومن عورت کو متخلف ہونا چاہیے، ان صفات سے آراستہ عورت کے لیے ان خصوصی صفات کا اپنے اندر پیدا کرنا آسان ہو جاتا ہے جو شوہر کے حقوق کی ادائیگی کے لیے ضروری ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے لیے، جن کو اس نے امہات المؤمنین (مومنوں کی مائیں) قرار دیا ہے، قرآن مجید میں چند احکام بیان فرمائے ہیں۔ فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا النِّسَاءُ اتَّقِيْنَ كَمَا تَقُوْنَ اِنَّ النِّسَاءَ اِنْ اتَّقَيْنَ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهِ مَرْۢضٌ وَّ قُلُوْا مَعْرُوْفًا وَّ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ وَّلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُولٰٓى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاَتَيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَاَطِعْنَ الرَّسُوْلَ اِنَّمَّا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيرا ۗ وَاذْكُرْنَ مَا يُكَلِّمُ فِيْ بُيُوْتِكُمْ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿٣٤﴾ (الأحزاب: 32-33)

”اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم متقی و پرہیزگار ہو تو (کسی بھی غیر محرم سے) آہستگی اور نرمی سے (لوچ دار لہجے میں) بات نہ کیا کرو کہ پھر وہ شخص، جس کے دل میں روگ ہو، طمع و لالچ کرنے لگے، اور تم سیدھی صاف اچھی بات (سختی سے) کہا کرو۔ اور تم اپنے گھروں میں ٹک کر رہو، اور گزشتہ دور جاہلیت کی طرح اپنی زیب و زینت کی نمائش نہ کرتی پھرو، اور نماز قائم

کرو اور زکوٰۃ دو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اے اہل بیت! بس اللہ تو چاہتا ہے کہ وہ تم سے ناپاکی دور کر دے، اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے۔ اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیات اور سنت (کی باتیں) پڑھی جاتی ہیں وہ یاد کرو، یقیناً اللہ نہایت باریک بین، خوب باخبر ہے۔“

ان آیات کی مختصر تفسیر حسب ذیل ہے:

① پہلے جملے میں فرمایا: تمہاری حیثیت اور تمہارا مرتبہ عام عورتوں کا سا نہیں ہے بلکہ اللہ نے تمہیں رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کا جو شرف عطا فرمایا ہے اس کی وجہ سے تمہیں ایک خاص امتیازی مقام حاصل ہے چنانچہ انہیں ان کے مقام و مرتبے سے آگاہ کر کے انہیں کچھ ہدایات دی جا رہی ہیں۔ ان کی مخاطب اگرچہ ازواج مطہرات ہیں لیکن انداز بیان سے صاف واضح ہوتا ہے کہ مقصد پوری امت مسلمہ کی عورتوں کو سمجھانا اور متنبہ کرنا ہے اس لیے یہ ہدایات تمام مسلمان عورتوں کے لیے ہیں۔

② اللہ تعالیٰ نے عورت کے وجود کے اندر مرد کے لیے جنسی کشش رکھی ہے (جس کی حفاظت کے لیے بھی خصوصی ہدایات دی گئی ہیں تاکہ عورت مرد کے لیے فتنے کا باعث نہ بنے۔) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی آواز میں بھی فطری طور پر دل کشی، نرمی اور نزاکت رکھی ہے جو مرد کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ بنا بریں اس آواز کے لیے بھی یہ ہدایت دی گئی ہے کہ مردوں سے گفتگو کرتے وقت قصداً ایسا لب و لہجہ مت اختیار کرو جس میں نرمی اور لطافت ہو بلکہ قاعدے کے مطابق کلام کرو تاکہ کوئی بد باطن لہجے کی نرمی سے تمہاری طرف مائل نہ ہو اور اس کے دل میں برا خیال پیدا نہ ہو۔

③ بات اگرچہ نرم لہجے کے ساتھ کرنا منع ہے تاہم زبان سے ایسا لفظ بھی نہ نکالنا جو معروف قاعدے اور اخلاق کے منافی ہو۔

4 ﴿انِ اتَّقِيْنَ﴾ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ یہ بات اور دیگر ہدایات جو آگے آرہی ہیں، متقی عورتوں کے لیے ہیں کیونکہ انھیں ہی یہ فکر لاحق ہوتی ہے کہ ان کی آخرت برباد نہ ہو جائے۔ جن کے دل خوف الہی سے عاری ہیں انھیں ان ہدایات سے کیا تعلق؟ اور وہ کب ان ہدایات کی پروا کرتی ہیں؟

5 ”گھروں میں ٹنک کر رہو“ اور بغیر ضروری حاجت کے گھر سے باہر نہ نکلو، اس میں وضاحت کر دی گئی کہ عورت کا دائرہ عمل امور سیاست و جہان بینی نہیں، معاشی جھیلے بھی نہیں بلکہ گھر کی چار دیواری کے اندر رہ کر امور خانہ سرانجام دینا ہے۔

6 پھر گھر سے باہر نکلنے کے آداب بتلا دیے کہ اگر باہر جانے کی ضرورت پیش آجائے تو بناؤ سنگھار کر کے یا ایسے انداز سے جس سے تمہارا بناؤ سنگھار ظاہر ہو، مت نکلو۔ جیسے بے پردہ ہو کر نکلو جس سے تمہارا سر، چہرہ، بازو اور چھاتی وغیرہ لوگوں کو دعوتِ نظارہ دے بلکہ بغیر خوشبو لگائے، سادہ لباس میں ملبوس اور باپردہ باہر نکلو۔

7 ”تہنّج“ بے پردگی اور زیب و زینت کے اظہار کو کہتے ہیں قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ یہ تبرج جاہلیت ہے جو اسلام سے پہلے تھی اور آئندہ بھی جب کبھی اسے اختیار کیا جائے گا، یہ جاہلیت ہی ہوگی، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے چاہے اس کا نام کتنا ہی خوش نما اور دل فریب رکھ لیا جائے۔ برائی سے اجتناب کی ہدایات کے بعد نیکی اختیار کرنے کی ہدایات دی جا رہی ہیں لیکن ضمناً ”اہل بیت“ کی وضاحت بھی فرمادی کہ اس سے مراد کون ہیں؟

8 یہاں قرآن کریم کے سیاق سے واضح ہے کہ ازدواجِ مطہرات نبی ﷺ کی بیویوں کو ﴿اهل البیت﴾ کہا گیا ہے۔ قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی بیوی کو اہل بیت

حقوق مردوں

کہا گیا ہے، مثلاً: (سورہ ہود 11 / 73) میں۔ اس لیے ازواجِ مطہرات کا اہل بیت ہونا نصِ قرآنی سے واضح ہے۔

بعض لوگ بعض روایات کی رو سے اہل بیت کا مصداق حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو مانتے ہیں اور ازواجِ مطہرات کو اس سے خارج سمجھتے ہیں۔ لیکن ایسا سمجھنا قرآن کی صراحت کے خلاف ہے۔ حقیقت میں دونوں ہی اہل بیت ہیں۔ ازواجِ مطہرات تو اس نصِ قرآنی کی وجہ سے اور حضرت علی و فاطمہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما ان روایات کی رو سے جو صحیح سند سے ثابت ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی چادر میں لے کر فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ”فتح القدير“، ملکشوکانی رحمۃ اللہ علیہ۔

9 جن نیکیوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان میں:

نماز پڑھنا ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔

اللہ رسول کی اطاعت کرنا ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت اور حکمت کی تلاوت کرنا ہے۔

حکمت سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے جس کو حدیث بھی کہا جاتا ہے۔

10 مذکورہ نیکیاں کرنے کا فائدہ کیا ہے؟ وہ بھی بیان فرما دیا، وہ تطہیر ہے یعنی گناہوں سے پاکیزگی اور اخلاق و کردار کی کمزوریوں سے پاکیزگی۔

جب ایک مسلمان چاہے مرد ہو یا عورت، مذکورہ احکامِ الہی کا پابند، اللہ رسول کی اطاعت کرنے والا اور قرآن و حدیث کو اپنے فکر و نظر اور علم و عمل کا محور بنا لے تو اس کے

حقوق مرداں

عقائد کی بھی تطہیر ہو جاتی ہے اخلاق و کردار کا بھی تزکیہ ہو جاتا ہے اور آخرت کی زندگی سنوارنے کا جذبہ بھی تو انا اور قوی ہو جاتا ہے جس کے بعد ہر برائی سے بچنا اور ہر نیکی کا کرنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ اور ایسے مسلمان مرد و عورت، جو حقوق اللہ کے پابند ہو جاتے ہیں، حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی کا ارتکاب بالعموم نہیں کرتے۔



مشترکہ حقوق

وہ حقوق جن کی امانگی میاں بیوی دونوں کے لیے ضروری ہے

اب ملاحظہ فرمائیں شوہر کے وہ حقوق جو عورت کے ذمے ہیں، یعنی جن کا ادا کرنا عورت کے فرائض میں داخل ہے۔ لیکن اس سے پہلے چند وہ حقوق بیان کیے جاتے ہیں جو مرد و عورت کے درمیان مشترک ہیں یعنی دونوں ہی کو ان کی پاسداری کرنی ہوتی ہے۔ مثلاً ﴿پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ جس میں مرد کو عورت کے ساتھ گزارا کرنے کے لیے یہ گڑ بتلایا گیا تھا کہ اس کی اگر ایک بات ناپسندیدہ ہوگی تو کچھ دوسری باتیں پسندیدہ بھی ہوں گی۔ مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ کمزوریوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کر کے اگر خوبیوں پر نظر رکھی جائے تو پھر نباہ آسان ہو جاتا ہے۔ حدیث میں یہ بات اگرچہ عورت کے حوالے سے بیان ہوئی ہے اور مخاطب مرد ہیں۔ لیکن اگر عورت بھی اس پر عمل کرے اور خاوند کی کوتاہیوں کو نظر انداز کر کے اس کی خوبیوں پر نظر رکھے تو اس کے لیے بھی مرد کے ساتھ نباہ آسان ہو جائے گا، یعنی یہ نسخہ نبوی یا نباہ کرنے کا گڑ دونوں (میاں بیوی) کے لیے نہایت مفید اور کارآمد ہے۔ کاش مسلمان گھرانے اس پر عمل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَعَلَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَأْنُكُمْ﴾ [البقرہ 216]

”تم کسی چیز کو اچھی سمجھو، حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو“

مشترکہ حقوق

② حسن معاشرت کے تقاضوں کو بیان کرتے ہوئے عرض کیا گیا تھا کہ مرد کسی بھی بات یا مسئلے کو انا اور وقار کا مسئلہ نہ بنائے۔ اسی طرح عورت کے لیے بھی یہی راستہ بہتر بلکہ مرد کے مقابلے میں زیادہ ضروری ہے۔ عورت کسی بھی مسئلے میں نہ اپنی رائے پر اصرار کرے اور نہ اسے انا کا مسئلہ بنائے۔ بلکہ خاوند کے قدم بہ قدم چلے۔ بالخصوص جب بچے جو ان ہو جائیں تو ان کے رشتوں کے معاملے میں بعض دفعہ میاں بیوی کے درمیان اختلاف ہو جاتا ہے، عورت اپنے رشتے داروں میں اور مرد اپنے رشتے داروں میں رشتہ کرنا چاہتا ہے۔ ایسے موقع پر کوئی بھی اسے اپنی انا کا مسئلہ بنائے، نہ رشتے داروں کو دیکھا جائے بلکہ ایک تو شرعی معیار کو سامنے رکھا جائے، دوسرے بچے، بچی کے جذبات اور ان کی پسند کا خیال رکھا جائے۔

③ خرچ کے معاملے میں عرض کیا گیا تھا کہ مرد نہ بخل کا ارتکاب کرے اور نہ فضول خرچی کا، بلکہ اعتدال اور میانہ روی کو اختیار کرے۔ عورت کو بھی ایسا ہی رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ اگر اخراجات اس کے ہاتھ میں ہوں تب بھی اور اگر خاوند کے ہاتھ میں ہوں تب بھی۔ اور وہ اس طرح کہ وہ مرد کو فضول خرچی یا بخل پر آمادہ نہ کرے۔ فضول خرچ عورت کے ناجائز مطالبات اکثر و بیشتر مردوں کو حرام ذرائع آمدنی اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ عام طور پر جو لوگ کہتے ہیں کہ تنخواہ میں یا حلال آمدنی میں گزارا نہیں ہوتا، اس لیے رشوت یا ملاوٹ کے بغیر چارہ نہیں۔ اس کے پیچھے ایمانی کمزوری کے علاوہ ایسی ہی بیویاں ہوتی ہیں جو شوہر کی آمدنی کو دیکھے بغیر آئے دن ایسے مطالبات کرتی رہتی ہیں جو غیر ضروری ہوتے ہیں اور جن کو صرف حلال آمدنی سے پورا کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

مشترکہ حقوق

ظاہر بات ہے اس حرام خوری اور لوٹ کھسوٹ میں جو مرد و محض عورت کے مطالبات کی وجہ سے ملوث ہوتا ہے تو عورت بھی برابر کی شریک جرم ہوگی۔

④ عدل و انصاف کا اہتمام جس طرح مرد کے لیے ضروری ہے جس کی ضروری تفصیل مردوں پر عورتوں کے حقوق کے ضمن میں گزر چکی ہے، اسی طرح عورت کے لیے بھی اس عدل کا اہتمام ضروری ہے، اس کو بھی قدم قدم پر اس کا خیال رکھنا ہے بالخصوص مشترکہ خاندان میں یہ نہایت ناگزیر ہے۔ عورت ایسا رویہ ہرگز اختیار نہ کرے کہ جس کی وجہ سے مرد اپنی ماں سے یا اپنی بہنوں سے یا دوسری بیویوں سے (ایک سے زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں) بدظن ہو جائے اور وہ ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کا مرتکب ہونے لگے۔

مرد کی اس ناانصافی کی وجہ بالعموم عورت کا غیر منصفانہ رویہ ہی بنتا ہے خوفِ الہی رکھنے والی عورت کو اس سے دامن کشاں رہنا چاہیے اور گھر کے تمام افراد کے حقوق خوش دلی سے اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ادا کرنے چاہئیں۔

⑤ جس طرح مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ بیوی سے بھرپور طریقے سے محبت کرے۔ اسی طرح عورت کا مستقبل بھی تب ہی خوش گوار ہوگا جب وہ ٹوٹ کر اپنے شوہر سے محبت کرے گی۔ اس کے لیے جو طریقے اختیار کرنے ضروری ہیں، وہ ان کو سامنے رکھے اور ہر موقع پر انہیں اختیار کرے۔ ایسا رویہ ہرگز اختیار نہ کرے کہ جو خاوند کے دل میں اس کے لیے نفرت کی اور کسی اور عورت کے لیے محبت کی تخم ریزی کر دے۔

⑥ عورت مرد سے زیادہ مطالبات نہ کرے اور اس پر اتنا بوجھ نہ ڈالے جسے وہ اٹھانہ سکے، اس سے بھی تعلقات میں ناخوش گواری پیدا ہوتی ہے جب کہ ضرورت زیادہ

مشترکہ حقوق

سے زیادہ خوشگوار ماحول پیدا کرنے اور اس کو ہر وقت برقرار رکھنے کی ہے۔ اور ایسا تب ہی ہو سکتا ہے جب عورت بھی اپنی چادر کے مطابق ہی پاؤں پھیلائے۔

7) جس طرح مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورت کو عار نہ دلائے، جیسا کہ اس کی تفصیل گزری، اسی طرح عورت بھی مرد کو عار نہ دلائے اور دبی ہوئی چنگاری کو پھونکیں مار کر شعلہ نہ بنائے۔ اس سے اس کا اپنا گھر بھی بھسم ہو سکتا ہے۔

8) عورت زیب و زینت اختیار کرنے کی مرد سے زیادہ دل دادہ ہوتی ہے اور اس کی ضرورت بھی اس کو مرد سے زیادہ ہے۔ اس لیے اس میں وہ ہرگز کوتاہی نہ کرے، بالخصوص جب شام یا رات کو خاوند کے گھر آنے کا وقت ہو تو وہ صاف ستھرے لباس اور مناسب سولہ سنگھار سے آراستہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ خاوند جب بھی گھر میں آئے تو وہ گھر کی صفائی میں یا کھانا پکانے میں ایسی مصروف ہو کہ اس کو نہ اپنے لباس کا ہوش ہو اور نہ صفائی ستھرائی کا۔

تاہم زیب و زینت کے اختیار کرنے میں بھی اعتدال کو ملحوظ رکھا جائے اور آج کل زیب و زینت کے نام پر جس طرح اپنا حلیہ بگاڑ لیا جاتا ہے۔ یا سامان آرائش و زیبائش میں پانی کی طرح پیسہ بہا یا جاتا ہے۔ یہ دونوں ہی باتیں غلط ہیں۔ اسی طرح میک اپ کے لیے بیوٹی پارلوں کا سہارا لینے کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔ ان تمام فضولیات اور بے جا اخراجات سے دامن بچاتے ہوئے مناسب زیب و زینت (پرانے روایتی انداز سے) اختیار کر لینا کافی ہے جس میں نہادھو کر یا ہاتھ منہ دھو کر صاف ستھرا لباس پہننا داخل ہے۔

9) میاں بیوی کے درمیان راز کی باتیں اور خلوت کی پُر لطف سرگرمیوں کی تفصیل دوستوں

کے سامنے بیان کرنا، جس طرح مرد کے لیے جائز نہیں اسی طرح عورت کے لیے بھی اس کا جواز نہیں ہے، عورت بھی اپنی سہیلیوں میں ان کی تفصیل بیان کرنے سے گریز کرے، یہ بہت بڑا گناہ ہے چاہے مرد کرے یا عورت۔ اس پر دنیا و آخرت میں عذاب الیم کی شدید وعید وارد ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ [النور 19]

”جو لوگ اہل ایمان میں بے حیائی کے پھیلنے کو پسند کرتے ہیں، ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔“

10) خاوند اگر دینی شعور سے بے بہرہ ہے اور عورت دینی تعلیم سے آراستہ ہے تو عورت بتدریج اس کو دینی تعلیمات سے آگاہ کرے، اس کو مساجد میں خطبات جمعہ سننے، علماء کے دروس و خطابات سننے کی ترغیب دے اور اس کو دینی لٹریچر بالخصوص قرآن کریم کی تفسیر اور سیرت کی کتابیں پڑھنے پر آمادہ کرے تاکہ دونوں مل کر گھر میں دینی ماحول پیدا کریں اور اپنی نسل نو کی دینی ماحول میں تربیت کریں۔

11) دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کو دین پر عمل کرنے کی ترغیب دیں، ایمان و تقویٰ والی زندگی اختیار کرنے کی کوشش کریں اور دین کے حوالے سے جو کوتاہیاں اور کمزوریاں ہوں، وہ ایک دوسرے کو تلقین و تلقین کے ذریعے سے دور کریں۔ جیسے ایک حدیث میں ایسے میاں بیوی کے لیے یہ فضیلت وارد ہوئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«رَحِمَ اللَّهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى، وَأَيَّظَ امْرَأَتَهُ، فَإِنْ أَهَتْ نَضَحَ فِي وَجْهِهَا الْمَاءَ، رَحِمَ اللَّهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَأَيَّظَتْ زَوْجَهَا فَإِنَّ أَبِي

نَصَحْتُ فِي وَجْهِ الْمَاءِ۔^۱

”اس آدمی پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھتا ہے اور اپنی بیوی کو بھی اس کام کے لیے جگاتا ہے، اگر وہ نہیں اٹھتی تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتا ہے (تاکہ اس کے لیے اٹھنا آسان ہو جائے) اس عورت پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھتی ہے اور اپنے خاوند کو بھی اٹھاتی ہے، اگر وہ انکار کرتا ہے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتی ہے (تاکہ وہ بیدار ہو جائے اور نماز پڑھے)۔“

جب نفلی نماز کے لیے ایک دوسرے کو آمادہ کرنے کی یہ فضیلت ہے کہ اللہ کے رسول ان کے لیے دعائے رحمت فرما رہے ہیں تو فرضی نماز میں ایک دوسرے کو سستی نہ کرنے دینا اور اس کی پابندی کروانا اور اس طرح دیگر احکام الہیہ اختیار کرنے کی ترغیب دینا کتنا فضیلت والا عمل ہوگا؟

اور جب دونوں میاں بیوی اس طرح مل جل کر دین کی پابندی کریں گے تو پھر زندگی کے تمام معاملات میں ان کے لیے دین پر عمل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی، کیونکہ دونوں دین کے شناسا اور دین پر عمل کرنے کے جذبے سے سرشار ہوں گے۔ علاوہ ازیں پھر نوجوان اولاد کو بھی دین سے سرتابی کرنے کی اور رسم دنیا کو اہمیت دینے کی جرأت نہیں ہوگی۔ وَفَقْنَا اللّٰهَ وَإِنَّا كُمْ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضَى۔

(۱۲) اپنے بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی دونوں میاں بیوی کی مشترکہ ذمے داری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے خطاب کر کے فرمایا ہے جس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں:

• سنن أبی داود: أبواب قیام اللیل، باب قیام اللیل، حدیث: 1308

﴿لَا يَكْفِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا اقْتُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾ [التحریم:6]
 ”اے ایمان والو! تم اپنے کو بھی اور اپنے اہل (گھر والوں) کو بھی آگ سے
 بچاؤ۔“

اسی طرح حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَلَا تَلْكُمُ زَاعٌ وَتَلْكُمُ مَنْسُؤٌ عَنْ زَعِيَّتِهِ»
 ”تم سب کے سب نگران اور رکھوالے ہو اور تم سب سے ان لوگوں کی بابت پوچھا
 جائے گا جن کے تم نگران اور رکھوالے ہو۔“

اسی حدیث میں آگے فرمایا:

”امام اعظم (خلیفہ وقت) لوگوں کا رکھوالا ہے، اس سے اس کی رعیت کے
 بارے میں پوچھا جائے گا۔ آدمی اپنے گھر والوں کا رکھوالا ہے، اس سے اس کی
 رعیت (اہل خانہ) کی بابت پوچھا جائے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر والوں پر
 نگران ہے اور اس سے ان کی بابت پوچھا جائے گا.....“ ﴿﴾

قرآن کریم اور فرمان رسول کی رد سے جس طرح میاں بیوی دونوں کو اپنے آپ کو جہنم
 کی آگ سے بچانا ہے، اسی طرح دونوں کی یہ ذمے داری بھی ہے کہ اپنی اولاد کو بھی دین کا
 اور احکام شرعیہ کا پابند بنائیں تاکہ وہ بھی جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں۔

جو والدین اپنے بچوں کی دنیوی تعلیم کا، ان کی پوشاک و خوراک کا، ان کی پر آسائش
 رہائش کا اور دیگر تمام ضروریات کا اپنی طاقت کے مطابق اہتمام کرتے ہیں جس کی وجہ
 سے وہ اعلیٰ ڈگریاں حاصل کر کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو جاتے ہیں یا تجارت و
 کاروبار میں کامیابیاں حاصل کرتے ہیں اور دنیا بھر کی آسائشوں اور سہولتوں سے بہرہ ور

ہو جاتے ہیں لیکن وہ دین و شریعت سے نا آشنا اور احکام و فرائض اسلام سے بیگانہ اور غافل رہتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ ان کی دنیا کی چند روزہ زندگی تو آرام و راحت سے گزر جائے گی، لیکن ان کی آخرت کی دائمی زندگی جو برباد ہو جائے گی، اس کی ذمے داری سے والدین کو کس طرح بری قرار دیا جاسکے گا؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسے بچے قیامت کے دن بارگاہ الہی میں یہ عرض کریں جس کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کھینچا ہے۔

﴿يَوْمَ تَقُفُّهُمْ فِي الصَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَ ۖ وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكِبَرَاءَنَا فَأَخَلَلْنَاكَ الشَّيْبِلَا ۖ رَبَّنَا اجْعَلْ لَنَا مِنْ الْعَذَابِ وَالْعَنْتِمْ لَعْنًا كَيْبَرًا ۗ﴾ [الاحزاب: 66-68]

”جس دن آگ میں ان کے چہرے الٹ پلٹ کیے جائیں گے تو وہ کہیں گے: اے کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی، اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔ اور وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی، تو انھوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے رب! ان کو دو گنا عذاب دے اور ان پر بڑی سخت (اور زیادہ) لعنت کر۔“

﴿13﴾ اسلام میں فرصت کے اوقات کو غنیمت سمجھتے ہوئے ان کو زیادہ سے زیادہ اللہ کے ذکر میں، تلاوت قرآن میں، نوافل میں اور اسی طرح کے دیگر نیکی کے کاموں میں صرف کرنے کا حکم ہے کیونکہ انسانی زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ ان لمحات کو لایعنی مصروفیات میں، لغویات میں اور بے ہودہ لہو و لعب میں برباد کر دینا کوئی دانش مندی نہیں ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے:

﴿بِعَمَّتَانِ مَغْبُورٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ﴾ ❶

”دونہیں ہیں جن کی قدر و قیمت کو نہ سمجھنے والے لوگ زیادہ ہوں گے اور پھر

مشترکہ حقوق

کفِ افسوس ملیں گے (وہ کون سی ہیں؟) صحت اور فرصت۔“

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے پیغمبر ﷺ سے فرمایا:

﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۚ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۗ﴾ [الم نشر 87]

”جب آپ فارغ ہو جائیں تو محنت کریں اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کریں۔“

فارغ سے مراد ہے۔ نماز سے، یا دعوت و تبلیغ سے، یا جہاد سے اور اسی طرح کے دیگر فرائض سے فارغ ہو جائیں تو نفلی عبادت اور ذکر و دعا میں اتنی محنت کریں کہ آپ تھک جائیں اور ہر معاملے میں اسی کی طرف رجوع اور رغبت کریں۔

دوسرے مقام پر اللہ نے کامیاب ہونے والے مومنوں کی صفات میں ایک صفت یہ بیان فرمائی:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ﴾ [المؤمنون 3]

”وہ لغو باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں۔“

ایک اور مقام پر عباد الرحمن (اللہ کے خاص بندوں) کی خاص صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ۗ﴾ [الفرقان 72]

”اور جب کسی لغو کام پر ان کا گزر ہو تو وہ عزت و وقار (خاموشی) سے گزر جاتے ہیں اس میں شریک نہیں ہوتے۔“

لغو کیا ہے؟ لغو ہر وہ کام اور ہر وہ بات ہے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو، یا اس میں دینی یا دنیوی نقصان ہو۔ ان سے اعراض کا مطلب ہے، ان کی طرف التفات بھی نہ کیا جائے چہ جائیکہ انھیں اختیار اور ان کا ارتکاب کیا جائے یا ان میں شرکت کی جائے۔

ہمارے معاشرے میں لغویات یعنی بے فائدہ یا نقصان دہ چیزیں عام ہیں جن کو ہم

اختیار کرتے ہیں یا ان میں شرکت کرتے ہیں۔

✽ جیسے گپ شپ کی محفلیں۔

✽ چغلی اور بدگوئی کی محفلیں۔

✽ بدعات کی محفلیں اور بدعی کام۔

✽ شادی بیاہ کی بہت سی رسومات، جیسے مہندی، ڈھونگی وغیرہ۔

✽ کھیلوں کے میچ، جن کو گھنٹوں ٹی وی پر دیکھا جاتا ہے۔

✽ فحش ڈرامے، فلمیں اور اسی طرح کے دیگر بہت سے پروگرام۔

✽ شطرنج، تاش، لڈو وغیرہ اور آج کل کے بعض جدید کھیل۔

✽ عشقیہ اور جاسوسی ناول اور افسانے، کہانیاں وغیرہ۔

اور اس طرح کی متعدد سرگرمیاں اور حرکتیں۔

یہ سب تقاضائے ایمان کے خلاف ہیں۔ مومن مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا جوان، ان پڑھ ہو یا تعلیم یافتہ، سب کو ان سے اجتناب کرنا چاہیے اور وہی کام کرنے چاہئیں جن کا کوئی دینی یا دنیوی فائدہ اور شریعت میں ناپسندیدہ نہ ہو۔

علاوہ ازیں ٹیلی ویژن اس دور کی ایسی شیطانی ایجاد ہے جو متعدد خرابیوں اور نافرمانیوں کا مجموعہ ہے، ان سے معصوم بچوں کے اخلاق و کردار بھی بگڑتے ہیں، بچے دین سے دور ہوتے ہیں، ان کی پڑھائی میں اس سے بہت خلل پڑتا ہے، بچوں کی آنکھیں بھی اس سے متاثر ہوتی ہیں، وقت کا ضیاع ہوتا ہے، اس کی وجہ سے راتوں کو دیر سے سونا اور صبح دیر سے اٹھنا معمول بن جاتا ہے جس سے نمازیں بالخصوص فجر کی نماز اکثر ضائع ہو جاتی ہے۔

کیبل اور انٹرنیٹ اور موبائل توٹی وی سے بھی زیادہ خطرناک اور مذکورہ خرابیوں کے مظہر ہیں۔ ان سب سے اپنی اولادوں کو بچانا میاں بیوی دونوں کا مشترکہ فریضہ ہے۔ اگر گھرانے کے اعضا سے پاک ہے تو نہ عورت کو ان چیزوں کو لانے اور گھر میں رکھنے کا مطالبہ کرنا چاہیے اور نہ مرد ہی کو بیوی یا بچوں کی خواہش پر ان کا انتظام کرنا چاہیے۔

دونوں کو مل کر بے حیائی کے اس طوفان سے، ایمان و اخلاق کے اس غارت گریلاب سے اور الحاد و زندقہ کے اس شیطانی بھکڑ سے اپنے گھر کو اور اپنی اولاد کو بچانے کی سعی کرنی چاہیے۔

﴿13﴾ موبائل فون بلاشبہ ایک ناگزیر ضرورت بن گئے ہیں۔ لیکن موبائل کمپنیوں نے پیسے کمانے کے لالچ میں جو سسٹم تک عام کر دیے ہیں، جس کی وجہ سے چند روپوں سے آپ گھنٹوں باتیں کر سکتے ہیں۔ اس ارزانی نے نوجوان بچوں اور بچیوں کے درمیان ناجائز مراسم اور رابطوں کو بہت آسان کر دیا ہے۔ اس کے جو خطرناک معاشرتی نتائج نکل رہے ہیں، وہ محتاج وضاحت نہیں۔

بنا بریں نوجوان بچوں، بچیوں کو موبائل رکھنے کی اجازت کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت و نگرانی کا مؤثر انتظام کرنا بھی دونوں میاں بیوی کی نہایت اہم ذمہ داری ہے۔ اسی طرح کزنوں کے ساتھ اور تعلیمی اداروں میں ایک ساتھ پڑھنے والوں کے ساتھ بچیوں کے تعلقات پر بھی نظر رکھیں۔ ان سے تھوڑا سا میل جول اور معمولی سا ربط و تعلق موبائل کے ذریعے سے پروان چڑھتا ہے اور اس کے ذریعے سے باہم گفتگو اور پیغام رسانی فاصلوں کو کم کرتے کرتے قربتوں اور باہم عہد و پیمان کی راہیں ہموار کر دیتی ہے اور یوں معاملہ کورٹ میرج، سیکرٹ میرج (خفیہ شادی) اور لومیرج تک پہنچ جاتا ہے۔

اولاد کے اس صورت حال تک پہنچنے یا پہنچانے میں والدین ہی کی کمزوری، عدم توجہ اور اولاد کی طرف سے غفلت و بے اعتنائی ہی کا دخل زیادہ ہوتا ہے اور اس سے وہ بالکل بری الذمہ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

﴿15﴾ صلہ رحمی کے تقاضے پورے کرنے کے بھی یکساں طور پر دونوں میاں بیوی ذمے دار ہیں۔ صلہ رحمی کا مطلب ہے، رشتے داروں کے حقوق ادا کرنا، ان سے اچھا رویہ اختیار کرنا، قطع رحمی کے باوجود رشتہ و تعلق برقرار رکھنا، حتیٰ کہ بدسلوکی کے جواب میں بھی حسن سلوک کرنا۔ مرد کو چاہیے کہ وہ سسرالی رشتوں کو اور عورت بھی اپنے خاندان کے رشتے داروں سے تعلق کو اچھی طرح نبھائے۔ ان دو طرفہ رشتے دار یوں کو تیرے میرے کی بھینٹ نہ چڑھنے دیا جائے، بلکہ دونوں خاندانوں کے ساتھ دونوں میاں بیوی محبت اور احترام کا تعلق قائم رکھیں اور کسی کو بھی شکایت کا موقع نہ دیں۔ اور چھوٹی موٹی باتیں ہوں تو ان کو نظر انداز کریں اور عفو و درگزر سے کام لیں۔

﴿16﴾ عورت جب نئے گھر میں آتی ہے تو یہاں خاندان کے والدین، اس کی بہنیں اور بعض دفعہ دوسرے بھائیوں کی بیویاں بھی ہوتی ہیں۔ اسی طرح خاندان کا معاملہ ہے جس گھرانے میں وہ بیاہا گیا ہے، اس گھرانے کے افراد سے بھی اس کا تعلق قائم ہو جاتا ہے مرد ہو یا عورت، جس جس سے بھی ان کا تعلق ہو، ان سے تعلقات کو حسب مراتب نبھانا اور حسن اخلاق کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے خوش اسلوبی سے ہر ایک کا حق ادا کرنا نہایت ضروری ہے۔ نہ کسی کی حق تلفی ہو، نہ کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کا معاملہ اور نہ کسی کی توہین اور بے ادبی اور نہ کسی پر الزام اور بہتان تراشی، نہ غیبت اور بد گوئی۔ ان سب کا تعلق حقوق العباد سے ہے جن میں کوتاہی اس وقت تک معاف نہیں

ہوگی جب تک دنیا میں ان کا ازالہ نہیں کر لیا جائے گا ورنہ روز قیامت ان کو تباہیوں کی تلافی آپ کی نیکیاں ان میں تقسیم کر کے کی جائے گی، پھر بھی نہیں ہوگی تو ان کے گناہ آپ کے کھاتے میں ڈال دیے جائیں گے۔ اس کا جو نتیجہ ہوگا، وہ محتاج وضاحت نہیں۔ اعاذنا اللہ منہ

(۱۷) جس طرح مرد کے لیے ہم بیان کر آئے ہیں کہ عورت جس طرح شب و روز گھریلو معاملات سرانجام دیتی ہے اور صبح سے رات تک کام میں جتی رہتی ہے بلکہ رات کو خاوند کی خدمت اور خواہش پوری کرنے میں بھی خوش دلی سے تعاون کرتی ہے، مرد کو چاہیے کہ اس کی ان خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کرے، اس سے اس کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی ہے اور مزید محنت سے گھر کو چلانے اور سنوارنے کا جذبہ بھی قوی اور توانا ہوتا ہے۔ اسی طرح عورت کو بھی چاہیے کہ مرد گھر کا انتظام کرنے اور گھریلو ضروریات پوری کرنے میں گھر سے باہر رہ کر جو محنت اور جدوجہد کرتا ہے، اس میں وہ اپنے آرام و راحت کی بھی پروا نہیں کرتا تا کہ گھر والوں کو آرام و راحت نصیب ہو، وہ مرد کی ان خدمات کا اعتراف کرے اور اس کے لیے جذباتِ تشکر کا اظہار کرے۔ یہ شرعاً بھی ضروری ہے اور دنیوی لحاظ سے بھی اس کے بڑے فوائد ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ»

”جس نے لوگوں کا شکر یہ ادا نہیں کیا، اس نے اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔“

مذکورہ چند خصوصیات تو وہ ہیں جو مرد اور عورت دونوں میں ہونی چاہئیں۔ یہ گویا اقدار

مشترکہ حقوق

مشترکہ ہیں جن کا دونوں میں ہونا ضروری ہے۔ اب آئندہ صفحات میں ان صفات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو ایک نیک اور مثالی بیوی میں ہونی چاہئیں۔ یہ خوبیاں ہی ایک عورت کو صحیح معنوں میں عورت بناتی ہیں۔ ورنہ ان کے بغیر ایک حسین و جمیل بیوی بھی ایک آفت ہے کیونکہ وہ حسن ظاہر سے تو آراستہ ہے لیکن سیرت و کردار کے حسن باطن سے محروم ہے۔ اور صفات جمیلہ سے مزین عورت، چاہے وہ ظاہری حسن و رعنائی سے محروم ہو، ایک رحمت ہے کیونکہ اس کا باطن اس کے ظاہر سے زیادہ اجلا ہے اور گھر میں اجالا حسن ظاہر سے نہیں، حسن باطن (حسن سیرت) ہی سے ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دین دار عورت سے شادی کرنے کی ترغیب دی ہے کیونکہ دین دار عورت ہی ایمان و تقویٰ جمعی صفات سے متصف ہوتی ہے۔ اور یہ ایمان و تقویٰ ایسی خوبی ہے جو انسان کو بکنے نہیں دیتی اور ایسا شخص نہ حقوق اللہ میں کوتاہی کرتا ہے اور نہ حقوق العباد میں۔ اور جس شخص کو ایسی صاحب ایمان و تقویٰ بیوی مل جائے، اس کو اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہونا چاہیے اور اس کی قدر کرنی چاہیے، گو وہ حسن ظاہر سے محروم ہی ہو۔



نیک بیوی کی صفات

① نیک بیوی کی پہلی صفت وہ صالحہ اور قانتہ ہو ﴿وَالنَّسَاءُ﴾

صالح بیوی کی صفات میں قرآن مجید کی یہ آیت (جو سورہ نساء میں ہے) بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے پہلے تو مرد کی قوامیت حاکمیت و بالادستی بیان فرمائی جس سے از خود یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ گھر کا نظام امن و سکون کے ساتھ تب ہی چل سکتا ہے جب اس گھر میں آنے والی عورت (بیوی) خاوند کی بالادستی کو تسلیم کرے گی، اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَالَطَّلِحْتُ قَدَمْتُ حَقِظْتُ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَقِظَ اللهُ﴾ [النساء: 34]

”نیک عورت فرماں بردار ہوتی ہے (اپنے رب کی بھی اور اپنے خاوند کی بھی) پوشیدہ باتوں کی حفاظت کرتی ہے بہ سبب اس کے کہ اللہ نے اس کی بھی حفاظت فرمائی ہے۔“

اس میں نیک عورت کی فرماں برداری اور پوشیدہ معاملات کی حفاظت اور اس کی غیر موجودگی میں اس کے مال، اس کے گھر اور اپنی عصمت کی حفاظت جیسی صفات کو مرد کی قوامیت کا نتیجہ بتلایا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو عورت مرد کی اس فطری بالادستی کو تسلیم نہیں کرے گی، وہ نیکی اور فرماں برداری کے تقاضے بھی پورے نہیں کر سکے گی جب کہ ان تقاضوں کی ادائیگی ہی پر گھر کے امن و سکون کا انحصار ہے۔

نیک بیوی کی صفات

غیبی معاملات کی حفاظت کا سبب اللہ نے یہ بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کے حقوق بھی محفوظ کر دیے ہیں اور وہ اس طرح کہ مرد کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ عورت کو حق مہر دے، اس کے نان نفقہ اور رہائش کا انتظام کرے اور اس کی دیگر ضروریات پوری کرے۔

اس قسم کی صالحہ اور قائمہ عورت کے ساتھ مرد کی زندگی نہایت خوش گوار گزرتی ہے اور حالات و معاملات میں کوئی کشیدگی اور تناؤ پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ جو عورت ان صفات سے محروم ہوگی تو اس کے اندر ان صفات کے برعکس نشوز (مرد کی بالادستی کے خلاف رویہ پیدا ہوگا جو مرد و عورت کے تعلقات کو ناخوشگوار بنائے رکھے گا۔

② عورت ناشزہ نہ ہو اور اس کا مطلب

نشوز کیا ہے اور اس کا کیا حل اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے؟

اسی آیت زیر بحث میں کہا گیا ہے:

﴿وَالَّتِي تَخَافُ مِن نُّشُوزِ هُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ﴾ [النساء 34]

”وہ عورتیں جن سے تمہیں نشوز کا خوف ہو تو تم ان کو وعظ و نصیحت کرو اور ان کو بستروں میں الگ کر دو اور ان کی سرزنش کرو۔“

نشوز عربی زبان میں ارتقاع (بلندی) کو کہتے ہیں۔ یہاں اس لفظ کا مطلب یہ ہوگا کہ جو عورت، مرد کو بالادست سمجھنے کی بجائے، اپنی بالادستی منوانے کی کوشش کرے گی اور اس کی اطاعت کرنے کے بجائے اپنا حکم چلائے گی اور مرد کو زیر دست رکھنے کی کوشش کرے گی تو چونکہ یہ نشوز فطرت کے خلاف ہے تو اس کا نتیجہ گھر کی بربادی کے سوا اور کچھ نہیں نکلے گا۔

اللہ تعالیٰ نے مرد کو دوجہ سے عورت پر قوام بنایا ہے، ایک کا تعلق وہی صفت سے ہے کہ اس کو عورت کے مقابلے میں زیادہ قوت و توانائی اور زیادہ دماغی و ذہنی صلاحیتوں

نیک بیوی کی صفات

سے نوازا گیا ہے، دوسری کا تعلق کسی صفت سے ہے کہ مرد محنت کر کے عورت کی تمام ضروریات پوری کرتا ہے (مہر، نان نفقہ اور دیگر ضروریات مرد کے ذمے ہے) جو عورت صالحہ، قائمہ ہوتی ہے وہ اس حقیقت کو سمجھتی ہے اور مرد کی شکرگزار اور فرماں بردار بن کر رہتی ہے اور جو صالحہ قائمہ نہ ہو، وہ عدم اطاعت اور ناشکری کا راستہ اختیار کر کے فطرت سے جنگ کرتی ہے، اس کے نتیجے میں میاں بیوی کے تعلقات میں جو ناہمواری اور ناخوش گواری پیدا ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا حل یہ بتلایا ہے کہ:

① اس کو وعظ و نصیحت کی جائے، اس کو اللہ سے ڈرایا جائے۔

② یہ کارگرنہ ہو تو مرد رات کو اس کے ساتھ سونا چھوڑ دے اور رات کی حد تک صلح کی اختیار کر لے۔

③ یہ صلح کی بھی اس کو سمجھنے پر آمادہ نہ کرے تو اس کو ہلکی سے مار مار لے جس سے اس کے کسی عضو کو نقصان نہ پہنچے۔ کیونکہ اس تادیب (سرزنش) سے مقصود اس کی اصلاح ہے نہ کہ اس کو جسمانی نقصان پہنچانا۔

● اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو پھر خاندان کے لوگوں کو صورت حال سے مطلع کر کے دو حکم (ثالث) مقرر کیے جائیں، ایک میاں کے خاندان سے اور دوسرا بیوی کے خاندان سے یہ حکم (ثالث) دونوں کی باتیں سن کر اس کی روشنی میں ان کا فیصلہ کریں۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ نیک عورت کی صفات میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ ناشزہ نہ ہو یعنی وہ خاوند کی فرماں بردار ہو، نہ کہ اس کو اپنا فرماں بردار بنانے والی۔ گھر میں اس کی بالادستی کو تسلیم کرنے والی ہو، نہ کہ اپنے کو بالادست سمجھنے والی، خاوند کی بن کر رہنے والی ہو نہ کہ خاوند کو اپنا بنا کر رکھنے والی اور خاوند کے حق کو سمجھنے والی اور اس کو ادا کرنے والی

نیک بیوی کی صفات

ہونے کہ اس کے برعکس صرف اپنا ہی حق جتلانے اور منوانے والی۔ فنعود باللہ من ہذہ المرأۃ الناشزۃ۔

﴿3﴾ خیر اور بھلائی کے کاموں میں خاوند کی فرماں بردار

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: کون سی عورت بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا:

«الَّتِي تَسْرُهُ إِذَا نَظَرُ، وَتَطِيعُهُ إِذَا أَمَرَ، وَلَا تُخَالِفُهُ فِيمَا يَكْرَهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهِ»[●]
 ”وہ عورت، جب خاوند اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کن نظر سے دیکھے، جب خاوند اس کو کسی بات کا حکم دے تو اسے بجالائے اور عورت اپنے نفس اور خاوند کے مال میں اس کی خواہش کے برعکس ایسا رویہ اختیار نہ کرے جو اس کے خاوند کو ناپسند ہو۔“

﴿4﴾ خاوند کا استقبال مسکراہٹ سے اور اچھے لباس میں کرے

اس حدیث میں فرماں برداری کے علاوہ چند اور صفات کا بھی بیان ہے۔ ان میں ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ خاوند اس کی طرف دیکھے تو اس کا رویہ اور اس کی ہیبت ایسی ہو کہ خاوند اس کو دیکھ کر باغ باغ ہو جائے۔ اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ عورت مسکراہٹ کے ساتھ خاوند کا استقبال کرے، منہ بنایا ہوا نہ ہو، خشکی اور ناراضی کے آثار چہرے پر نہ ہوں، غصے میں بھری ہوئی نہ ہو۔

﴿5﴾ اپنی عصمت و آبرو کا پورا تحفظ کرے

ایک صفت یہ معلوم ہوئی کہ اپنی عصمت و آبرو کا پورا تحفظ کرے اور کسی بھی وقت اور کسی کے ساتھ بھی ایسا رویہ اختیار نہ کرے جس سے خاوند کو کوئی شکایت پیدا ہو یا اس کی مردانہ غیرت و حمیت کے خلاف ہو۔ اسی لیے ایک حدیث میں عورت کو یہ تاکید بھی کی گئی

● سنن النسائي، كتاب التكا، باب أبي النساء عير، حديث: 3231

نیک بیوی کی صفات

ہے کہ وہ گھر میں ایسے کسی شخص کو آنے کی اجازت نہ دے جس کو خاوند ناپسند کرتا ہو۔ اس حدیث کے بین السطور سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گھر میں خاوند کے قریبی رشتے دار چھوٹے بڑے بھائی (عورت کے دیور، جیلٹھ) اور اسی طرح عورت کے قریبی رشتے دار، اس کے ماموں زاد، چچا زاد، خالہ زاد، پھوپھی زاد، (جن کو آج کل کزن کہا جاتا ہے) سے بھی پردے کا اہتمام کرے، ان سے بے تکلف نہ ہو۔ ان سے زیادہ بے تکلفی، قربت اور بے پردگی نہایت خطرناک ہے جس سے اس کی عصمت کی ردائے تقدس بھی تار تار ہو سکتی ہے۔ اس لیے حدیث میں دیور، جیلٹھ وغیرہ کو موت قرار دیا گیا ہے۔

⑥ خاوند کے مال میں بے جا تصرف نہ کرے ﴿﴾

ایک اور صفت اس حدیث میں یہ بتلائی گئی ہے کہ عورت خاوند کے مال میں ایسا تصرف نہ کرے جو خاوند کو ناپسند ہو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ فضول خرچی سے اور اسی طرح غیر ضروری چیزوں میں پیسے خرچ کرنے سے اجتناب کرے اور ہر وقت مرد کی آمدنی کو سامنے رکھے اور اس کے مطابق ہی اپنا بجٹ بنائے اور اسی دائرے میں رہ کر ہی سب کچھ خرچ کرے۔ حتیٰ کہ صدقہ و خیرات بھی اسی دائرے میں رہ کر کرے تاکہ خاوند کو بھی اس پر اعتراض نہ ہو اور اگر کہیں صدقہ و خیرات زیادہ کرنے کی ضرورت محسوس کرے تو خاوند سے مشورہ کرے اور اس کی اجازت کے بغیر اس طرح طاقت سے زیادہ صدقہ و خیرات نہ کرے جس سے گھریلو بجٹ متاثر ہو یا خاوند کے لیے مشکلات کا باعث ہو۔

⑦ بچوں پر نہایت مہربان، خاوند کے مفادات کا خیال رکھنے والی ﴿﴾

ایک حدیث میں بہترین اور صالح ترین عورت کی یہ دو صفات بیان ہوئی ہیں:

نیک بیوی کی صفات

﴿أَخْنَاهُ عَلَىٰ وَدِّدٍ فِي صِغَرِهِ وَأُزْعَاهُ عَلَىٰ زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهِ﴾[●]
 ”اپنے بچوں پر جب کہ وہ کم عمر ہوتے ہیں، بڑی مہربان اور شفیق اور اپنے
 خاوندوں کے معاملات میں ان کے مفادات کا بہت خیال رکھنے والی۔“

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ عورت کا دائرہ کار گھر کی چار دیواری ہے جس میں
 گھریلو امور سرانجام دینے کے علاوہ، مزید دو ذمے داریوں کا بوجھ بھی اس نے اٹھانا
 ہے۔ ایک بچوں کی حفاظت، جس میں حمل سے لے کر رضاعت تک اور اس کے بعد بھی
 بدوشعورت تک کے مراحل ہیں۔ دوسرے خاوند کی خدمت و اطاعت۔ گویا عورت نے بہ
 یک وقت تین خدمات سرانجام دینی ہیں:

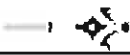
① امور خانہ داری۔

② بچوں کی پرورش و نگرانی۔

③ خاوند کی خدمت اور اس کی خواہشات کی تسکین۔

یہ تینوں خدمات اتنی عظیم ہیں کہ اس کے شب و روز کے تمام لمحات اس میں صرف
 ہو جاتے ہیں یوں وہ پورے طور پر مرد کی شریک زندگی بن کر مرد کو سکون مہیا کرتی ہے جس کی
 وجہ سے مرد گھریلو معاملات سے بے فکر ہو کر یکسوئی سے کسب معاش میں مصروف رہتا ہے۔
 اسی لیے شریعت اسلامیہ نے عورت کو کسب معاش کے جھمیوں میں ڈالنا پسند نہیں کیا
 ہے کیونکہ یہ دوہری ذمے داری ہوتی کہ وہ گھر کا سارا انتظام بھی سنبھالے اور گھر کا نظام
 چلانے کے لیے سرمایہ بھی مہیا کرے۔ یہ ظلم ہے اسلام نے عورت کو اس ظلم سے بچایا اور
 کسب معاش کا مکمل ذمے دار مرد کو قرار دیا ہے۔

● صحیح البخاری: کتاب النفقات، باب حفظ المرأة زوجها في ذات يده والنفقة، حدیث: 5365



نیک بیوی کی صفات



8) خاوند کی خدمت و اطاعت کی اہمیت و تاکید

خاوند کی خدمت و اطاعت کی اسلام میں کتنی اہمیت اور تاکید ہے، اس کا اندازہ ذیل کی چند احادیث سے لگایا جاسکتا ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 ”اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو یقیناً عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے۔“¹

دوسری حدیث میں فرمایا:
 ”عورت خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ نہ رکھے۔“²

9) خاوند جب بھی بیوی کو بلائے، بلاتا خیر اس کی خواہش پوری کرے

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، عورت اپنے رب کا حق اس وقت تک ادا نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ اپنے خاوند کا حق ادا نہیں کرتی، اگر خاوند اس سے اپنی (ہم بستری کی) خواہش کا اظہار کرے جب کہ وہ اونٹ کے کجاوے پر بیٹھی ہو (پارکاب ہو، کہیں جانے کے لیے گاڑی وغیرہ میں بیٹھی ہو) تب بھی اسے اس کی خواہش پوری کرنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔“³

● جامع الترمذی: أبواب الرضاع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء في حق الزوج على المرأة، حديث: 1159

● صحيح مسلم: كتاب الزكاة، باب ما أنفق العبد من مال مولاه، حديث: 1026

● سنن ابن ماجه: كتاب النكاح، باب حق الزوج على المرأة، حديث: 1853

نیک بیوی کی صفات

﴿10﴾ انکار کرنے والی عورت پر فرشتے لعنت کرتے ہیں ﴿﴾

نبی ﷺ نے فرمایا:

”جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔“

ایک دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

”جب عورت اپنے خاوند کے بستر کو چھوڑ کر رات گزارتی ہے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں تا آنکہ وہ لوٹ آئے۔“ ﴿﴾

﴿11﴾ آسمان والا بھی ایسی عورت سے ناراض رہتا ہے ﴿﴾

نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! مَا مِنْ رَجُلٍ يَدْعُوا لِامْرَأَتِهِ إِلَى فِرَاشِهَا، فَتَأْبَى عَلَيْهِ إِلَّا كَانَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ سَاخِطًا عَلَيْهَا، حَتَّى يَرْضَى عَنْهَا﴾ ﴿﴾

”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کوئی آدمی اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلاتا ہے اور وہ اس کے پاس آنے سے انکار کر دیتی ہے تو آسمان والا (رب) اس پر ناراض ہوتا ہے یہاں تک کہ خاوند اس سے راضی ہو جائے۔“

اس مضمون کی احادیث کی بنیاد پر علماء نے کہا ہے کہ کسی شرعی عذر کے بغیر عورت کا اپنے شوہر کے بستر پر جانے سے انکار کرنا حرام ہے حتیٰ کہ حیض کے ایام میں بھی اس کے لیے انکار کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ حالت حیض میں بھی جماع کے علاوہ خاوند کو عورت سے لطف اندوز ہونے کی اجازت ہے۔ جیسے خود رسول اللہ ﷺ سے بھی اس حالت میں بیویوں سے بوس و کنار (مباشرت) کرنا ثابت ہے۔

● صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب إذا باءت المرأة مهاجرة فراش زوجها، حديث: 5194, 5193

● صحیح مسلم: کتاب النکاح، باب تحريم امتناعها من فراش زوجها، حديث: 1436

﴿12﴾ معصیت میں خاوند کی اطاعت کی اجازت نہیں ﴿﴾

البتہ خاوند اگر عورت کو ایسا کام کرنے پر مجبور کرے جس کی شرعاً اجازت نہیں ہے تو معصیت الہی والے کاموں میں خاوند کی اطاعت نہیں بلکہ انکار ضروری ہے۔
جیسے خاوند عورت کو حالت حیض میں جماع پر مجبور کرے تو عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ انکار کر دے اور اس کو یہ ناجائز خواہش پوری نہ کرنے دے۔
یا جیسے آج کل بہت سے لوگ اپنی بیویوں کو اپنے دوستوں کے سامنے بے پردہ آنے پر یا سرے سے بے پردہ ہونے پر مجبور کرتے ہیں۔ خاوند کے کہنے پر ایسا کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

﴿لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ﴾ ﴿۱﴾

”جس کام میں مخلوق کی معصیت ہو، وہاں کسی بھی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔“

بنا بریں کسی بھی کام یا معاملے میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرنی، نہ اپنی مرضی سے اور نہ خاوند یا کسی اور کے کہنے پر۔ اس قسم کے موقع پر یعنی دین پر ثابت قدمی کی وجہ سے جو تکلیف یا آزمائش آئے، اس کو برداشت کیا جائے، یہ دنیا کی آزمائش آخرت کے اس عذاب کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی جو اللہ کی نافرمانی کے نتیجے میں مل سکتا ہے۔

● جامع الترمذی: کتاب فضائل الجہاد، باب ماجاء لاطاعة في معصية الخالق، معجم الكبير طبرانی 170/18، حدیث نمبر: 381

﴿13﴾ عورت مرد کی قوامیت (حاکمیت) کو برداشت کرے

گھر کا نظام صحیح طریقے سے چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مرد کو حاکم اور سربراہ بنا دیا ہے کیونکہ کسی ایک کی حاکمیت اور سربراہی کے بغیر کوئی بھی نظام نہیں چل سکتا (اس کی وجوہ گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہیں۔) عورت اگر چاہتی ہے کہ وہ امن و سکون اور آرام و راحت کی زندگی گزارے تو اس کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ وہ مرد کی فطری قوامیت کو تسلیم کرے۔ اس کا ایک تقاضا تو یہ ہے کہ مرد اپنے حاکمانہ اختیارات کو ظلم و جبر کے لیے استعمال نہ کرے بلکہ جس طرح ایک سمجھ دار حاکم وقت (خلیفہ، بادشاہ) اپنی رعایا کے ساتھ شفقت و نرمی اور عدل و انصاف کا معاملہ کرتا ہے، اسی طرح مرد بھی اپنی چھوٹی سی مملکت (گھر) میں نرمی، شفقت اور عدل و انصاف سے کام لے اور عورت کو ہر طرح کی سہولت بہم پہنچا کر اچھی حکمرانی کی مثال قائم کر کے اللہ کو خوش کرے۔

دوسرا تقاضا یہ ہے کہ عورت مرد کی حاکمانہ حیثیت کو تسلیم کرے اور خود قوام بننے کی سعی نہ کرے، اس سے باہم تعاون کے بجائے تصادم اور ٹکراؤ پیدا ہوگا جس سے گھر کا سکون برباد ہو جائے گا۔ بعض عورتیں بعض وجوہات کی وجہ سے ایسا کرتی ہیں اور مرد کے مقابلے میں ہر موقع پر اپنی چودھراہٹ قائم کرنے کی کوشش کرتی ہیں جس سے اکثر و بیشتر معاملات بگڑ جاتے اور گھر برباد ہو جاتے ہیں۔ مرد کتنا بھی نرم خو، صلح جو اور مرعجاں مرنج قسم کا ہو لیکن عورت کی تفوق و برتری تسلیم کرنا اس کے لیے مشکل ہے۔ بنا بریں ظاہری حالات کے اعتبار سے چاہے عورت مرد سے ممتاز ہو، مثلاً وہ اونچے خاندان کی ہو، صاحب حیثیت گھرانے سے اس کا تعلق ہو، یا حسن و جمال میں منفرد ہو اور مردان چیزوں میں اس

نیک بیوی کی صفات

سے فرد تر ہو۔ تب بھی عورت کی سرتابی اور برتری جتانے کی روش گھر کو برباد کر سکتی ہے۔ بھلائی اسی میں ہے کہ عورت، عورت بن کر ہی رہے، مرد بننے کی کوشش نہ کرے، ماتحتی والی تواضع ہی اختیار کرے، حاکمانہ خوابوں سے اپنے کو بچائے۔ اور فرمان رسول کی صداقت پر یقین رکھے «من تواضع لله رفعه الله» جو اللہ کی خاطر تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بلند کر دیتا ہے۔“

14) کسی کے لیے بددعا نہ کرے

عورت جنہی (پیدائشی) طور پر کمزور ہے اسی لیے اسے صنف نازک کہا جاتا ہے۔ اس فطری کمزوری کی وجہ سے عورت جلد ہی پریشان ہو جاتی ہے اور بددعا دینے پر اتر آتی ہے۔ بچوں نے پریشان کیا تو ان کو بددعا دینی شروع کر دی، خاوند کے رویے کی وجہ سے اس کو بددعا دے دی، حتیٰ کہ بعض دفعہ اپنے آپ کے لیے بھی بددعا کر دیتی ہے۔ یہ طرز عمل یکسر غلط ہے، عورت کو ہر موقع پر صبر و تحمل، برداشت اور حوصلہ مندی سے کام لینا چاہیے اور زبان سے اپنے لیے یا بچوں کے لیے یا خاوند یا گھر کے کسی اور فرد کے لیے ایسے بددعا کے الفاظ نہیں نکالنے چاہئیں کہ اگر وہ اللہ کے ہاں قبول ہو گئے تو عورت پچھتانے پر مجبور ہو جائے۔ اس لیے کہ اس کی بددعا کے نتیجے میں اگر اولاد یا خاوند یا خود اسے نقصان پہنچے گا تو اس کا خمیازہ تو اس کو بھی بھگتنا پڑے گا، ظاہر بات ہے کہ یہ رویہ دانش مندی کے خلاف ہے۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَدْعُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ ، وَلَا تَدْعُوا عَلَىٰ أَوْلَادِكُمْ وَلَا تَدْعُوا عَلَىٰ أَمْوَالِكُمْ،

نیک بیوی کی صفات

لَا تُؤَاقِفُوا مِنَ اللَّهِ سَاعَةً يُسْأَلُ فِيهَا عَطَاءٌ فَيَسْتَجِيبُ لَكُمْ،¹
 ”تم اپنے آپ کے لیے بددعا نہ کرو، اپنی اولاد کے لیے بددعا نہ کرو، اپنے مالوں
 کے لیے بددعا نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری بددعا ایسی گھڑی کو پالے جس میں
 اللہ تعالیٰ سے جو مانگا جائے اسے قبول فرمالیتا ہے، تو تمہاری بددعا تمہارے لیے
 قبول ہو جائے۔“

﴿15﴾ خود کو جنتی عورتوں کی صفات سے متصف کرے ﴿﴾

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جنتی عورتوں کی بہت سی صفات بیان فرمائی ہیں، جن میں
 بہت سی تو ایسی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے لیے بطور انعام خصوصی، وہ صفتیں ان کے
 اندر ودیعت فرمائے گا جس کی تفصیل قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ وہ
 صفتیں دنیا میں بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں، بلکہ بعض تو ممکن بھی نہیں ہیں۔

تاہم بعض صفتیں ایسی ہیں کہ ہر عورت اپنے کوان صفات سے آراستہ (متصف) کر
 سکتی ہے اور وہ مثلاً ہیں، ﴿فَصِرْتِ الْكَافِرَاتِ لَمْ يُطَيَّبْنَ بِرَأْسِ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانِّ﴾ وغیرہ۔

1- ﴿فَصِرْتِ الْكَافِرَاتِ﴾ کا مطلب ہے اپنی نگاہوں کو پست رکھنے والی جس کا مطلب ہے کہ
 وہ اپنے خاوند کے علاوہ کسی اور کی طرف دیکھنے والی نہ ہو۔ ہر مومنہ عورت کو اپنے اندر
 یہ خوبی پیدا کرنی چاہیے۔ اس کا مرکز توجہ، اس کی رعنائیاں اور اس کا سب کچھ صرف
 اور صرف خاوند کے لیے ہو، کسی اور کی طرف اس کی توجہ مبذول نہ ہو۔

2- ﴿لَمْ يُطَيَّبْنَ بِرَأْسِ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانِّ﴾ (جن کو کسی انسان نے چھوانہ جن نے) یعنی جنتی
 عورتوں کی طرح وہ پاک دامن ہو۔ خاوند کے علاوہ کسی بھی غیر محرم نے اسے چھوانہ ہو۔

● صحیح مسلم کتاب الزهد والرقائق، باب حدیث جابر الطویل وقصة أبي اليسر، حدیث: 3009

نیک بیوی کی صفات

3- ایک صفت جنتی عورتوں کی یہ بیان کی گئی ہے کہ ﴿مَقْصُودَاتٌ فِي الْخِيَارِ﴾ وہ خیموں میں بند (رہنے والی) ہوں گی۔ یعنی بن سنور کر بازاروں میں، کلبوں میں پھرنے والی، دوسرے کی باہوں میں جھولنے والی نہ ہو، بلکہ گھر کی چار دیواری میں اپنے خاوند ہی کی بن کر رہنے والی ہو۔

﴿16﴾ قرآن کریم میں بیان کردہ مومنہ عورتوں کی صفات

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی حسب ذیل صفات بیان فرمائی ہیں:

﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبَاتِ وَالصَّالِحِينَ وَالصَّالِحَاتِ وَالْمُحْسِنِينَ وَالْمُحْسِنَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْكَافِرِينَ وَالْكَافِرَاتِ﴾ [الأحزاب: 35]

”بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، سچے مرد اور سچی عورتیں، صابر مرد اور صابر عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔“

مذکورہ صفات جس طرح ایک مومن مرد کے لیے ضروری ہیں، اسی طرح مومنہ عورتوں کو بھی ان صفات کا حامل ہونا چاہیے۔ اگر مرد کے اندر یہ صفات ہوں لیکن عورت ان سے

نیک بیوی کی صفات

مخردم ہوتو مرد کی ذمے داری ہے کہ وہ اپنی عورت کو بھی ان صفات کا حامل بنائے۔ اسی طرح اگر عورت ان صفات سے متصف ہو لیکن مردان سے مخردم ہوتو عورت کو شش کرے کہ اس کے خاندان کے اندر بھی یہ مومنانہ صفات پیدا ہوں تاکہ دونوں ایک ساتھ جنت میں جائیں۔

﴿17﴾ خاوند کو تسلی دینے والی

نیک عورت کی ایک صفت یہ ہے کہ خاندان کو زندگی میں کوئی ایسا مرحلہ پیش آجائے جس سے وہ گھبرا جائے اور اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا ہو جائے تو عورت اس کو تسلی دے، اس کی ڈھارس بندھائے اور اس کی خوبیوں کا ذکر کر کے اس کو اللہ سے اچھی امیدیں وابستہ کرنے کی تلقین کرے۔

نبی ﷺ پر غار حرا میں جب غیر متوقع طور پر پہلی مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام وحی لے کر نازل ہوئے اور جبریل نے سورۃ علق کی ابتدائی آیات پڑھنے کی تلقین کی تو آپ چونکہ اُمّی (غیر تعلیم یافتہ) تھے تو آپ کی زبان مبارک سے وہ الفاظ ادا نہیں ہو رہے تھے اور آپ جبریل کے جواب میں یہی فرماتے تھے مَا اَنَا بِقَارِيءٍ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) جبریل آپ کو بھینچے اور آپ یہی فرماتے۔ جبریل نے تین مرتبہ آپ کو بھینچا جس کے بعد آپ کی زبان مبارک پر وحی کے الفاظ جاری ہو گئے۔ اس واقعے کی اصل حقیقت آپ نہیں سمجھ سکتے کہ یہ کیا ہے؟ اور یہ کون شخص ہے جس نے آپ کو کچھ الفاظ پڑھانے کی کوشش کی؟ جس پر آپ ایک انجانے خوف میں مبتلا ہو گئے۔ اور آپ اسی خوف و دہشت کے عالم میں گھر تشریف لائے، آپ کے جسم پر ایک کچی سی کیفیت طاری تھی اور آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ”زَمَلُونِي زَمَلُونِي“ ”مجھے کبیل اور ہادو، مجھے کبیل اور ہادو“

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اندازہ لگا لیا کہ آپ کے ساتھ کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے جس سے آپ پر خوف اور دہشت کی کیفیت طاری ہو گئی ہے، اس موقع پر ایک سمجھ دار خاتون کی طرح انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی خوبیوں کا تذکرہ کر کے فرمایا کہ آپ کے اندر تو یہ یہ خوبیاں ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ اچھا ہی معاملہ فرمائے گا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

«كَلَّا، وَاللَّهِ! مَا يُحْزِنُكَ اللَّهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَيَخِيلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ»[●]
 ”ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی حزن و غم میں مبتلا نہیں کرے گا، آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، ٹھکے ہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تہی دستوں کو کما کر کھلاتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق (کی راہ میں آنے والے) مصائب پر مدد کرتے ہیں۔“

دوسری تدبیر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ اختیار فرمائی کہ آپ کو اپنے پچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ یہ ورقہ دور جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی زبان جاننے کی وجہ سے انجیل کی باتوں کا علم بھی رکھتے تھے، انھوں نے یہ ماجرا سنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرا تھا تو انھوں نے کہا: یہ تو وہی ناموس ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔ اس طرح انھوں نے بھی آپ کو تسلی بلکہ خوش خبری دی کہ یہ تو وحی و رسالت کا وہ سلسلہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔

● صحیح البخاری، باب بدء الوحي، كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، حديث: 2

نیک بیوی کی صفات

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یہی خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وفات کے بعد بھی، جب کہ آپ کے حوالہ عقد میں متعدد ازواج مطہرات تھیں، ان کو یاد کرتے اور ان کا تذکرہ فرماتے رہتے تھے حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی بعض دفعہ ان کی تعریف سن کر رشک کا شکار ہو جاتیں حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی سب سے زیادہ چہیتی بیوی تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سیرت و کردار میں یہ سبق پنہاں ہے کہ خاوند کے ساتھ عورت کا رویہ اس طرح اخلاص و ہمدردی پر مبنی ہونا چاہیے کہ عورت اگر خاوند کی زندگی میں فوت ہو جائے تو مرد کے دل میں اس کی یادوں کا چراغ عمر بھر فروزاں رہے اور اس کو کبھی فراموش نہ کر سکے۔

18) صبر و ضبط کا نمونہ

اسی طرح عورت کو صبر و ضبط کا بھی ایسا نمونہ ہونا چاہیے جس سے مرد کو بھی حوصلہ ملے اور پہنچنے والا صدمہ برداشت کرنا آسان ہو جائے۔ غم و حزن کے موقع پر عورت بے صبری اور عدم برداشت کا مظاہرہ کرے گی تو یہ ایک تو شریعت کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ دوسرے مرد کو بھی غلط راستے پر ڈالنے کی مجرم ہوگی۔ اس کے برعکس صبر و ضبط کا مظاہرہ کرنے پر اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کے نزول کی خوش خبری ہے۔

﴿وَالصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۵۷﴾ [البقرہ: 155-157]

”اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے۔ وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے رب کی طرف سے

بخشش اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔“

صبر و ضبط کا ایک مثالی نمونہ

اس کا بہترین نمونہ ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے پیش کیا جس میں قیامت تک آنے والی مسلمان عورتوں کے لیے بہترین سبق ہے۔ وہ ہے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔ ان کا واقعہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں آتا ہے جسے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ریاض الصالحین میں نقل کیا ہے۔ ہم اسے ریاض الصالحین ہی کے حوالے سے یہاں درج کرتے ہیں واقعہ تفصیلی ہے، اس لیے اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا بیمار تھا، ابو طلحہ (جب کام کاج کے لیے) باہر چلے گئے تو بیٹا فوت ہو گیا۔ جب واپس آئے تو پوچھا: میرے بیٹے کا کیا حال ہے؟ (ان کی اہلیہ اور بچے کی ماں) ام سلمہ نے کہا: وہ پہلے سے کہیں زیادہ سکون میں ہے، پس بیوی نے ان کے سامنے رات کا کھانا رکھا جو انھوں نے تناول فرمایا، پھر بیوی سے ہم بستری کی۔ جب ابو طلحہ فارغ ہو گئے تو (بیوی نے بتلایا کہ بچہ تو فوت ہو گیا ہے)۔ اب اسے دفنادو! جب انھوں نے صبح کی تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سارا ماجرا بیان کیا۔ آپ نے پوچھا: کیا رات کو تم نے ہم بستری کی تھی؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں۔ آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! ان دونوں کے لیے برکت عطا فرما۔ (چنانچہ اس دعا کے نتیجے میں، مدت مقررہ کے بعد) ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ (حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) مجھ سے ابو طلحہ نے کہا: (ابو طلحہ حضرت انس کی والدہ ام سلمہ کے دوسرے خاوند تھے، یعنی حضرت انس کے سوتیلے باپ تھے۔ ام سلمہ کے پہلے خاوند حضرت انس کے والد، مالک بن نضر تھے جو اسلام لانے کے بجائے شام چلے گئے تھے اور وہیں فوت ہو گئے۔

نیک بیوی کی صفات

حضرت انس کی والدہ نے اس کے بعد ابو طلحہ سے نکاح کر لیا۔ اس بچے کو نبی ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ اور کچھ کھجوریں بھی ساتھ دے دیں۔ نبی ﷺ نے پوچھا: کیا اس کے ساتھ کوئی چیز ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، کچھ کھجوریں ہیں۔ نبی ﷺ نے وہ کھجوریں لے لیں اور ان کو منہ میں چبایا، پھر وہ اپنے منہ سے نکال کر بچے کے منہ میں ڈال دیں، اور اس کو (یوں) گھٹی دی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔[●]

اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ابن عیینہ نے کہا: انصار کے ایک آدمی نے انھیں بتایا کہ میں نے (اس) پیدا ہونے والے (بچے) عبداللہ کی اولاد سے نولڑکے دیکھے، سب کے سب قرآن کے قاری تھے۔[●]

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ابو طلحہ کا ایک بیٹا، جو ام سلیم کے بطن سے تھا، فوت ہو گیا تو ام سلیم نے اپنے گھر والوں سے کہا: تم ابو طلحہ کو ان کے بیٹے کی بابت مت بتلانا میں خود ہی ان کو بتلاؤں گی۔ چنانچہ ابو طلحہ آئے، ام سلیم نے رات کا کھانا ان کے سامنے رکھا، انھوں نے کھا یا بیٹا، پھر پہلے سے کہیں زیادہ بن سنور کر ان کے پاس آئیں، انھوں نے ان سے ہم بستری کی، جب ام سلیم نے دیکھا کہ وہ خوب سیر ہو گئے اور ہم بستری کر لی ہے تو کہا: اے ابو طلحہ! ذرا بتلاؤ! اگر کچھ لوگ کسی گھر والوں کو کوئی چیز عاریتہ (عارضی طور پر) دیں، پھر وہ اپنی عاریت کے طور پر دی ہوئی چیز واپس مانگیں تو کیا ان کے لیے جائز ہے کہ وہ وہینے سے انکار کر دیں؟ ابو طلحہ نے جواب دیا: نہیں۔ پس ام سلیم نے کہا: تم اپنے بیٹے کے بارے میں اللہ سے ثواب کی امید رکھو! (یعنی تمہارا بیٹا بھی، جو اللہ ہی کا دیا ہوا تھا،

● صحیح بخاری: کتاب العقیقہ، باب تسمیة المولود۔ حدیث نمبر: 5470،

صحیح مسلم: کتاب الآداب، باب استحباب تحنیک المولود۔ حدیث: 2144،

● صحیح بخاری: کتاب الجنائز، باب من لم ینظر حزنه عند المصیبة، حدیث نمبر: 1301

نیک بیوی کی صفات

اس نے اپنی امانت واپس لے لی ہے۔) یہ سن کر وہ غضب ناک ہوئے اور فرمایا: (جب میں گھر آیا تو کچھ بتلائے بغیر) تو نے مجھے یوں ہی چھوڑے رکھا حتیٰ کہ میں ہم بستری تک سے آلودہ ہو گیا اور اس کے بعد تو نے مجھے میرے بیٹے (کی دفات) کی خبر دی۔ (اس کے بعد) وہ گئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو کچھ ہوا وہ بیان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سن کر دعا فرمائی: اللہ تعالیٰ تم دونوں کے لیے تمھاری اس رات میں برکت عطا فرمائے۔ چنانچہ ام سلمہ کو حمل قرار پا گیا۔ (راوی حدیث حضرت انس نے بیان کیا کہ) رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے، حضرت ام سلیم بھی (اپنے خاوند ابو طلحہ کے ہمراہ) آپ کے ساتھ تھیں اور رسول اللہ ﷺ یہ کام معمول تھا کہ جب (سفر سے) مدینہ واپس تشریف لاتے تو رات کو تشریف نہ لاتے۔ جب یہ قافلہ مدینے کے قریب پہنچا تو ام سلیم کو درد زہ (زچگی کے عین وقت جو درد ہوتا ہے) شروع ہو گیا چنانچہ ابو طلحہ ان کی خدمت کے لیے رک گئے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ حضرت انس نے بیان کیا کہ پھر وقتی طور پر درد زہ رک گیا اور ابو طلحہ بھی مدینہ آ گئے، وہاں آ کر ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، پس میری والدہ ام سلیم نے مجھے کہا: اس کو اس وقت تک کوئی دودھ نہ پلائے جب تک تم صبح صبح اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش نہیں کر دیتے۔ پس صبح ہوتے ہی میں اسے اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا۔ آگے باقی حدیث بیان کی (جو پہلے گزر چکی ہے)۔

اس حدیث سے ہمیں معاشرتی زندگی کے لیے بہت سی ہدایات ملتی ہیں۔ مثلاً

● ایک صابر و شاکر عورت کا کردار کہ بچہ فوت ہو گیا لیکن کوئی جزع فزع، داویلا، بین اور

● ریاض الصالحین: باب الصبر، بحوالہ صحیح البخاری، حدیث 1301، 5470، وصحیح مسلم، حدیث: 2144

نیک بیوی کی صفات

- ① نوحہ و ماتم نہیں کیا۔ حتیٰ کہ خاوند جب گھر آتا ہے تو پہلے ایک خدمت گزار بیوی کی طرح خاوند کی تمام ضروریات کا اہتمام کرتی ہیں اور اس کے بعد خاوند کو ایک نہایت اچھوتے انداز سے بچے کی وفات کی اطلاع دیتی ہیں۔ جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ خاوند کی خدمت اور اسے آرام و سکون پہنچانا ایک مسلمان عورت کا اولین فرض ہے۔
- ② گھر میں خاوند کے لیے سولہ سنگھارا اور زیب و زینت کا اہتمام کرنا مستحسن ہے۔
- ③ ولادت کے بعد بچے کو کسی نیک آدمی کے پاس لے جا کر اس سے تحنیک کروانا (گھٹی دلوانا) چاہیے۔
- ④ مصیبت میں جو اللہ کے فیصلے پر راضی رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بہترین بدلہ عطا فرماتا ہے۔
- ⑤ ایسا تعریض و کنایہ (توریہ) جائز ہے جس سے دوسرا شخص مغالطے میں پڑ جائے تاہم وہ جھوٹ نہ ہو۔ وغیرہ۔

19) شکر گزار عورت

مسلمان عورت کی ایک اہم صفت شکر گزاری ہے، یعنی عسر و ئسر، خوش حالی اور تنگ دستی ہر حالت میں اللہ کا بھی شکر ادا کرے اور اپنے خاوند کی بھی شکر گزار ہو۔

آج کل ہماری معیشت و معاشرت میں جو تکلفات در آئے ہیں، اس نے ہر مرد و عورت کو احساس محرومی میں مبتلا کر دیا ہے جس کی وجہ سے کلمات تشکر ہماری زبان پر آتے ہی نہیں ہیں، نہ اللہ کے لیے اور نہ خاوند اور والدین کے لیے، حالانکہ انسان پر سب سے پہلے احسانات اللہ تعالیٰ کے ہیں، پھر والدین کے اور خاوند کے اور درجہ بدرجہ مگر قرابت داروں کے۔ اللہ کے ساتھ ساتھ ان سب کا مرہون احسان رہنا نہایت ضروری ہے، ورنہ انسان ناشکری میں مبتلا ہو جاتا ہے اور یہ ناشکری بہت بڑا جرم ہے اور عورتوں کی اکثریت اسی ناشکری کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بنے گا۔

یہ موضوع چونکہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے، لیکن بد قسمتی سے جتنا زیادہ اس کی اہمیت ہے، اتنی ہی اس سے بے اتنائی عام ہے اس لیے ہم اس پر قدرے تفصیل سے گفتگو کرنا مناسب بلکہ ضروری سمجھتے ہیں۔

اللہ کی اور خاوند کی ناشکری، ایک بڑا جرم اور اس کا نبوی حل

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ (قَالَ فِي حَدِيثٍ لِحُسُوفِ الشَّمْسِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ): «وَرَأَيْتُ النَّارَ فَلَمْ أَرَ كَأَيُّومٍ مَنْظَرًا قَطُّ، وَرَأَيْتُ أُكْتَرَ أَعْلَاهَا النَّسَاءَ، قَالُوا: لِمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ بِكُفْرِهِنَّ، قِيلَ يَكْفُورُنَّ بِاللَّهِ؟ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ، لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِخْدَاهُنَّ اللَّذَهْرَ لَمِ زَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ.»¹

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں سورج گرہن کا واقعہ بیان فرمایا، اس میں ہے کہ نبی ﷺ نے لوگوں کو خسوف کی نماز پڑھائی، اس نماز میں آپ کو جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کروایا گیا، نماز کے بعد آپ نے اس کی کچھ تفصیل بیان فرمائی۔ اس میں آپ نے فرمایا: ”میں نے جہنم کو بھی دیکھا، اور اس جیسا (ہولناک) منظر، جو میں نے آج دیکھا، کبھی نہیں دیکھا۔ اور میں نے جہنم میں اکثریت عورتوں کی دیکھی۔ صحابہ نے پوچھا، اللہ کے رسول! اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، ان کا ناشکری کرنا۔ پوچھا گیا، کیا اللہ کی ناشکری کرنا؟ آپ نے فرمایا: (نہیں) وہ خاوند کی ناشکری کرتی ہیں اور اس کے احسان کو تسلیم نہیں کرتیں۔ اگر تم ان میں سے کسی کے ساتھ زندگی بھر احسان کرتے رہو، پھر وہ تم سے کوئی ایسی بات دیکھ لے (جو اس کے مزاج اور طبیعت کے خلاف ہو) تو وہ کہے گی، میں نے تو تیرے ہاں کبھی سکھ دیکھا ہی نہیں۔“

اس حدیث میں عورتوں کی ایک بہت بڑی کمزوری کا بیان ہے اور وہ ہے خاوند کی

● صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب کفران العشیر وھو الزوج، وھو الخلیط من المعاشرة

ناشکری۔ عورت مرد کی رفیقِ زندگی اور شریکِ سفر ہے۔ زندگی میں نشیب و فراز اور حالات میں مدد و جزا آتے رہتے ہیں۔ انصاف اور اخلاق کا تقاضا ہے کہ کبھی مرد مشکلات میں پھنس جائے اور اس پر تنگ وقتی کا دور آجائے، تو ایسے حالات میں بھی عورت مرد کا اسی طرح ساتھ دے جیسے خوش حالی کے دور میں وہ دیتی رہی تھی اور حرفِ شکایت زبان پر لا کر مرد کی دل شکنی یا اس کی مشکلات میں اضافہ نہ کرے۔

جو عورتیں اس کے برعکس رویہ اختیار کرتی ہیں اور تنگی میں بھی ان کی توجہ اپنے لباس، اپنے زیورات اور اپنی آسائشوں اور سہولتوں ہی پر رہتی ہے اور ان میں کمی آنے پر مردوں کو کوستی اور شکوہ شکایتوں سے مردوں کی پریشانیوں میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ یہ نا انصافی ہے اور خاندانوں کی ناشکری ہے، جو اللہ کو ناپسند ہے اور یہ صفت اسے اتنی ناپسند ہے کہ اس کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ ایسی عورتوں کو جہنم میں ڈال دے گا۔

بنا بریں ضروری ہے کہ نیک خواتین، جنت میں جانے کی خواہش مند خواتین، اس حدیث رسول کو ہر وقت اپنے سامنے رکھیں اور کسی موقع پر بھی خاندان کی ناشکری کریں اور نہ اللہ کی ناشکری کریں، کہ یہ دونوں ناشکریاں جہنم میں لے جانے کا باعث بن سکتی ہیں۔ بلکہ بہتر ہے کہ محرومی اور تنگ وقتی کے موقع پر نبی ﷺ کی یہ حدیث سامنے رکھی جائے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ فَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ لَا تَزِدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ» ●

”ان کو دیکھو جو تم سے کمتر ہیں، ان کو مت دیکھو جو تم سے برتر ہیں۔ اس طرح تم ان نعمتوں کی جو اللہ نے تمہیں عطا کیں ہیں ناقدری نہیں کرو گے۔“

کتر اور برتر دنیا کی حیثیت سے۔ یعنی دنیوی مال و اسباب یا ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے جو تم سے برتر ہے، اسے مت دیکھو، اس طرح تمہیں جو بے شمار نعمتیں حاصل ہیں، ان کی کوئی قدر تمہاری نظر میں نہیں رہے گی اور یوں تم اللہ کی ناشکری کرو گے۔ اس کے برعکس جب تم اپنے سے کم تر یا اپنے سے بد شکل لوگوں کو دیکھو گے، تو تمہارے دل میں اللہ کی نعمتوں کا احساس پیدا ہوگا اور تم اللہ کا شکر کرو گے۔ اس مفہوم کو ایک دوسری حدیث میں اس طرح واضح کیا گیا ہے۔

﴿إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فَضَّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ، فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ مِمَّنْ فَضَّلَ عَلَيْهِ﴾^①

”جب تم میں سے کوئی شخص ایسے شخص کو دیکھے جو مال و دولت اور پیدائش (حسن و جمال) میں اس سے زیادہ حیثیت رکھنے والا ہو، تو وہ ایسے شخص کو بھی دیکھے جو (مذکورہ حیثیتوں کے اعتبار سے) اس سے کمتر ہو۔“

ایک اور حدیث میں نقطہ نظر کے مذکورہ دونوں پہلوؤں کے نتائج کو ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿خَصَلْتَانِ مَنْ كَانَتْ فِيهِ كِتْبَةُ اللَّهِ شَاكِرًا صَابِرًا وَمَنْ لَمْ تَكُونَا فِيهِ لَمْ يَكْتُبْهُ اللَّهُ شَاكِرًا وَلَا صَابِرًا، مَنْ نَظَرَ فِي دِينِهِ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَأَقْتَدَى بِهِ، وَمَنْ نَظَرَ فِي دُنْيَاةٍ إِلَى مَنْ هُوَ دُونَهُ فَحَمِدَ اللَّهَ عَلَى مَا فَضَّلَهُ بِهِ عَلَيْهِ كَتَبَهُ اللَّهُ شَاكِرًا وَصَابِرًا وَمَنْ نَظَرَ فِي دِينِهِ إِلَى مَنْ هُوَ دُونَهُ وَنَظَرَ فِي دُنْيَاةٍ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَأَسِيفَ عَلَى مَا فَاتَهُ مِنْهُ لَمْ يَكْتُبْهُ اللَّهُ شَاكِرًا وَلَا صَابِرًا﴾^②

① صحیح البخاری، کتاب الرقاق۔ باب لينظر الى من هو ... حديث: 6490، وصحيح مسلم، كتاب الزهد

والرقائق، حديث: 2963

② سنن الترمذی، کتاب صفة القيامة، 2512،

یہ روایت سزا ضعیف ہے لیکن دیگر صحیح احادیث میں بھی یہ باتیں بیان کی گئی ہیں، اس لیے تاہم یہ اس کو ذکر کیا گیا ہے۔

”دو خصلتیں ایسی ہیں جس میں وہ ہوں گی، اللہ تعالیٰ اسے شاکر و صابر لکھ دیتا ہے اور جس میں وہ نہیں ہوں گی، اسے اللہ شاکر و صابر نہیں لکھتا۔ جو شخص اپنے دین کے معاملے میں ایسے شخص پر نظر رکھتا ہے جو اس سے بڑھ کر ہے، پھر اس کی اقتداء کرتا ہے۔ اور دنیا کے معاملے میں اس شخص کو دیکھتا ہے جو اس سے کمتر حیثیت کا حامل ہے، پھر اس بات پر اللہ کی حمد کرتا ہے کہ اللہ نے اس کو اس پر فضیلت عطا کی ہے۔ (ان دو خصلتوں کے حامل شخص کو) اللہ تعالیٰ شاکر اور صابر لکھ دیتا ہے۔ اور جو شخص اپنے دین کے معاملے میں اپنے سے کمتر (دیندار) کو دیکھتا ہے اور دنیا کے معاملے میں اپنے سے برتر (مال دار) کو دیکھتا ہے اور پھر جو اسے (دنیا کے مال و اسباب سے) میسر نہیں ہے اس پر افسوس کا اظہار کرتا ہے، تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نہ شاکر لکھتا ہے اور نہ صابر۔“

اس حدیث میں مذکورہ دو خصلتوں کی موجودگی یا عدم موجودگی کا نتیجہ بتلایا گیا ہے جس میں پہلی دو خصلتیں ہوں گی، وہ یقیناً ایک تو دین و شریعت کی پابندی کا بھی زیادہ اہتمام کرے گا، کیونکہ اس کی نظر اپنے سے زیادہ متقی و پارسا شخص پر ہوگی اور وہ اسی کو نمونے کے طور پر اپنے سامنے رکھ کر اس کی اقتداء کرے گا۔ دوسرے، وہ شخص اللہ کا شکر بھی خوب ادا کرے گا کیونکہ وہ ہر وقت ان کو دیکھے گا جو اس سے بھی زیادہ محروم قسم کے لوگ ہیں، تو قدرتی طور پر ہر وقت اس کی زبان کلمات حمد سے تر اور اس کا دل اعترافِ نعمت سے معمور رہے گا۔ اس کے برعکس جس شخص کے اندر یہ دو خصلتیں نہیں ہوں گی، وہ ایک تو دین و شریعت کی پابندی کا بھی زیادہ اہتمام نہیں کرے گا، کیونکہ اس کے سامنے وہ نمونے ہوں گے جو دین کے زیادہ پابند نہیں ہوں گے۔ دوسرے، یہ شخص ہر وقت اپنی محرومی ہی کا گلہ اور اللہ کی نعمتوں کی ناقدری ہی کرے گا، کیونکہ اس کے آئیڈیل وہ لوگ ہوں گے جو محض

۱ ﴿﴾ رہن سہن میں ناز و نعمت کے بجائے سادگی پسندیدہ ہے ﴿﴾ ۱

دنیا دار اور ہر طرح کے وسائل سے بہرہ ور ہوں گے۔

رہن سہن میں ناز و نعمت کے بجائے تواضع اور سادگی پسندیدہ ہے ﴿﴾

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمَّا بَعَثَ بِهِ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ: (إِيَّاكَ وَالتَّنَعُّمَ فَإِنَّ عِبَادَ اللَّهِ لَيَسُوهُ بِالْمُتَنَعِّمِينَ) ❶

”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ انہیں یمن بھیجنے لگے تو آپ نے فرمایا: ناز و نعمت کی زندگی سے اجتناب کرنا، اس لیے کہ اللہ کے بندے ناز و نعمت اختیار کرنے والے نہیں ہوتے۔“

اس حدیث میں نبی ﷺ نے ناز و نعمت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ناز و نعمت سے کیا مراد ہے؟ پر تکلف زندگی، ہر وقت دنیاوی آسائشوں کی طلب میں رہنا، لباس فاخرہ زیب تن کیے رکھنا اور لباس کی کریم کو خراب نہ ہونے دینا، شاہانہ کردار اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ اختیار کرنا، وغیرہ۔

اس کے مقابلے میں جو چیز پسندیدہ اور ایک مومن کی شان کے زیادہ لائق ہے، اسے اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے جو ابو امامہ حارثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں نبی ﷺ نے فرمایا:

(الْبِتْدَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ) ❷

”بداؤت (لباس اور رہن سہن میں سادگی) ایمان کا حصہ ہے۔“

اور ابوداؤد میں یہ لفظ تاکید کے طور پر بہ تکرار ہے:

❶ مسند أحمد: (243/5)، موضعہ الإيمان (246/8) ومشكاة الرقاق، حدیث: 5282، وقال الألبانی إسناده جيد (1448/3)۔

❷ سنن ابن ماجہ: کتاب الزهد باب من لا یلزمہ حدیث: 4118، الصحیحۃ للألبانی، ج: 3، 341۔

— ﴿﴾ رہن سہن میں ناز و نعمت کے بجائے سادگی پسندیدہ ہے ﴿﴾ —

﴿إِنَّ الْبُذَاذَةَ مِنَ الْإِيمَانِ، إِنَّ الْبُذَاذَةَ مِنَ الْإِيمَانِ﴾⁴¹⁸¹
 ”بذازت (لباس اور رہن سہن میں سادگی) ایمان کا حصہ ہے، بذازت ایمان کا حصہ ہے۔“

قال، البذاذة القشافة، یعنی التشفيف۔ حدیث کے راوی نے بذاذة کے معنی کیے ہیں قشافة۔ اور قشافة یا تشفیف کا مطلب ہے، لباس اور رہن سہن میں سادگی اختیار کرنا۔ گویا بذازت تشعم کے الٹ ہے۔ تشعم کا مطلب ہے لباس اور رہن سہن میں تکلف اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ اختیار کرنا، اور بذازت کا مطلب اس کے برعکس سادگی اور فقیرنشی اختیار کرنا۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ تَرَكَ لِبْسًا تَوْبًا جَمَالًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ تَوَاضَعًا كَسَاهُ اللَّهُ حُلَّةَ الْكِرَامَةِ﴾⁴¹⁸²

”جس نے طاقت رکھنے کے باوجود تواضع کے طور پر خوب صورتی کا لباس پہننا چھوڑ دیا، اللہ تعالیٰ اسے (جنت میں) عزت کا جوڑا پہنائے گا۔“

یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔ شیخ البانی نے اسے ضعیف سنن ابی داؤد (رقم: 4348) میں درج کیا ہے، لیکن اس میں جو بات بیان کی گئی ہے وہ صحیح احادیث سے ثابت ہے، حدیث مذکورہ جس میں بذازت کو ایمان کا حصہ کہا گیا ہے، اس کا مفہوم بھی یہی ہے۔ اس لیے اس سے استدلال کرنا جائز ہے۔ بہر حال اس میں بھی تواضع کے طور پر سادگی اختیار کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

• سنن ابی داؤد، کتاب الترتیل، حدیث: 4181

• سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب من کظم غیظاً 4778

❖ رہن سہن میں ناز و نعمت کے بجائے سادگی پسندیدہ ہے ❖

﴿مَنْ لَبَسَ ثَوْبَ شَهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا، أَلْبَسَهُ اللَّهُ ثَوْبَ مَدْلُوَّةِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ أُهْبِتَ فِيهِ نَارًا﴾

”جس نے دنیا میں شہرت کا لباس پہنا، اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا، پھر اس میں آگ بھڑکائے گا۔“

شہرت کے لباس سے مراد، فخر و تکبر اور ریا کاری کی نیت سے بیش قیمت لباس کا پہننا ہے۔ درنہ فی نفسہ قیمتی لباس پہننا ممنوع نہیں جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آرہی ہے۔

نبی ﷺ، ازواج مطہرات و دیگر اہل بیت اور صحابہ کرام کی سادہ معاشرت کے چند نمونے:

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: (دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ) وَإِنَّهُ لَعَلَى حَصِيرٍ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ شَيْءٌ وَتَحْتِ رَأْسِهِ وَسَادَةٌ مِنْ أَدَمٍ حَشْوَةٌ لَيْفٌ وَإِنَّ عِنْدَ رِجْلَيْهِ قَرظًا مَصْبُورًا، وَعِنْدَ رَأْسِهِ أَهْبٌ مُعَلَّقَةٌ، فَرَأَيْتُ أُمَّرَ الْحَصِيرِ فِي جَنْبِهِ فَبَكَيْتُ، فَقَالَ مَا يُبْكِيكَ؟ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ كِسْرَى وَ قَيْصَرَ فِيمَاهُمَا فِيهِ وَأَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ فَقَالَ: (أَمَا عَرِضِي أَنْ تَكُونِ هُمَ الدُّنْيَا وَلَنَا الْأَجْرَةُ) وَفِي رِوَايَةٍ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَدْعُ اللَّهَ فَلْيُؤْتِنِ عَلَيَّ أُمَّتِكَ فَإِنَّ فَارِسَ وَالرُّومَ قَدْ وَسَّعَ عَلَيْهِمْ وَأَعْطُوا الدُّنْيَا وَهُمْ لَا يُعْبُدُونَ اللَّهَ لِحُجْسِ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ مُتَكِنًا فَقَالَ أَوْفِي هَذَا أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ؟ إِنَّ أَوْلَيْكَ قَوْمٌ قَدْ حَجَّلُوا طَبِيبَاتِهِمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا) ❖

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اپنی ازواج مطہرات سے ناراضی اور علیحدگی کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ ایک چٹائی پر استراحت فرماہیں، آپ کے اور چٹائی

● سنن ابن ماجہ: کتاب اللباس، باب من لبس شہرة من اللباس، حلیث: 3807

● صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب موعظة الرجل ابنته لحال زوجها، حلیث: 5191

— ﴿﴾ رہن سہن میں ناز و نعمت کے بجائے سادگی پسندیدہ ہے ﴿﴾ —

کے درمیان کوئی چیز (گدا، چادر وغیرہ) نہیں تھی، آپ کے سرہانے چڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور آپ کے پیروں کے پاس ایک درخت کے کچھ پتوں کا ڈھیر تھا، آپ کے سر کے پاس ایک کھال لٹکی ہوئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ چٹائی کے نشانات آپ کے پہلوؤں پر ثبت ہیں۔ تو میں رو پڑا، آپ نے پوچھا: ”عمر کیوں روتے ہو؟“ میں نے کہا، اللہ کے رسول! قیصر و کسری جس شان و شوکت میں ہیں وہ سب کو معلوم ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں (پھر بھی آپ کی یہ بے سرو سامانی؟) تو آپ نے فرمایا: ”عمر! کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ ان کے لیے دنیا ہی دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ہو۔“

ایک دوسری روایت میں ہے (حضرت عمر نے رسول اللہ ﷺ کی بے سرو سامانی کو دیکھ کر عرض کیا) اے اللہ کے رسول! اللہ سے دعا فرمائیے! وہ آپ کی امت پر فرامی فرمائے، اس لیے کہ فارس اور روم والوں پر تو فرامی کی گئی ہے اور دنیا کا مال ان کو خوب دیا گیا ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے، میری یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ سیدھے بیٹھ گئے اور آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے اور فرمایا: ”اے ابن الخطاب! کیا تم ابھی تک اس کی بابت شک میں ہو (کہ آخرت، دنیا سے بہتر ہے؟) یاد رکھو! یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کو ان کی نعمتیں دنیا ہی میں دے دی گئی ہیں (آخرت میں ان کے لیے کچھ نہیں ہے۔)“

اس حدیث میں نبی ﷺ کی سادہ معاشرت، دنیا سے بے رغبتی، بے سرو سامانی اور فکر آخرت کا بیان ہے۔ آپ کی ازواج مطہرات، آپ کی لخت جگر حضرت فاطمہ الزہرا اور دیگر صحابہ کرام کا بھی یہی حال تھا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بابت آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کے لیے ایک غلام، جوان کو ہبہ کرنا تھا، لے کر ان کے گھر آئے، تو ان کے سر پر جو کپڑا تھا وہ اتنا چھوٹا تھا کہ وہ پیروں تک پورا نہیں آتا تھا۔ چنانچہ وہ اس کپڑے کے ساتھ اپنا سر

۱ ﴿﴾ رہن سہن میں ناز و نعمت کے بجائے سادگی پسندیدہ ہے ﴿﴾

ڈھاکتیں تو پیروں تک نہیں آتا تھا اور پیر ڈھاکتیں تو سر تک نہیں آتا تھا۔ جب نبی ﷺ نے ان کی یہ صورت حال دیکھی تو فرمایا:

«لَيْسَ عَلَيْكَ بَأْسٌ، إِنَّمَا هُوَ أَبُوكَ وَغَلَامِكَ» ﴿﴾

”سریا پیر ننگے رہنے میں تیرے لیے کوئی حرج کی بات نہیں، اس لیے کہ تیرے سامنے صرف تیرے باپ یا غلام ہی ہیں۔“

یعنی تیرے لیے ان سے پردہ کرنا ضروری نہیں ہے، اس لیے ان کے سامنے سریا پیروں کو بنگا رکھنا جائز ہے۔

اس واقعے سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بے سرو سامانی کا بھی بہ آسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہی صورت حال ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تھی، جن کے چولہوں میں دودھ مہینے آگ ہی نہیں جلتی تھی، صرف پانی یا کھجوروں سے گزارا کرتی تھیں۔ ﴿﴾

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

”مدینہ آنے کے بعد نبی ﷺ کے وفات پا جانے تک، محمد ﷺ کی آل (ازواج مطہرات وغیرہ) نے مسلسل تین راتیں سیر ہو کر گندم کی روٹی نہیں کھائی۔“ ﴿﴾

نبی ﷺ کے اولین مدرسے کے اولین طلبائے علم، جنھیں اصحاب الصّفہ کہا جاتا ہے کی حالت بھی ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”میں نے ستر اصحاب صّفہ کو دیکھا، ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا کہ جس کے پاس بڑی چادر ہو (جس سے اس کا پورا جسم ڈھک جائے) کسی کے پاس

﴿﴾ سنن أبي داود: كتاب اللباس، باب في العبد ينظر إلى شعر مولاته حديث 4106

﴿﴾ صحيح البخاري: كتاب الرقاق، باب كيف كان عيش النبي: حديث: 6459

﴿﴾ صحيح البخاري: كتاب الرقاق، كيف كان عيش النبي: حديث: 6454

— ﴿﴾ رہن سہن میں ناز و نعمت کے بجائے سادگی پسندیدہ ہے ﴿﴾ —

ازار (تہ بند کی جگہ استعمال ہونے والی چادر) تھی، تو کسی کے پاس اوپر (قمیص کی جگہ) لینے والی چادر۔ انھی چادروں کو انھوں نے اپنی گردنوں سے باندھ رکھا تھا، پس وہ چادر کسی کی نصف پنڈلیوں تک پہنچتی تھی اور کسی کے شخنوں تک، اور وہ اسے اپنے ہاتھ سے سٹپے رکھتا تھا اس خوف سے کہ کہیں اس کا قابل ستر حصہ ظاہر نہ ہو جائے۔“ ﴿﴾

ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرہ ان کی بابت صراحت فرماتے ہیں:

”اہل صفہ، اسلام کے مہمان تھے، جن کا (مدینہ میں) کوئی گھر یا مکان نہ مال ان کے پاس تھا اور نہ ان کا کوئی کفیل ہی تھا، جب نبی ﷺ کے پاس صدقہ آتا، تو آپ ان کی طرف بھیج دیتے اور جب کوئی ہدیہ آتا تو اس میں ان کو بھی شریک فرما لیتے، یعنی کچھ آپ اپنے لیے رکھ لیتے اور کچھ ان کو دے دیتے۔“ ﴿﴾

اسی طرح اہل اسلام بھی ان کی مدد فرماتے اور بعض حضرات تو انھی کی خاطر کسب معاش کرتے اور اس سے ان کو غلہ فراہم کرتے، جیسے ایک روایت میں ستر انصاریوں کی بابت آتا ہے۔ کہ وہ رات کو قرآن پڑھتے اور آپس میں اس کا درس و مذاکرہ کرتے اور دن کے وقت یہ لوگ مسجد نبوی کے لیے پانی فراہم کرتے اور لکڑیاں جمع کر کے انھیں فروخت کرتے اور اس رقم سے اہل صفہ کے لیے کھانے پینے کا سامان خریدتے۔ ﴿﴾

ایک اور حدیث میں ہے کہ اہل صفہ فقیر قسم کے لوگ تھے، نبی ﷺ بعض دفعہ فرماتے کہ جس کے پاس دو شخصوں کا کھانا ہو تو تیسرا اہل صفہ میں سے لے جائے ورنہ جس کے پاس

● صحیح البخاری: کتاب الصلاة، باب نوم الرجال فی المسجد: حدیث: 442

● صحیح البخاری: کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی: حدیث 6452

● صحیح مسلم: بعد الحدیث کتاب الجہاد باب ثبوت الجنة للشہید حدیث 1802

۱ ﴿﴾ رہن سہن میں ناز و نعمت کے بجائے سادگی پسندیدہ ہے ﴿﴾

چار کا کھانا ہو تو پانچواں چھٹا ان میں سے لے جائے۔ باقی جو رہ جاتے، انھیں نبی ﷺ خود اپنے گھر لے جاتے، اور جو کچھ موجود ہوتا، اس میں سے ان کو کھلاتے۔ ﴿﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو خود بھی اپنے آپ کو مساکین صفہ میں شمار کرتے ہیں، اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس میں ان کی اپنی معاشی کسمپرسی کا حال بھی ہے اور دیگر اہل صفہ کی تنگ دستی کا تذکرہ بھی۔ نیز نبی ﷺ ان کا جس طرح خیال رکھتے تھے، اس کی وضاحت بھی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، یقیناً میں بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ کے بل زمین پر لیٹ جاتا اور بھوک ہی کی وجہ سے میں اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا، یہ پورا واقعہ آگے آئے گا، اس لیے یہاں صرف اشارہ ہی کیا جا رہا ہے۔“ ﴿﴾

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

﴿إِنِّي لَأَوَّلُ الْعَرَبِ زَمِي يَسْتَهْمُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَرَأَيْتُنَا نَعْرُؤُ وَمَالَنَا طَعَامًا إِلَّا وَرَقُ الْخُبْلَةِ وَهَذَا السَّمُرُ وَإِنْ أَحَدَنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ مَالَهُ خِلَاطٌ﴾

”عربوں میں میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیز اندازی کی۔ اور ہم نے اپنے آپ کو دیکھا کہ ہم جہاد کرتے تھے اور ہمارے پاس کھانے کے لیے جھاؤ کے پتے اور اس بھول کے درخت کے سوا کچھ نہیں ہوتا تھا، اور ہمارا ایک اس طرح میٹگنیاں کرتا تھا جیسے بکری کرتی ہے، وہ ملی ہوئی نہ ہوتی (یہ جگلی گزران کی طرف اشارہ ہے۔)“ ﴿﴾

① صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة في السلام، حديث: 3581

① صحیح البخاری: کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی، حديث: 6452

① صحیح البخاری: کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی، حديث: 6453

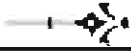
— ﴿﴾ رہن سہن میں ناز و نعمت کے بجائے سادگی پسندیدہ ہے ﴿﴾ —

— ﴿﴾ مال و دولت کی فروانی، ہلاکت کا پیش خیمہ ﴿﴾ —

نبی کریم ﷺ، ازوج مطہرات، دیگر اہل بیت اور صحابہ کرام کے مزاج و معاشرت کی اس سادہ اور دنیا کے اسباب راحت و آسائش سے بے نیازی کی مذکورہ تفصیلات یہاں بیان کرنے سے اصل مقصد یہ ہے کہ آج کل ہمارے رہن سہن، معاشرت اور طرز زندگی میں عیش و عشرت اور تکلفات کی جو ازرائی ہو گئی ہے اور آرائش و زیبائش کا جو طوفان برپا ہے، اس کا ادنیٰ سا تعلق بھی حضور کے طرز زندگی اور آپ کی معاشرت سے ہے؟ یقیناً نہیں ہے۔ آپ نے ان تکلفات کو، جنہیں ہم نے زندگی کے لوازمات بنا لیا ہے، قطعاً پسند نہیں فرمایا ہے، بلکہ آپ نے تو دنیا کی آسائشوں اور سہولتوں کی فراوانی کو تاہی درباری کا سبب بتلایا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا:

﴿قَوْلُ اللَّهِ مَا الْفَقْرُ أَحْسَىٰ عَلَيْكُمْ وَلَكِنَّ أَحْسَىٰ عَلَيْكُمْ أَنْ يُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلَىٰ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَّا قُسُومًا كَمَا تَنَّا قُسُومًا وَتَلْهَيْكُمْ كَمَا تَلْهَيْهُمْ﴾

”اللہ کی قسم! مجھے تمہارے فقر سے کوئی اندیشہ نہیں، مجھے اندیشہ ہے تو اس بات سے کہ تم پر دنیا فراخ کر دی جائے گی جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں پر فراخ کر دی گئی تھی۔ پس تم بھی اس دنیا میں اسی طرح رغبت کرو گے جیسے انہوں نے رغبت کی تھی اور یہ رغبت پھر تمہیں بھی اسی طرح ہلاک کر دے گی جیسے اس نے ان کو ہلاک کر دیا تھا۔“ ﴿﴾



عورت نئے گھر میں نئے ماحول میں

عورت رخصتی کے بعد اپنے والدین اور گھر کو چھوڑ کر ایک دوسرے گھر میں جاتی ہے والدین کے ہاں تو اس کو بھرپور پیار اس لیے ملا کہ وہ والدین کے جگر کا ٹکڑا تھی، اولاد نافرمان ہو تب بھی والدین سے پیار اور شفقت کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ پھر جس گھر اور ماحول میں وہ پروان چڑھی وہ اس کے لیے نہایت مانوس تھا۔

لیکن ایک نئے گھر میں خاوند کے علاوہ اس کو خاوند کے ماں باپ اور بہن بھائی بھی ملتے ہیں، یہ ابتداء اس کے لیے اجنبی ہوتے ہیں اور ماحول بھی نامانوس۔ اب یہ عورت کی سمجھ بوجھ، لیاقت و ذہانت اور اس کے رویے پر منحصر ہے کہ وہ خاوند کو کس طرح اپنا بناتی ہے؟ اس کے والدین کو اپنے ماں باپ کی طرح سمجھتے ہوئے ان سے اپنائیت کا اظہار کرتی ہے یا اس کے برعکس غیریت کا تاثر دیتی ہے؟ اس نئے ماحول کو خوش گوار بناتی ہے جہاں اب زندگی کے بقیہ ایام اس نے گزارنے ہیں یا اس کو ناگواری میں ڈھال کر اپنی زندگی بھی اجرن بنا لیتی ہے اور دوسروں کی زندگیوں میں بھی زہر گھول دیتی ہے؟

اس میں چند عوامل نہایت مؤثر کردار ادا کرتے ہیں جو مستقبل کو سنوار بھی سکتے ہیں اور

بگاڑ بھی سکتے ہیں۔

① والدین کی ذمے داری

اس میں اولین ذمے داری عورت کے والدین کی ہے۔ وہ بچی کو اچھی تربیت دیں جس میں حسب ذیل چیزیں شامل ہیں۔

- ① دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام، احکام شرعیہ کی پابندی اور سادگی کی تلقین
- ② خانگی امور کی تربیت۔ اس میں کھانے پکانے کی مہارت، صفائی ستھرائی کی تاکید، بچوں کی دیکھ بھال، گھریلو اخراجات میں کفایت شعاری اور سلیقہ پن شامل ہیں۔
- ③ ساس سر کے احترام کی تلقین، نندوں کی ساتھ پیار محبت اور شفقت کا سلوک، خاوند کی اطاعت و خدمت گزاری اور ہر حالت میں وفاداری کا مظاہرہ کرنے کی تاکید۔
- ④ بیٹی کو سمجھائیں کہ سسرال میں پیش آنے والے چھوٹے موٹے معاملات، معمولی تلخیاں یا کبھی کبھی تعلقات کی ناگواریاں برداشت کی جائیں، صبر و تحمل اور دانش مندی سے ان کو سلجھایا جائے اور روزمرہ کے واقعات یا کبھی کبھی کی ناخوش گواریوں کا ذکر اپنے ماں باپ سے نہ کیا جائے۔ اس سے والدین کے دلوں میں سسرالیوں سے نفرت پیدا ہوگی جو دونوں خاندانوں کے تعلقات میں خرابی اور بگاڑ کا باعث ہوگی۔

ہاں اگر واقعی سسرال والوں کا رویہ نئی دلہن کے ساتھ اچھا نہیں ہے، یہاں پیار کے بجائے اسے نفرت کا سامنا ہے، عدل و انصاف کے بجائے ظلم و ستم کی گرم بازاری ہے اور اس کو گھر میں وہ قرار واقعی مقام نہیں دیا جا رہا ہے جس کا وہ استحقاق رکھتی ہے۔ تو پھر اس انہونی صورت حال سے والدین کو ضرور مناسب انداز سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ اس کا حل نکال سکیں۔ تاہم عام حالات میں چھوٹی چھوٹی باتیں ماں باپ کو پہنچا کر ان کے سکون کو برباد کرنا نہ کوئی دانش مندی ہے اور نہ سسرال میں رہنے کا کوئی



قرینہ و سلیقہ۔

۵ بعض مائیں بیٹنگلی ہی اپنی بچی کو اس طرح کی الٹی پٹی پڑھا دیتی ہیں کہ دیکھنا وہاں کسی سے دب کر نہیں رہنا، اپنا رعب جمانے کی کوشش کرنا، کسی کی ماتحتی قبول نہیں کرنا، وغیرہ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت کو نئے گھر میں حکمت و دانش، پیار محبت اور تواضع و انکسار کے ذریعے سے اپنا جو مقام بنانا ہوتا ہے، اس سنہری موقعے کو وہ ضائع کر دیتی ہے اور ماں یا سہیلیوں کے پڑھائے ہوئے سبق پر عمل کرتے ہوئے محاذ آرائی کی فضا یا سرکشی کی سی صورت پیدا کر دیتی ہے اور یوں بنانا یا کھیل سب بگڑ کر رہ جاتا ہے اور حسین خوابوں کا شیش محل چکنا چور ہو جاتا ہے۔

اس لیے ماؤں کو اس قسم کا سبق بچیوں کو ہرگز نہیں پڑھانا چاہیے بلکہ اس کے برعکس اس کو برائی کو اچھائی سے نالنے کی اور عارضی تکلیفوں کے مقابلے میں صبر و حکمت سے کام لینے کی، بڑوں کا ادب و احترام اور چھوٹوں پر شفقت کرنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ جیسا کہ ہمیں انھی باتوں کو اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ

عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿٣٤﴾ [ح السجدة 34]

”نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو بھلائی سے دور کرو (ایسا کرو گے تو) پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے، ایسا ہو جائے گا جیسے وہ دلی دوست ہے۔“

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُؤَقِّرْ كَبِيرَنَا﴾ ❶

❶ جامع الترمذی: کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی رحمة الصبیان حدیث: 1919

عورت نئے گھر میں نئے ماحول میں
 ”اس کا ہم (مسلمانوں) سے تعلق نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت (رحم) نہیں
 کرتا اور ہمارے بڑوں کا ادب و احترام ملحوظ نہیں رکھتا۔“

② مرد کے لیے حکمت و دانش کی ضرورت

دوسرے نمبر پر خواند کا کردار ہے۔ جب نئی نویلی دلہن ایسے گھر میں آتی ہے جہاں شوہر کے والدین، اس کے بہن بھائی اور بھابھیاں وغیرہ بھی ہوتی ہیں تو پھر مرد کا امتحان شروع ہو جاتا ہے اس طرح کے مشترکہ خاندان میں عورتوں (ساس، نندوں وغیرہ) کے ساتھ ٹکراؤ کا خطرہ ہر وقت، سر پر لنگی تلوار کی طرح رہتا ہے۔ کسی وقت ساس بہو کے درمیان ٹکرار ہو جاتی ہے تو کبھی نندوں کے ساتھ ٹوک جھونک، یا بھابھیوں یا ان کے بچوں کے ساتھ کوئی معاملہ۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ مرد کا خصوصی تعلق ہے، گو اس کی اہمیت و نوعیت ایک دوسرے سے مختلف ہے، لیکن ہر ایک کے ساتھ تعلق کے خصوصی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

• ایک عورت اس کی بیوی بن کر اس کے پاس آئی ہے، وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں ناز و نعمت میں پلی ہے، وہ ماں باپ کی آنکھوں کا تارا اور ان کے دلوں کا ٹکڑا رہی ہے، اس نئے گھر میں اس کو ماں باپ کی محبت و شفقت کا بدلہ بلکہ نعم البدل ملنا چاہیے، (شریعت کا حکم بھی یہی ہے)۔

• اس مرد کی ماں ہے، جس نے اس کی خاطر ہر طرح کی مشقتیں برداشت کی ہیں، اس کو پال پوس کر جوان کیا ہے، پھر اس کی حسب خواہش اس کی جوانی کی آرزو (شادی کر کے) پوری کی ہے۔ بیوی کے آجانے کے بعد بھی ضروری ہے کہ ماں کی خدمت، حسن سلوک، ادب و احترام میں کوئی کمی نہ آئے۔

عورت نئے گھر میں نئے ماحول میں

● گھر میں باپ ہے، جس نے ڈکھ دیکھا نہ سکھ، ہر حالت میں شب و روز محنت کر کے دولہا کی کفالت کی، اس کی تعلیم سے لے کر زندگی کی ہر ضرورت تک، اس نے وسائل مہیا کیے، آخر میں شادی کا بندوبست کیا۔ کیا اب دولہا میاں کو یہ زیادے گا کہ شادی کے بعد وہ اپنے محسن باپ سے ادب و احترام اور حسن سلوک کے تقاضوں کی ادائیگی میں کوتاہی کرے؟

● دولہا کی بہنیں ہیں یا چھوٹے بھائی ہیں، ان کی بھی محبت کے کچھ تقاضے ہیں، جن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

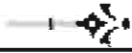
چکی کے تو دو ہی پاٹ ہوتے ہیں جن کے درمیان آنے کا محاورہ مشہور ہے، لیکن یہاں تو کئی پاٹ ہیں جن میں شادی کے بعد ایک مرد کو خواہی خواہی آنا پڑتا ہے۔ ان پاٹوں کی زد میں آنے سے بچاؤ کے لیے اسے حکمت و دانش سے کام لینا پڑے گا جس میں شریعت اسلامیہ اس کی پوری مدد کرتی ہے اور اگر مرد شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے سب کے حقوق کی ادائیگی میں۔ حسب مراتب۔ مخلص ہوگا اور کسی کے ساتھ بھی تجاوز کرنے کی نیت نہیں رکھے گا تو یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا اور وہ اس امتحان میں سرخ رُو رہے گا اور اس پل صراط کو عبور کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

3} ساس کا کردار

تیسرے نمبر پر دولہا کی ماں کا کردار ہے جس کو ساس کہا جاتا ہے اور ہمارے معاشرے میں ساس بہو کا روایتی کردار مشہور ہے اور اس کے بارے میں مختلف حکایتیں اور کہاوٹیں عام ہیں۔ ساس حسب ذیل تجاویز یا تدابیر کو اختیار کرے تو یقیناً حسن کردار کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں:

عورت نئے گھر میں نئے ماحول میں

- ① مذکورہ آیت وحدیث پر عمل کرتے ہوئے برائی کو بھلائی سے ٹالے، نفرت کے بجائے محبت واپنائیت کا مظاہرہ کرے، شفقت وزمکی کو معمول بنائے۔
- ② بیٹے کا گھر آباد کرنے کی نیت سے خوب دیکھ بھال کرولھن کو گھر میں لا کر رکھا ہے، اب گھر کو آباد رکھنے کی نیت کر لے اور اس کے جو تقاضے ہیں ان کو بروئے کار لائے۔
- ③ بہو کی خوبیوں کو سرا ہے، کوتاہیوں سے درگزر کرے۔ جو کوتاہیاں سمجھانے سے دور ہو سکتی ہیں، اسے سمجھا کر دور کرنے کی مخلصانہ اور ہمدردانہ کوشش کی جائے، بار بار سمجھانے میں بھی گرانی محسوس نہ کرے، اس کی ناسمجھی پر غصے اور ناراضی کا اظہار کرنے کے بجائے چھوٹوں پر شفقت کرنے کے جذبے کو توانا اور برقرار رکھے۔
- ④ بہو کو غیر نہ سمجھے بلکہ بیٹیوں کی طرح اسے عزیز رکھے، اسے بیٹیوں والا پیار اور شفقت دے، بیٹیوں کی غلطیوں کو جس طرح بار بار کرنے کے باوجود نظر انداز کر دیا جاتا ہے، بہو کی غلطیوں کو بھی یہی حیثیت دی جائے۔
- ⑤ اس میں کھانے پکانے کی صحیح مہارت نہ ہو تو اس کی اس کوتاہی کو تدریج دور کیا جائے، طعن و تشنیع کے بجائے اس کو نو آموز سمجھ کر خوش ذائقہ کھانوں کے طریقے اور ترکیبیں سمجھائی جائیں۔
- ⑥ بیٹا اگر بیوی سے محبت کرتا ہے اور یہ محبت کرنا فطری بات بھی ہے اور اس کا حق بھی نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ میاں بیوی کے درمیان جو محبت ہوتی ہے، اس کی کوئی دوسری مثال ناپید ہے۔ اس کی اس فطری محبت اور اس کے مظاہر کو برداشت کیا جائے، اس کو اپنا رقیب یا حریف سمجھنے کی غلطی نہ کی جائے۔ آخر شادی کا مقصد بھی اس کے سوا اور کیا ہوتا ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے سے زیادہ سے زیادہ محبت کریں؟



شادی کے بعد اس محبت پر اعتراض کا کیا جواز ہے؟

④ بیوی کا حسن کردار اور حسن تدبیر

گھر کو آباد رکھنے میں چوتھے نمبر پر بیوی کا کردار اور اس کا حسن تدبیر ہے اگر عورت حسب ذیل باتوں کا خیال رکھے تو وہ بھی یقیناً اپنے گھر کو امن و سکون کا گہوارہ اور جنت کا نمونہ بنا سکتی ہے۔

① چھوٹوں (نندوں وغیرہ) پر شفقت اور بڑوں (ساس، سسر وغیرہ) کے ادب و احترام کو اپنا شعار بنائے اور اس میں کسی مرحلے پر بھی کوتاہی نہ کرے۔

② امور خانہ داری میں پوری دلچسپی لے، کھانے پکانے کا کام ہو، صفائی ستھرائی کا مسئلہ ہو، مہمانوں کی خاطر تواضع کا مرحلہ ہو، عزیز واقارب سے تعلقات نبھانے کا مسئلہ ہو، خاوند یا ساس سسر کی خدمت کی ضرورت ہو، بچوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کی ذمے داری ہو، وہ کسی بھی مرحلے میں غفلت، سستی یا لاپرواہی کا مظاہرہ نہ کرے۔ عورت کی عزت، خدمت اور مسلسل خدمت ہی میں ہے۔ خدمت سے گریز کر کے کوئی عورت نہ عزت حاصل کر سکتی ہے اور نہ گھر والوں کے لیے آرام و راحت کا باعث ہو سکتی ہے۔ عورت سلیقہ مند بھی تب بھی کہلائی اور سچھی جائے گی جب وہ مذکورہ امور حسن و خوبی سے انجام دے گی، ورنہ وہ پھوہڑ عورت کہلائی اور سچھی جائے گی اور خاندان اور معاشرے میں سلیقہ مند عورت ہی معزز و محترم سمجھی جاتی ہے نہ کہ پھوہڑ عورت۔

③ عورت نئے گھر میں آ کر اپنے ماں باپ کے گھر کو بھول جائے۔ گھر کو بھول جانے کا مطلب، ماں باپ کو بھول جانا نہیں ہے، وہ تو ایک لازوال فطری تعلق ہے، اس کو کس طرح بھلایا یا دل سے نکالا جاسکتا ہے، ماں باپ سے محبت کا تعلق تو سدا قائم رہنا اور

عورت نئے گھر میں نئے ماحول میں

قائم رکھنا ہے، پرانے گھر کو بھول جانے کا مطلب یہ ہے کہ عورت یہ سمجھے کہ اب میرا جینا اور مرنا اس نئے گھر کے ساتھ ہی وابستہ ہے، اب میں نے اسی کو سنوارنا اور سنبھالنا ہے۔ لیکن اس جذبے کو زور و عمل لانے اور اس خاکے میں رنگ بھرنے کے لیے چند باتوں کا اہتمام ضروری ہے۔

اول، یہ کہ اس گھر کے عمر و نرس کو برداشت اور اس کی اونچ نیچ کو انگیز کیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کی چھوٹی چھوٹی باتیں بڑھا چڑھا کر ماں باپ تک نہ پہنچائی جائیں، چھوٹی موٹی باتیں ہر گھر میں ہوتی ہیں حتیٰ کہ ماں بیٹیوں کے درمیان اور باپ بیٹیوں کے درمیان اور بھائی بہنوں کے درمیان بھی ہوتی رہتی ہیں۔ اگر ساس بہو، یا بھوج نندوں کے درمیان یا میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہیں تو یہ کوئی نہ انہونی بات ہے کہ ماں باپ کو اس سے ضرور آگاہ کیا جائے اور نہ ان کی ایسی اہمیت ہی ہے کہ ماں باپ کے علم میں لانا ضروری ہو۔ بلکہ یہ رویہ سخت خطرناک اور آباد کاری کے منافی ہے۔ دوم، یہ کہ عورت اس نئے گھر کے ماحول کو سمجھے اور اپنے کو اس ماحول میں پوری سنجیدگی سے ڈھالے، ماں باپ کے گھر میں وہ جو کام کرتی تھی، وہ یہاں اگر نہیں ہوتے تو ان کو یہاں کرنے پر اصرار نہ کرے اور جو کام اس نے اپنے گھر میں کبھی نہیں کیے لیکن یہاں وہ کیے جاتے ہیں تو ان کے کرنے میں تاہل یا گریز نہ کرے، بشرطیکہ ان میں شریعت سے تجاوز نہ ہو۔

اسی طرح ماں باپ کے گھر میں اسے جو سہولتیں میسر تھیں، نئے گھر میں وہ سہولتیں کم ہیں یا ان کا فقدان ہے، تو اس سے نہ گھبرائے اور نہ پریشان ہو اور نہ اس کی وجہ سے ماں باپ کو کوسے۔ بلکہ اللہ سے دعائیں کرے اور بہتری کے لیے مل جل کر کوششیں جاری

عورت نئے گھر میں نئے ماحول میں

رکھے، اللہ کا یہ فرمان یاد رکھے:

﴿قُلْ إِنَّمَعَ الْعُسْرُ يُسْرًا ۖ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۗ﴾ [الانشراح: ۴۵]

”بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے، بلاشبہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے تکرار کے ساتھ دو مرتبہ اس حقیقت کا اظہار فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مشکلات سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ مشکلات کو آسانیوں میں تبدیل کرنے پر قادر ہے اور جو لوگ اللہ سے امیدیں وابستہ کرتے ہوئے صبر کرتے اور مشکلات برداشت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ضرورت دفرماتا اور ان کے لیے آسانیاں پیدا فرمادیتا ہے۔

سوم، یہ کہ اگر اس کو خاندان ایسا ملا ہے جو اس کی سوچ اور معیار سے کم ہے، وہ اس کے خوابوں کا شہزادہ نہیں ہے، اب اس کو نوشتہ تقدیر سمجھ کر دل سے قبول کر لے اور صبر شکر سے کام لے، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اسی میں اس کے لیے اس کے حسین سپنوں سے زیادہ بہتری پیدا فرمادے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ [البقرہ: ۲۱۶]

”ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو جب کہ وہ تمہارے لیے بری ہو۔ (کیونکہ) اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

اور ایک مشہور حکایت ہے، اس کو بھی ہر عورت سامنے رکھے۔

ایک نہایت دلچسپ حکایت

وہ دلچسپ اور عبرت آموز حکایت یہ ہے کہ ایک عورت نہایت حسین و جمیل تھی لیکن خاوند اسے اتنا ہی بد شکل اور بد صورت ملا۔ کسی نے اس عورت سے پوچھا کہ تو اتنی خوب صورت ہے اور تیرا خاوند اتنا بد صورت؟ تیرا گزارا اس کے ساتھ کس طرح ہو رہا ہے؟ اس نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا: ہمارا گزارا بہت اچھا ہو رہا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اللہ نے اس کو میرے جیسی حسین و جمیل بیوی عطا کر دی جس پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور مجھے اس جیسا بد صورت خاوند ملا تو میں نے اس پر صبر کیا، اور صابر و شاکر دونوں کے لیے اللہ کی طرف سے جنت کا وعدہ ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ دنیا تو چند روزہ ہے، گزر ہی جائے گی، لیکن ہم دونوں صبر اور شکر کرنے کی وجہ سے جنت کے حق دار قرار پائیں گے۔

یہ حکایت جتنی دلچسپ ہے، اتنی ہی حکمت و موعظت سے لبریز ہے۔ کاش عورتیں احساس محرومی کے وقت اس میں پنہاں سبق کو حرز جان بنالیں۔

④ اگر مشترکہ گھر میں جھڑپ اور دیور اور ان کی بیویاں اور بچے بھی ہوں، تو یہاں بھی عورت چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کے ادب و احترام والے اس سبق کو یاد رکھے جس کی تلقین مذکورہ حدیث میں کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں خوش اخلاقی اور خوش زبانی کا التزام کرے اور ان کے تقاضوں سے کسی بھی مرحلے پر انحراف نہ کرے۔

مشترکہ خاندان میں ان دونوں باتوں کی قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ اکٹھے رہنے میں جہاں بہت سے فائدے یا مجبوریاں ہیں وہاں لڑائی جھگڑے کے امکانات بھی بہت زیادہ ہیں۔ بعض دفعہ عورتوں میں باہم کسی بات پر تکرار ہو سکتی ہے۔

عورت نئے گھر میں نئے ماحول میں

بھائیوں کے درمیان اختلافات ہو سکتے ہیں، بچوں کا آپس میں مل کر کھیلنا کودنا اور نادانی اور نا سمجھی میں ایک دوسرے کو زک پہنچانا، بچوں میں معمول کی بات ہوتی ہے۔ چھوٹوں پر شفقت کا تقاضا ہے کہ بچوں کی لڑائی کو ایسا ہی سمجھا جائے جیسے بچپن میں حقیقی بہن بھائی ایک دوسرے کو مار پیٹ لیتے ہیں یا زیادہ تیز طرار بچہ دوسرے بھولے بھالے بھائی کی چیزیں چھین لیتا یا زیادتی کرتا ہے تو ان کو نا سمجھ سمجھ کر برداشت کیا جاتا ہے۔ یہی رویہ سارے بھائیوں کے چھوٹے بچوں کے ساتھ اپنانا ضروری ہے، سب کو اپنے ہی بچوں کی طرح سمجھیں اور دیکھیں اور ان کی آپس کی باہمی محصورانہ لڑائیوں کو نظر انداز کریں اور ان کی لڑائی کو بڑوں کی لڑائی میں تبدیل نہ کریں اور نہ ہونے دیں۔

اس رویے کے اپنانے میں بڑوں کے ادب و احترام اور خوش اخلاقی و خوش زبانی کا بھی بڑا دخل ہے، کوئی بھی عورت ان کے تقاضوں سے بھی کبھی غفلت نہ برتے بلکہ ان خوبیوں کو اپنی سیرت و کردار کا حصہ اور زندگی کا معمول بنائے۔ یہ اللہ رسول کا بھی حکم ہے اور حکمت و دانش کا مظہر بھی۔ جس کے اختیار کرنے میں آخرت کی بھی بھلائی ہے اور دنیوی زندگی میں خیر اور فلاح کا ذریعہ بھی۔ اللہ کی نظر میں بھی پسندیدگی کا باعث ہے اور خاندان میں بھی عزت اور نیک نامی کا ذریعہ۔ وَفَّقَ اللَّهُ لِحَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضَى۔

⑤ اگر خاندان کے وسائل الگ گھر لے کر الگ رہنے کے متحمل نہیں ہیں تو عورت خاندان کو کبھی بھی اس پر مجبور نہ کرے، بلکہ مذکورہ ہدایات کی روشنی میں مشترکہ طور پر ہی گزارا کرے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے آسانیاں پیدا فرمادے۔

عورت نئے گھر میں نئے ماحول میں

ہاں اگر خاوند کے وسائل اس امر کی اجازت دیں کہ وہ الگ مکان لے سکتا ہے (کرائے پر یا خرید کر) اور وہاں وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے گزارا کر سکتا ہے اور علیحدہ رہ کر والدین کی بھی حسب ضرورت اور حسب استطاعت خدمت کر سکتا ہے، تو شادی کے بعد علیحدگی میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ اس صورت میں علیحدگی بہتر ہے۔ ایسی صورت حال میں والدین کو بھی بیٹے کو بہ رضا و رغبت علیحدہ رہنے کی اجازت دے دینی چاہیے۔

⑥ بڑوں کے ادب و احترام کی بابت جو عرض کیا گیا ہے، ان میں ساس سر (دولہا کے ماں باپ) سرفہرست ہیں۔ سسرال میں آنے کے بعد عورت (دلہن) کے لیے یہ بھی اس کے لیے ماں باپ کے درجے میں ہیں۔ اب اس گھر میں جس طرح یہ دولہا کے ماں باپ ہیں، دلہن کے بھی ماں باپ ہیں۔ ماں باپ کے لیے بھی ضروری ہے کہ آنے والی دلہن کو بیٹی کی حیثیت دیں اور بیٹیوں والی شفقت اور پیار سے دیں، اسی طرح عورت بھی ان کو زبان ہی سے امی، ابو نہ کہے بلکہ دل کی گہرائیوں سے ان کو ماں باپ والا احترام (پروٹوکول) دے، ان کے ساتھ گستاخانہ رویہ کسی حال میں بھی روانہ رکھے۔ ساس اس کو امور خانہ کے بارے میں جو ہدایات دے، ان کو بہ صمیم قلب قبول کرے، ان کو بروئے کار لانے میں عمدہ کوئی کوتاہی نہ کرے۔ ساس کو بار بار سمجھانے کی ضرورت پیش نہ آئے، یہ ضرورت اسی وقت پیش آتی ہے جب بہوان ہدایات کی نہ پروا کرتی ہے اور نہ ان ہدایات کی روشنی میں اپنا رویہ تبدیل کرتی ہے۔ حالانکہ ان ہدایات کا مقصد عام طور پر بہو کی اصلاح، گھر کی اصلاح اور روزمرہ کے معمولات میں پیش آنے والی کوتاہیوں کی اصلاح ہوتی ہے، ان ہدایات کی پابندی اور سنجیدگی سے

عورت نئے گھر میں نئے ماحول میں
ان پر عمل کرنے سے بہو کے کردار ہی میں بہتری آتی ہے اور گھروالوں کی نظر میں اس کی عزت اور احترام میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

لیکن بار بار کے سمجھانے کے باوجود اگر بہو اپنی اصلاح نہیں کرتی تو اس سے یقیناً وہ گھروالوں کی نظر میں اس احترام سے محروم ہو جاتی ہے جو اس کا حق ہے اور جو اس کو اس گھر میں ملنا چاہیے۔ لیکن اس کی وجہ اس کی اپنی کوتاہی ہے جو کسی سمجھ دار بہو سے متوقع نہیں ہے۔

علاوہ ازیں بہو کا یہ کردار بھی گستاخی پر مبنی ہے کہ ساس، جو بمنزلہ ماں ہے، اس کو ایک بات بار بار سمجھاتی ہے لیکن وہ اس کو اختیار نہیں کرتی، اس کے مطابق اپنی اصلاح نہیں کرتی تو یقیناً یہ گستاخی ہے جس کی نہ شرعاً اس کو اجازت ہے نہ اخلاقاً اور نہ مصلحتاً۔

مصلحت تو اسی میں ہے کہ وہ ساس کی سمجھائی ہوئی باتوں کو اہمیت دے، آخرا ب دلہن نے اسی گھر میں رہنا ہے تو وہاں کے بڑے سے بڑے رکھتا کوئی دانش مندی نہیں ہے۔ ساس کا قراری واقعہ احترام کر کے اس کے دل میں اپنا مقام اور اپنا وقار بنائے، یہی دانش مندی ہے، یہی عزت و وقار کا باعث اور امن و سکون کی خوش گوار فضا قائم کرنے اور قائم رکھنے کا ذریعہ ہے، اسی میں خاوند کی بھی رضا مندی ہے۔ اور اس کی رضا مندی احکام شریعت کی پابندی کے بعد، جنت کی ضمانت ہے۔



— ﴿﴾ — میاں بیوی کی رنجش میں میسکے والوں کا کردار — ﴿﴾ —

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، وہاں حضرت علی موجود نہیں تھے، آپ نے اپنی صاحبزادی سے پوچھا: تمہارے عم زاد (علی) کہاں ہیں؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

«كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ فَعَاصَبَنِي فَخَرَجَ فَلَمْ يَقُلْ عِنْدِي»
 ”میرے اور ان کے درمیان کوئی بات ہوئی تھی تو وہ گھر سے غصے میں چلے گئے
 اور میرے پاس قیلولہ بھی نہیں کیا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص سے کہا: ”ان کو دیکھو! وہ کہاں ہیں؟“

اس نے آ کر بتلایا کہ حضرت علی مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ وہ واقعی وہاں سوئے ہوئے ہیں، ان کی چادر (نیند کی وجہ سے) ان کے پہلو سے گری ہوئی ہے اور ان کے جسم کو مٹی لگ گئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَمُ أَبَا جُرَابٍ، فَمُ أَبَا جُرَابٍ»

۱ ﴿﴾ میاں بیوی کی رنجش میں میکے والوں کا کردار ﴿﴾

”ابوتراب، اٹھو! ابوتراب اٹھو!“ ﴿﴾

اس وقت سے ان کی یہ کنیت مشہور ہو گئی اور چونکہ اس کنیت سے آپ کو خطاب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا، اس لیے یہ کنیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت پسند تھی۔ ابوتراب کے معنی ہیں، مٹی والے۔ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرش زمین پر لیٹے ہوئے تھے اور چادر جسم سے اتر جانے کی وجہ سے جسم پر مٹی لگ گئی تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو ابوتراب (مٹی والے) سے خطاب فرمایا۔

اس واقعے میں یہ نہایت اہم سبق پنہاں ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اگر کوئی رنجش ہو جائے اور لڑکی کے گھر والوں کو اس کا علم ہو جائے تو اس کا حل یہ نہیں ہے کہ بچی کو فوراً اپنے گھر لے آؤ، یا بچی از خود خاوند کے گھر سے نکل کر میکے چلی آئے۔ بلکہ عورت گھر ہی میں رہے، عورت کے گھر والے بھی اسے اپنے خاوند ہی کے گھر میں رہنے دیں، البتہ پہل کر کے خاوند سے رابطہ کریں اور میاں بیوی کے درمیان پیدا ہونے والی رنجش کو دور کر دیں اور اس کے لیے مناسب تدابیر اختیار کریں۔

ہمارے ہاں ایسی صورت میں اس کے برعکس بالعموم یہ ہوتا ہے کہ لڑکی والے لڑکی کو اپنے گھر لے آتے ہیں یا بعض لڑکیاں اتنی جسارت کرتی ہیں کہ از خود اپنے میکے آ جاتی ہیں۔ ماں باپ بیٹی کی محبت میں اس کے اس غلط اقدام کی حمایت کر کے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، یوں معاملہ بگڑ جاتا ہے اور اختلاف کی چنگاری شعلہ بن جاتی ہے جس سے بعض دفعہ گھر ہی بھسم ہو کر رہ جاتا ہے۔

بیٹی کی یہ محبت نادانستی پر مبنی ہے اور اس قسم کا فیصلہ جلد بازی کا مظاہرہ ہے۔ نہ یہ بے

— ﴿﴾ — میاں بیوی کی رخصت میں میکے والوں کا کردار — ﴿﴾ —

دانش صحیح ہے اور نہ یہ جلد بازی ہی مناسب ہے۔ محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ بیٹی کا گھر آباد ہی رہے، یہ جذبہ تمام باتوں پر غالب رہے۔ اس کے لیے بہتر حکمت عملی یہی ہے کہ بچی کو ہر حالت میں سسرال ہی میں رہنے دیا جائے، اگر وہ خود آجائے تو اس کی حوصلہ شکنی کی جائے اور اسے فوراً سسرال پہنچا دیا جائے اور مناسب انداز سے باہم پیدا ہونے والے اختلاف کو دور کرنے کی سعی کی جائے، بیٹی کی غلطی ہو تو اس کی سرزنش کی جائے، سسرال والوں کی غلطی ہو تو ان کو سمجھایا جائے۔ لیکن کسی حالت میں بھی بچی کو نہ خود گھر میں لا کر بٹھائیں اور نہ بچی کو گھر میں آنے دیں۔ بچی سے محبت کا صحیح تقاضا اس کے گھر کو آباد رکھنا ہے نہ کہ اس کی غلط طور پر حوصلہ افزائی کر کے اس کے گھر کو اُجاڑنا۔

شریعتِ اسلامیہ نے تو اس نکتے کو اتنی اہمیت دی ہے کہ پہلی اور دوسری طلاق میں بھی، جن میں عدت کے اندر خاوند کو رجوع کرنے کا حق رہتا ہے، یہ حکم دیا ہے کہ مطلقہ کو خاوند ہی کے گھر میں رہنے دیا جائے، طلاق مل جانے کے باوجود والدین اس کو اپنے گھر مت لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِمَا حَشَوْنَهُنَّ مِنْهُنَّ﴾ [الطلاق 1]

” (طلاق کے بعد) ان کو ان کے (اپنے) گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، ہاں اگر وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو اور بات ہے (پھر نکالنے کا جواز ہے)۔“

جنی مردوں اور جنی عورتوں کی صفات

ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

”کیا میں تمہیں تمہارے جنی مردوں کی بابت نہ بتلاؤں؟ نبی جنی ہے، صدیق جنی ہے، شہید جنی ہے، (معصوم) بچہ جنی ہے، وہ شخص جنی ہے جو اپنے (مسلمان) بھائی کی زیارت کے لیے شہر کے آخری کنارے پر محض اللہ کی رضا کے لیے جاتا ہے۔“ پھر فرمایا:

«وَلِسَاءَ كُمْ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ الْوَدُودُ الْوَلُودُ الْعَوْدُ عَلَى زَوْجِهَا، أَلْبَنِي إِذَا غَضِبَ جَاءَتْ حَتَّى تَضَعُ يَدَهَا فِي يَدِ زَوْجِهَا وَتَقُولُ: لَا أَذُوقُ غَمًّا حَتَّى يَرْضَى» ❶

”اور تمہاری جنی عورتوں میں سے ایک وہ عورت جنی ہے جو (خاوند سے) بہت محبت کرنے والی، بہت بچہ پیدا کرنے والی اور اپنے خاوند سے گہرا تعلق رکھنے والی ہو، خاوند جب اس سے ناراض ہو جائے تو وہ (اس سے بے اعتنائی کرنے یا اکڑنے کے بجائے) اس کے پاس جاتی ہے، حتیٰ کہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیتی ہے اور کہتی ہے کہ میں اس وقت تک پلک نہیں جھپکاؤں گی جب تک تو راضی نہیں ہو جائے گا۔“

آج کل کی عورتوں میں مذکورہ صفات کی عورتیں کم ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔

❶ اس حدیث کی رُو سے عورت کے اندر مرد سے بے اعتنائی اور اکڑنے کا جذبہ نہایت خطرناک ہے، اس کے برعکس خاوند کی ناراضی دیکھ کر اس کو منانے اور راضی کرنے کا جذبہ عورت کو جنت میں لے جانے والا ہے، بشرطیکہ دیگر احکام و فرائض کی پابندی کا بھی اہتمام ہو۔

جنی مردوں اور جنی عورتوں کی صفات

● آج کل کی عورتیں زیادہ بچے پیدا کرنے سے بھی گریز کرتی ہیں، محض اس لیے کہ زیادہ بچے جننے سے ان کے حسن و رعنائی میں کمی آجائے گی، یا بعض وسائل کی کمی کا بہانہ پیش کرتی ہیں، یہ دونوں ہی باتیں غلط ہیں۔ حکم شریعت اور اجر و ثواب کے مقابلے میں اپنے حسن و جمال کے برقرار رکھنے کو اہمیت دینا، ایک مسلمان کی شان کے خلاف ہے۔ اسی طرح وسائل کا بہانہ اللہ تعالیٰ کی رزاقیت اور اس پر اعتماد و توکل کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے، رزق تو ہمارے ہاتھ میں ہے، ہم تمہیں بھی اور تمہارے بچوں کو بھی (چاہے وہ کتنے ہی ہوں) رزق دینے پر قادر ہیں، بلکہ سب کی رزق رسانی ہماری ذمہ داری ہے۔

﴿تَحْنُ نَزْرُؤُكُمْ وَإِنَّا لَهُمْ﴾ [الأنعام 151]

”ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور بچوں کو بھی۔“

﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا﴾ [ہود 6]

”زمین پر چلنے والے کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔“

بنابریں جنت کی خواہش مند عورت کو اولاد کی کثرت سے نہیں ڈرنا چاہیے، نہ از خود افزائش نسل کے خلاف مصنوعی طریقے ہی اختیار کرنے چاہئیں۔

البتہ کوئی عورت ایسی بیمار اور کمزور ہو جس کے لیے بار بار حمل اور وضع حمل کی تکلیف برداشت کرنا مشکل ہو، تو اس کو جان بچانے کے لیے عزل کے جائز طریقے اختیار کرنے کی علماء نے اجازت دی ہے۔

عزل کا مطلب، ایسے طریقے اختیار کرنا ہے کہ جس سے مرد کی منی عورت کے رحم میں نہ جاسکے، جیسے اس کے لیے صدر اسلام میں مرد انزال کے وقت آلہ تناسل عورت کی شرم گاہ سے باہر نکال لیتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ناپسندیدگی کے باوجود اس کی اجازت دی

۱ جنی مردوں اور جنی عورتوں کی صفات

ہے۔ آج کل اس کا متبادل کنڈوم (ساتھی) وغیرہ ہیں۔ زیر بحث مخصوص صورت میں اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ (جیسا کہ اس پر مختصر بحث پہلے گزر چکی ہے)۔

مخصوص حالات کے بغیر، ضبط ولادت کے سارے طریقے ناجائز ہیں

تاہم اس کے لیے نس بندی یا عورت کی بچہ دانی کا نکال دینا یا مانع حمل دوائیوں کا استعمال شرعاً محل نظر ہے۔ نس بندی کا مطلب، آپریشن کے ذریعے سے مرد کے آلہ تناسل افزائش نسل کی صلاحیت سے محروم کر دینا ہے۔ اس کے بعد مرد اس قابل نہیں رہتا کہ وہ عورت کو بار آور (حاملہ) کر سکے۔

بچہ دانی کے نکال دینے کا عمل عورت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کی اندام نہانی (رحم) سے بچہ دانی نکال دی جاتی ہے (یہ عمل بھی غالباً آپریشن ہی کے ذریعے سے ہوتا ہے) اس کے بعد عورت کو حمل ہی نہیں ٹھہرتا اور یوں وہ افزائش نسل کے قابل نہیں رہتی۔

مانع حمل دوائیوں کا استعمال بھی اس لیے جائز نہیں کہ ایک تو یہ انسانی صحت کے لیے مضر ہیں۔ دوسرے مسلمانوں کو جو کثرت اولاد کی ترغیب دی گئی ہے اس کے منافی ہے۔

ضبط ولادت (برتھ کنٹرول) کے لیے آج کل یہ تینوں طریقے سرکاری طور پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ جن سے زنا کاری کو فروغ مل رہا ہے۔ اس لیے یہ تینوں طریقے حرام ہیں۔ البتہ عزل یا اس کا مذکورہ متبادل مخصوص صورتوں میں جائز ہے، مطلقاً اس کا بھی جواز نہیں ہے۔



کثرت اولاد یا گھٹا اولاد اسلام نے کس کی ترمیم دی ہے؟

نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا:

«إِنِّي أَصْنَبُ امْرَأَةً ذَاتَ جَمَالٍ وَحَسَبٍ وَأَنْتَا لَا تَلِدُ أَفَأَتَزَوِّجُهَا، قَالَ: لَا، ثُمَّ آتَاهُ الثَّانِيَةَ فَنَهَا، ثُمَّ آتَاهُ الثَّلَاثَةَ، فَقَالَ: تَزَوِّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ، فَإِنِّي مُكَافِّرٌ بِكُمْ الْأَمَمِ»¹

”مجھے ایک عورت مل رہی ہے جو خوبصورت اور اچھے خاندان کی ہے، البتہ وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں ہے، کیا میں اس سے شادی کر لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں“ وہ دوبارہ آیا، آپ نے پھر اس کو روک دیا، پھر وہ تیسری مرتبہ آیا، تو آپ نے فرمایا: (محض حُسن اور خاندان مت دیکھو بلکہ) بہت محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے شادی کرو، کیونکہ (قیامت کے دن) تمہاری کثرت کی وجہ سے میں دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔“

کوئی عورت زیادہ بچے پیدا کرے گی یا کم کرے گی یا بالکل ہی نہیں کرے گی؟ ان باتوں کا علم تو شادی کے بعد ہی ہوتا ہے۔ تو شادی کرتے وقت کس طرح معلوم ہوگا کہ یہ مذکورہ تین قسم کی عورتوں میں سے کون سی عورت ہے؟ اس کا اندازہ اس کی ماں، بہنوں کو

¹ سنن أبي داود: كتاب النكاح، باب النهي عن ترويح من لم يلد من النساء، حديث: 2050

دیکھنے سے بالعموم ہو جاتا ہے۔

آج کل یہ پروپیگنڈا عام ہے کہ بچے دو یا تین ہی کافی ہیں، دین سے بے خبر لوگ اس پروپیگنڈے سے متاثر بھی ہو رہے ہیں لیکن اسلامی تعلیمات کی رو سے یہ نعرہ یکسر غلط ہے۔ اس کے لیے کہا جاتا ہے کہ آبادی میں بے تحاشا اضافہ ہو رہا ہے اگر اس آبادی کو کنٹرول نہ کیا گیا تو ملکی وسائل ناکافی ہو جائیں گے۔

یہ دراصل اسلام دشمن طاقتوں کا بے بنیاد پروپیگنڈا ہے، ورنہ اس کی آڑ میں ان کا اصل ایجنڈا یہ ہے کہ اسلامی ملکوں میں افزائش نسل کی حوصلہ شکنی کر کے ان کو افرادی قوت سے محروم کر دیا جائے تاکہ جب کبھی وہ بیدار ہوں (کیونکہ ابھی تو مسلمان غفلت کی نیند سوئے ہوئے ہیں) تو وہ ہم سے لڑنے کا حوصلہ نہ کر سکیں۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جوں جوں انسانی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے، اس کے مطابق اللہ تعالیٰ وسائل بھی پیدا فرما رہا ہے۔ آج سے چند صدیاں قبل انسانی آبادی محدود تھی، اس وقت وسائل رزق بھی نہایت محدود تھے۔ اور اب جب کہ آبادی بہت زیادہ پھیل گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے وسائل بھی فراواں کر دیے ہیں اور کسی چیز کی کمی انسانوں کو محسوس نہیں ہوتی۔ یہ قدرت کا نظام ہے جو اس نے نکوینی طور پر قائم کیا ہوا ہے اور اس میں آئندہ بھی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس لیے اس نعم میں ہلکان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ زیادہ آبادی کے لیے کھانے پینے کے وسائل کس طرح مہیا ہوں گے؟ رزق کا ذمہ اللہ نے لیا ہے اور وہ اسے پورا کر رہا ہے اور قیامت تک کرتا رہے گا۔

البتہ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ اللہ کے پیدا کردہ وسائل کو ہم پوری منصوبہ بندی سے بروئے کار لائیں، مثلاً جو زمینیں قابل کاشت بیکار پڑی ہیں، ان کو ہم کاشت کاری کے

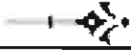
لیے کام میں لائیں، وہاں تک پانی پہنچانے کا انتظام کریں، آمد و رفت کو آسان بنائیں اور کاشت کاروں کو ان کی حسب ضرورت وسائل مہیا کریں۔

دوسرے نمبر پر سادگی اور کفایت شعاری کو اپنائیں۔ اس وقت فضول خرچی ہمارا شعار بنا ہوا ہے جس کی وجہ سے بے پناہ وسائل ضائع ہو رہے ہیں۔ اس ضیاع کو روک کر بھی ہم اپنے وسائل میں مُتَعَدِّیہ (معقول) اضافہ کر سکتے ہیں۔

تیسرے نمبر پر سیلابی بندوں اور پشتوں کو مضبوط کریں تاکہ ہر سال سیلاب کی وجہ سے فصلوں، جانوروں اور انسانوں کا جو ضیاع ہوتا ہے، وہ نہ ہو۔

ضبط ولادت کی تحریک، زنا کاری کو فروغ دینے کی استعماری مہم ہے ﴿﴾

علاوہ ازیں ضبط ولادت کی اس تحریک کے پیچھے اسلام دشمن طاقتوں کا یہ منصوبہ بھی کار فرما ہے کہ اسلامی ملکوں میں اس کے ذریعے سے فحاشی، بے حیائی اور زنا کاری کو فروغ دیا جائے اور یوں اسلامی تہذیب کا وہ تخصص و امتیاز ختم ہو جائے جو انسانی معاشرے میں حیا و عفت کے تحفظ کا ضامن ہے۔ جس میں استعماری طاقتیں مسلمان عورت کو بے پردہ کرنے کے باوجود کامیاب نہیں ہو سکی ہیں۔ جب نس بندی، رحم کی بندش اور مانع حمل دوائیں اور طریقے عام ہو جائیں گے تو اس سے زنا کاری کے نتیجے میں حمل ٹھہرنے کا خوف ختم ہو جائے گا جو زنا کاری کے عام ہونے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ یوں اسلامی ملکوں میں اسلام کی اعلیٰ تہذیب کے مقابلے میں مغرب کی حیا باختہ تہذیب کا چلن عام اور اسلام کا تخصص و امتیاز ختم ہو جائے گا۔ ﴿لَا قَدْرَةَ اللّٰهُ، ثُمَّ لَا قَدْرَةَ اللّٰهُ﴾ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان اپنے دشمنوں کی اس سازش کو اور اسلامی تہذیب کے



خلاف اس منصوبے کو سمجھیں اور ضبط ولادت کے بجائے کثرت اولاد کے جذبے کو تو اتانا اور برقرار رکھیں اور اللہ پر اعتماد و توکل رکھیں۔ یہی ایک مسلمان کی شان ہے۔

﴿وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ [ابراہیم 11]

”مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔“

﴿وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ﴾ [ابراہیم 14]

”توکل کرنے والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔“

بڑھتی ہوئی آبادی سے پیدا ہونے والے مسائل کا صحیح حل

بہر حال ضبط ولایت کی تحریک کے پیچھے ایک نہایت گہری اور گھناؤنی سازش کا فرما ہے، ورنہ اس کا اصل حل یہ نہیں ہے کہ آباوی کو کنٹرول کرنے کے لیے نفاشی کے ذرائع عام کر دیے جائیں، بلکہ اس کا اصل حل وسائل حیات کے ضیاع کو روکنا اور اس کے لیے بہتر منصوبہ بندی ہے۔

اس وقت وسائل کا جس طرح ضیاع ہو رہا ہے، اس کا اندازہ کرنے کے لیے اقوام متحدہ کے ایک ذیلی ادارے کی رپورٹ ملاحظہ فرمائیں۔ یہ خبر، رپورٹ یا سروے روزنامہ ”آواز“ لاہور (24 اکتوبر 2013ء) درج ذیل سرخی کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

”دنیا میں ہر سال 750 ارب ڈالر کی غذائی اشیاء ضائع ہو جاتی ہیں“

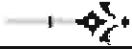
اب اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

”نیویارک (آن لائن) دنیا میں ہر سال 750 ارب ڈالر کی غذائی اشیاء ضائع

ہو جاتی ہیں، جو دو ارب افراد کی غذائی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی ہے۔ اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے۔ نوڈ اینڈ ایگریکلچر آرگنائزیشن۔ (ایف اے او) نے اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ دنیا میں ہر سال ایک ارب 30 کروڑ ٹن اشیاء خراب یا ضائع ہوتی ہیں، جو کل پیداوار کا ایک تہائی ہے۔ اس ضیاع کو روکا جائے تو دنیا کی ایک چوتھائی سے زیادہ آبادی یعنی دو ارب افراد کی غذائی ضروریات پوری ہو جائیں گی۔ ترقی پذیر ممالک میں ناقص سہولیات کے باعث کاشت، نقل و حمل اور سٹوریج کے دوران غذائی اشیاء خراب ہوتی ہیں جبکہ امیر ممالک میں خریدار کی جانب سے ضیاع سب سے زیادہ ہے۔ یورپ اور شمالی امریکہ میں ہر سال اوسطاً ہر خریدار سو کلو غذائی اشیاء ضائع کرتا ہے جبکہ افریقہ میں یہ ضیاع 10 کلو سالانہ سے بھی کم ہے“ (روزنامہ آواز۔ لاہور)

یہ تو غذائی اشیاء کا وہ ضیاع ہے جس کا سدباب اگر کر دیا جائے تو یہ موجودہ غذائی ذخائر ہی مزید دو ارب انسانوں کی خوراک کے لیے کافی ہیں۔

اس کے ساتھ اگر فضولیات کی مد میں اربوں روپوں کا جو ضیاع ہو رہا ہے اسے اگر روک لیا جائے تو اتنے زیادہ مالی وسائل سمیٹا ہو سکتے ہیں کہ جس سے معیشت میں ایک نئی روح پھونگی جاسکتی ہے۔ مثلاً: سگریٹ نوشی ہے جس پر ایک رپورٹ کے مطابق گیارہ ارب روپے سالانہ برباد کر دیے جاتے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں پان نوشی ہے، پوری دنیا میں سگریٹ نوشی اور دیگر نشیات کا سلسلہ ہے، عورتوں کے غازہ و لپ اسٹک (میک اپ) کا بڑھتا ہوا بے ہودگی کا مسئلہ ہے۔ عورتوں کے نت نئے فیشنوں اور اسٹائلوں کے لیے بے پناہ اخراجات ہیں اور اس طرح کے دیگر غیر ضروری اخراجات ہیں۔ ان پر



سالانہ کئی ارب نہیں، کھربوں روپے برباد ہو رہے ہیں۔ ان سب کو ختم یا کم یا اعتدال پر رکھنے سے کھربوں روپے سالانہ بچ سکتے ہیں جن کو بے وسائل افراد کی ضروریات پر خرچ کر کے آبادی کنٹرول کرنے کے بجائے آبادی کی فلاح و بہبود پر خرچ کر کے بڑھتی ہوئی آبادی سے پیدا ہونے والے مسائل کو نہایت آسانی سے حل کیا جاسکتا ہے۔



بیوی کا دینی جذبہ اور خاوند کی اطاعت

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی جب کہ ہم آپ کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے، اس نے کہا: میرا خاوند صفوان بن معطل جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھے مارتا ہے اور جب میں روزہ رکھتی ہوں، تو روزہ تڑوا دیتا ہے اور خود فجر کی نماز بھی اس وقت پڑھتا ہے جب سورج نکل آتا ہے (حالانکہ فجر کی نماز صبح طلوع شمس سے پہلے پڑھنی چاہیے)

اس وقت صفوان بھی وہاں موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ سے ان شکایات کی بابت پوچھا تو انھوں نے کہا:

اے اللہ کے رسول! اس نے جو کہا ہے کہ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھے مارتا ہے، تو بات یہ ہے کہ یہ دو دوسور میں پڑھتی ہے، میں اس کو اس سے روکتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر ایک سورت بھی ہو تو لوگوں کے لیے کافی ہے۔“ اور اس کا یہ کہنا کہ وہ روزہ تڑوا دیتا ہے تو بات یہ ہے کہ یہ جب (نفل) روزہ رکھنے پر آتی ہے تو (لگاتار) رکھتی ہی چلی جاتی ہے جب کہ میں جوان آدمی ہوں، صبر نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز فرمایا: ”کوئی عورت خاوند کی اجازت کے بغیر (نفل) روزہ نہ رکھے۔“ اور اس کا یہ کہنا کہ میں (فجر کی) نماز سورج کے نکلنے کے بعد پڑھتا ہوں، تو بات یہ ہے کہ یہ بات ہمارے

بیوی کا دینی جذبہ اور خاوند کی اطاعت ﴿﴾ ﴿﴾

گھرانے کی بابت مشہور ہے، ہمیں اس وقت تک جاگ نہیں آتی جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب تو بیدار ہو، نماز پڑھ لیا کر۔“ ﴿۱﴾

اس حدیث میں کئی اسباق ہیں: مثلاً

﴿۱﴾ بیوی کو نفلی عبادت کا شوق ہو تو اچھی بات ہے لیکن اس شوق کے پورا کرنے میں خاوند کے حقوق متاثر نہ ہوں۔ اس لیے نفلی عبادت میں خاوند کی اجازت ضروری ہے۔

﴿۲﴾ بیوی خاوند میں کوئی دینی کوتاہی دیکھے تو وہ بڑوں تک اس کی شکایت پہنچا سکتی ہے تاکہ اس کی اصلاح ہو سکے۔

﴿۳﴾ ہر نماز اپنے وقت میں پڑھنی چاہیے تاہم معقول عذر ہو تو بعد میں پڑھنا بھی جائز ہے۔

﴿۴﴾ بیوی کی نفلی عبادت سے خاوند کی حق تلفی ہو تو خاوند اس کو اس سے روک سکتا ہے یا اس میں تخفیف کرنے کا حکم دے سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔



عورت، اپنے غریب خاوند کو زکوٰۃ دے سکتی ہے ﴿﴾

﴿﴾ عورت، اپنے غریب خاوند کو زکوٰۃ دے سکتی ہے ﴿﴾

نبی ﷺ نے ایک عید کے موقع پر خطبہ دیا، اس میں عورتوں کو بھی الگ وعظ فرمایا جس میں ان کو کثرت سے صدقہ و خیرات کرنے کی ترغیب فرمائی۔

اسی روز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ (زینب) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا:

«إِنَّكَ أَمَرْتَ الْيَوْمَ بِالصَّدَقَةِ وَكَانَ عِنْدِي حُلِيٌّ لِي فَأَرَدْتُ أَنْ أَتَصَدَّقَ بِهِ، فَوَضَعَهُ ابْنُ مَسْعُودٍ أَنَّهُ وَوَلَدَهُ أَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَلَيْهِمْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ صَدَقَ ابْنُ مَسْعُودٍ، زَوْجُكَ وَوَلَدُكَ أَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَلَيْهِمْ» ﴿﴾

”آج آپ نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ہے، میرے پاس میرا کچھ زیور ہے، میں نے اسے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا ہے، تو ابن مسعود کا خیال ہے کہ میں جن لوگوں پر صدقہ کروں گی تو ان کے مقابلے میں وہ ادران کی اولاد زیادہ مستحق ہے۔ (یہ سن کر) نبی ﷺ نے فرمایا: ابن مسعود نے سچ کہا، تیرا خاوند اور تیری اولاد ان کے مقابلے میں زیادہ حق دار ہے جن پر تو صدقہ کرے گی۔“

ایک دوسری روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے حضرت زینب کے سوال کے جواب میں فرمایا:

﴿﴾ عورت، اپنے غریب خاندن کو زکوٰۃ دے سکتی ہے ﴿﴾

﴿نَعْمَ، وَهَذَا أَجْزَانِ، أَجْرُ الْقَرَابَةِ وَأَجْرُ الصَّدَقَةِ﴾۔

”ہاں وہ اپنے خاندن کو صدقہ دے سکتی ہے، اس میں اس کے لیے دو گنا اجر ہے۔

ایک حق قرابت کی ادائیگی کا اجر اور ایک صدقے کا اجر۔“

اس سے معلوم ہوا کہ خاندن اگر غریب ہو، اس کی آمدنی سے گھر کے اخراجات پورے نہ ہوتے ہوں اور بیوی صاحبہ حیثیت ہو یا اس کے پاس بمقدار نصاب طلاق زبور ہوں تو اس کے لیے زکوٰۃ کی رقم اپنے خاندن کو دینا نہ صرف جائز ہے بلکہ افضل ہے، اس طرح وہ ذیل اجر کی مستحق ہوگی۔ اسی طرح زیر پرورش یتیم بچوں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا بھی دگنے اجر کا باعث ہے۔

تاہم خاندن اپنی زکوٰۃ کی رقم اپنی بیوی اور اپنے بچوں پر خرچ نہیں کر سکتا، کیونکہ ان کے نان نفقہ کا ذمہ دار وہ خود ہے، وہ یہ ذمہ داری اصل مال سے ادا کرے گا نہ کہ مال زکوٰۃ سے۔ عورت چونکہ خاندن کے نان نفقے کی ذمہ دار نہیں ہے اس لیے وہ اس کو زکوٰۃ دے سکتی ہے۔



بیوی انمول عطیہ ہے، عضو معطل نہیں

انمول، ایسی قیمتی اور نادر چیز کو کہا جاتا ہے جس کی قیمت صحیح معنوں میں ادا نہیں کی جا سکتی۔ عورت بھی ایک ایسی ہی انمول چیز ہے کہ مرد اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتا، گو یا وہ ایسا عطیہ الہی ہے جس پر انسان اللہ کا جتنا بھی شکر کرے، اس نعمت اور عطیے کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے آپ دو سوالوں پر غور کریں۔

① آپ اس پر کتنی ماہانہ یا سالانہ رقم خرچ کرتے ہیں؟

② اور وہ اس کے بدلے میں آپ کی، آپ کے بچوں اور گھر کی کتنی خدمت کرتی ہے؟

اگر عورت سکھڑ، سلیقہ مند، سادہ مزاج (جیسا کہ ایک مسلمان عورت کو ہونا چاہیے) زمانے کے نئے نئے فیشنوں سے بیزار، آئے دن نئے نئے مطالبات سے نا آشنا اور اس قسم کی دیگر خوبیوں سے آراستہ ہو۔ تو آپ خود سوچ لیں آپ اس پر کتنی ماہانہ یا سالانہ رقم خرچ کرتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں اس کی خدمت کا جائزہ لیں اور سوچیں کہ اس سے آپ کو کتنے مالی اور دیگر فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

ہیوی انمول عطیہ ہے، عضو معطل نہیں

① وہ تین وقت آپ کے لیے، بچوں کے لیے، اگر والدین وغیرہ بھی ہوں تو ان کے لیے بھی خوراک کا انتظام کرتی ہے، صبح کا ناشتہ، دوپہر کا اور رات کا کھانا۔ اس کے لیے اگر آپ کسی باورچی کا انتظام کریں تو اس کے لیے کم از کم 15 سے 20 ہزار روپے تک ماہانہ آپ کو دینے پڑیں گے۔

② وہ آپ کے اور بچوں کے اور دیگر افرادِ خانہ کے کپڑے دھوتی اور ان کو استری کرتی ہے اگر آپ یہ کپڑے کسی ڈرائی کلیئر (دھوبی) سے دھلوائیں تو اس پر بھی ماہانہ خرچ چار پانچ ہزار سے کم نہیں ہوگا۔

③ گھر کی صفائی ستھرائی کے لیے آپ کسی ملازمہ کو رکھیں گے تو اس کا بھی ماہانہ خرچ دو ہزار سے ڈھائی تین ہزار تک سے کم نہیں ہوگا۔

ان کے علاوہ گھر کے اور کئی دسیوں قسم کے کاموں کے لیے، جو عورت وہ خاموشی سے سرانجام دیتی ہے، جیسے چھوٹے بچوں کی حفاظت اور نگرانی وغیرہ کے لیے کوئی آیا، ماما رکھیں گے تو اس پر بھی چند ہزار روپے ماہوار ضرور آپ کا خرچہ ہوگا۔

اس رقم کا حساب لگالیں جو 25 سے 30 ہزار کے درمیان ہوگی۔ گویا ہیوی کی ان خدمات کے عوض آپ کو 25 سے 30 ہزار تک کی ماہانہ بچت ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ وہ آپ کے دکھ درد میں آپ کی ساتھی، زندگی کے بیشتر معمولات میں آپ کی مشیر، آپ کو سکون اور لذت کا سامان مہیا کرنے والی ہے۔ یہ سکون اور لذت آپ کو ہیوی کی آغوشِ محبت کے سوا اور کہیں سے نہیں مل سکتی۔

ان تمام حقیقتوں کے باوجود بعض لوگ عورت کی ان جانکاهِ محنتوں اور جاں گدازِ مشقتوں کو چنداں اہمیت نہیں دیتے اور اسی لیے اس گراں قدر نعمت کی قدر نہیں کرتے۔

ہیوی انمول عطیہ ہے، عضو معطل نہیں

اور بعض نادان قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ عورت معاشرے کا عضو معطل ہے، اس کو مرد کے شانہ بشانہ ملک کی ترقی میں حصہ لینا چاہیے، یوں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ گھریلو عورت جو ملک کی نصف آبادی ہے، بیکار اور ملک پر بوجھ ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک

یہ مغرب زدہ، شیطان صفت اور اسلامی تعلیمات سے یکسر بے خبر لوگ ہیں، واقعہ تو یہ ہے کہ عورت اپنے منصبی دائرہ کار میں گھریلو امور سرانجام دے کر مرد کو بے مثال سکون مہیا کرتی ہے جس کی بنا پر مرد بیرون در کی تمام مصروفیات نہایت خوش دلی اور بے فکری سے سر انجام دے لیتا ہے۔ اگر گھر کی طرف سے اس کو یہ سکون میسر نہ ہو تو مرد گھر سے باہر کے امور (تجارت و کاروبار، لین دین، سیاست و نظم حکومت وغیرہ) احسن طریقے سے سرانجام نہیں دے سکتا۔

بنا بریں عورت عضو معطل نہیں ہے بلکہ ملک کا فعال عضو اور ملکی ترقی میں مرد کے ساتھ برابر کی شریک ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مغرب کی عورت اپنی ردائے عفت کو تار تار کر کے اور خاندانی نظام کو تار پیڑ کر کے ملک کی ترقی میں شریک ہے اور مسلمان عورت نے اپنی عصمت کو بھی داؤ پر نہیں لگایا ہے اور خاندانی نظام کو بھی تحفظ دیا ہوا ہے اور ان دونوں خوبیوں کے ساتھ وہ گھر کے مذکورہ سارے کام کرے ملک کی ترقی میں بھی برابر کا کردار ادا کر رہی ہے۔



خطبہ حجۃ الوداع میں عورتوں کے بارے میں خصوصی ہدایات

خطبہ حجۃ الوداع میں، جو نبی ﷺ کا آخری حج تھا اور آپ کی زندگی کا آخری سال بھی تھا، آپ نے جن خصوصی باتوں کی طرف اپنی امت کو توجہ دلائی۔ ان میں عورتوں کے بارے میں بھی آپ نے بڑی اہم ہدایات دیں۔ آپ نے فرمایا:

«فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللَّهِ، وَأَسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللَّهِ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوطِئَنَّ فُرُوشَكُمْ أَحَدًا تَكَرَّهْتُمْ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذَلِكَ فَاصْرَبُوهُنَّ صَرْبًا عِنْدَ مَبْرَحٍ، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنْ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ، كِتَابَ اللَّهِ» (مسلمانو!) عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اس لیے کہ تم نے ان کو اللہ کی ضمانت پر لیا ہے اور ان کی شرم گاہوں کو بھی اللہ کے نام پر حلال کیا ہے، تمہارے لیے عورتوں پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تمہیں حق ہے کہ ان کو ایسی مار مارو جس سے ان پر نشان نہ پڑے (تشبیہ کے طور پر ہلکی سی مار) اور ان عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کی خوراک اور پوشاک کا معروف طریقے سے انتظام کرو، اور میں تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اس کے ہوتے ہوئے تم ہرگز گمراہ نہیں ہو گے، بشرطیکہ تم اسے تمہارے رہو گے (اس پر عمل پیرا ہو گے) (وہ کیا ہے؟) اللہ کی کتاب۔^①

صحیح مسلم: کتاب الحج، باب حجة النہی، حدیث: 1218

یہ ساری باتیں وہی ہیں جو پہلے گزر چکی ہیں، ان کو یہاں دوبارہ بیان کرنے سے مقصود رسول اللہ ﷺ کی اس فکر و تشویش کی وضاحت ہے جو عورتوں کے بارے میں آپ کو تھی کہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اور حج جیسے اہم موقع پر، جس میں مسلمان بہت بڑی تعداد میں موجود تھے، یہ اہم باتیں بیان فرمائیں تاکہ مسلمان ان کو نظر انداز کر کے عورتوں کے اس مقام و مرتبہ کو فراموش نہ کر دیں جو اسلام نے ان کو عطا کیا ہے۔ کاش مسلمان عورتوں کے بارے میں ان اہم ہدایات کو سامنے رکھیں اور ان کے برعکس رویہ اختیار کر کے اسلام کی بدنامی کا باعث نہ بنیں۔



مرد کی حاکمیت کا مسئلہ

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾ [النساء: 34]

”مرد عورتوں پر حاکم (قوام) ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مرد اپنا مال (ان عورتوں پر) خرچ کرتے ہیں۔“

یہ مسئلہ گزشتہ صفحات میں بھی گزر چکا ہے، یہاں اس کی خصوصی اہمیت کی وجہ سے دوبارہ بیان کیا جا رہا ہے، اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر جو فوقیت (برتری) عطا فرمائی ہے، اس کی دو وجہیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک وجہ وہی (اللہ کی عطا کردہ) ہے اور دوسری وجہ کسی ہے، یعنی انسان کی محنت کا اس میں دخل ہے۔ وہی فضیلت سے مراد وہ مردانہ قوت اور دماغی صلاحیت ہے جس میں مرد عورت سے خلقی (پیدائشی) طور پر ممتاز ہے۔ اور کسی سے مراد وہ معاشی جدوجہد ہے جس کا مکلف شریعت نے مرد کو بنایا ہے اور عورت کو اس کی فطری کمزوری اور مخصوص تعلیمات کی وجہ سے، جو اسلام نے عورت کی عفت و حیا اور اس کے تقدس کے تحفظ کے لیے ضروری بتلائی ہے، عورت کو معاشی جھمیلوں سے دور رکھا ہے۔

عورت کی سربراہی کے خلاف قرآن کریم کی یہ نصِ قطعی بالکل واضح ہے جس کی تائید



صحیح بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لن يفلح قوم ولوا امرهم امرأة»

”وہ قوم ہرگز فلاح (کامیابی) نہیں پائے گی جس نے اپنے (دنوی) امور و معاملات کسی عورت کے سپرد کر دیئے“

مرد کی اس سربراہی کا تعلق ملک و قوم اور گھر کے معاملات چلانے اور ان کا انتظام کرنے سے ہے ورنہ جہاں تک عورت کے بہ حیثیت انسان ہونے کے، انسانی حقوق کا معاملہ ہے، ان میں وہ اور مرد برابر ہے۔ عورت کے لیے جس طرح یہ ضروری ہے کہ وہ مرد (خاوند) کے سارے انسانی حقوق ادا کرے۔ اسی طرح مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورت (بیوی) کے سارے انسانی حقوق ادا کرے۔ اسی لیے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَلِلرِّجَالِ عَلَىٰ نِسَائِهِنَّ كَدَرَجَةٍ﴾ [البقرة: 228]

”اور عورتوں کے بھی معروف کے ساتھ ویسے ہی حق ہیں جیسے ان (عورتوں) پر مردوں کے حق ہیں البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ حاصل ہے۔“

اس آیت میں بھی اللہ نے جہاں مرد اور عورت (میاں بیوی) کے انسانی حقوق میں یکسانیت کا ذکر فرمایا ہے وہاں ساتھ ہی مرد کی فضیلت کو بھی بیان فرما دیا ہے اور یہ وہی فضیلت اور برتری ہے جس کا تعلق مرد کے حاکمانہ اختیارات سے ہے۔ جیسے فطری قوتوں میں، جہاد کی اجازت میں، میراث کے دوگنا ہونے میں، قوامیت و حاکمیت میں اور حتیٰ طلاق و رجوع (وغیرہ) میں۔ یہ ساری خوبیاں مرد کو دی گئی ہیں، عورت کو نہیں۔ یہ امتیازات مرد کے ہیں، عورت کے نہیں۔ یا قرآن کریم کے الفاظ میں یہ ”درجہ“ مرد

کو حاصل ہے، عورت کو نہیں۔

انسانی معاشرے کی بہتری اسی میں ہے کہ عورت مرد کی اس فطری برتری کو تسلیم کرے، اس کو نہ چیلنج کرے اور نہ اس میں مساوات کا دعویٰ کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گی تو حکم الہی سے انحراف بھی ہوگا اور معاشرہ بھی فساد اور بگاڑ کا شکار ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَسْتَمْتُوا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۖ
وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبْنَ﴾ [النساء 32]

”اور اس مقام و مرتبہ کی خواہش مت کرو جس کے ساتھ اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، مردوں نے جو کمایا اس میں ان کا حصہ ہے اور عورتوں نے جو کمایا اس میں ان کا حصہ ہے اور تم اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو۔“

اس آیت کے شان نزول میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ مرد جہاد میں حصہ لیتے ہیں اور شہادت پاتے ہیں، ہم عورتیں ان فضیلت والے کاموں سے محروم ہیں، ہماری میراث بھی مردوں سے نصف ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔^①

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے جو جسمانی قوت و طاقت اپنی حکمت و ارادے کے مطابق عطا کی ہے اور جس کی بنیاد پر وہ جہاد کرتے اور دیگر بیرونی کاموں میں حصہ لیتے ہیں، یہ ان کے لیے اللہ کا خاص عطیہ ہے، اس کو دیکھتے ہوئے عورتوں کو مردانہ صلاحیتوں کے کام کرنے کی آرزو نہیں کرنی چاہیے، البتہ اللہ کی اطاعت اور نیکی کے کاموں میں خوب حصہ لینا چاہیے اور اس میدان میں وہ جو کچھ کمائیں

مرد کی حاکمیت کا مسئلہ

گی، مردوں کی طرح ان کا پورا پورا صلہ انہیں ملے گا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرنا چاہیے کیونکہ مرد اور عورت کے درمیان استعداد، صلاحیت اور قوت کا رکا جو فرق ہے وہ تو قدرت کا ایک اٹل فیصلہ ہے جو محض آروز سے تبدیل نہیں ہو سکتا، البتہ اس کے فضل سے کسب و محنت میں رہ جانے والی کمی کا ازالہ ہو سکتا ہے، اس کے لیے عورت کو زیادہ سے زیادہ محنت کرنی چاہیے کیونکہ نیکی اور اطاعت کے اجر و صلے میں مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوگا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّمَّنْ ذُكِّرَ أَوْ أُنْثِيَ ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ﴾ [آل عمران: 195]

”پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، خواہ کوئی مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔“

یعنی نیکی کا صلہ دینے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرد و عورت کے درمیان کوئی تمیز نہیں ہوگی اور اس کی وجہ بھی اللہ نے بیان فرمادی کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو، یعنی اجر و اطاعت میں تم مرد اور عورت ایک ہی ہو (ایک جیسے ہی ہو) اس آیت کے شان نزول سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ عرض کیا: اے اللہ کے رسول اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے سلسلے میں عورتوں کا نام نہیں لیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر طبری، ابن کثیر و فتح القدیر)

بہر حال اس تفصیل سے دو حقیقتوں کی وضاحت مقصود ہے۔

پہلی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو الگ الگ مقصد کے لیے پیدا

مرد کی حاکمیت کا مسئلہ

فرمایا ہے جو ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دونوں کو صلاحیتیں بھی ایک دوسرے سے مختلف عطا کی ہیں۔ اس حقیقت کے پیش نظر اللہ نے دونوں کے دائرہ ہائے کار بھی ایک دوسرے سے مختلف متعین کیے ہیں۔ مرد کا دائرہ کار گھر سے باہر کا ہے اور عورت کا دائرہ کار گھر یلو امور و معاملات ہیں۔ اس دائرے میں دیگر بعض صلاحیتوں کے ساتھ مرد کو قوامیت (حاکمیت) کا درجہ بھی عطا کیا گیا ہے۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ بہ حیثیت انسان ہونے کے مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، اس لیے انسانی حقوق میں دونوں یکساں ہیں اور دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق مساوی طور پر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح نیکی اور سعادت میں دونوں کے لیے میدان کھلا ہے، وہ ان میں زیادہ سے زیادہ محنت و ریاضت کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ سے زیادہ مقام و فضیلت حاصل کر سکتے ہیں۔

◀◀ مسئلہ زیر بحث میں افراط و تفریط کا مظاہرہ ▶▶

آج کل لوگ پہلی حقیقت کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، اس لیے ہر جگہ انسانی معاشرے فساد اور ابتری کا شکار ہیں یا اگر کوئی مانتا ہے تو وہ اس حاکمیت کا مطلب عورت پر ظلم و زیادتی کی اجازت سمجھتا ہے، اس سے بھی اسلام کی بدنامی ہوتی ہے۔ اس افراط و تفریط پر ایک کتاب کے فاضل مصنف نے بڑے عمدہ پیرائے میں بحث کی ہے، ہم اس کی افادیت و اہمیت کے پیش نظر اس کو یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

مذکورہ مصنف لکھتا ہے:

”افسوس! اس نگرانی کا مفہوم بعض مردوں نے تسلط، قبضہ، تکبر، غلام بنالینا اور اپنی



مرد کی حاکمیت کا مسئلہ



رائے کو زبردستی عورتوں پر مسلط کر لینا سمجھ رکھا ہے۔ اس غلط ذہنیت کی وجہ سے انہوں نے عورتوں کے ساتھ بدترین رویہ اختیار کیا۔ نگرانی کے اس لفظ کو بعض عورتوں نے بھی غلط سمجھا، چنانچہ انہوں نے مردوں کو کسی شمار قطار میں نہیں رکھا اور خود سری، لڑائی اور علیحدگی کا راستہ اختیار کیا حالانکہ مردوزن دونوں ہی اپنے اور ایک دوسرے کے حقوق کو سمجھ لیں تو ہر کوئی سعادت مندی، سلامتی اور خیر و برکت کے ساتھ خود بھی زندہ رہے گا اور دوسروں کو بھی زندہ رہنے دے گا۔

ایک ماہر سماجیات لکھتا ہے:

”آج ازدواجی زندگی میں وہ نہیں ہوتا، جس کو ہم ”دوستی اور رفاقت“ کا نام دے سکتے ہیں۔ درحقیقت ازدواجی زندگی کی حیثیت موٹر کار کی سی ہوتی ہے، جس پر دو آدمی سوار ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ دونوں کی منزل ایک ہوتی ہے۔ لیکن اسٹیئرنگ و ہیل پر ایک ہی آدمی بیٹھ سکتا ہے۔ کیونکہ بیک وقت دونوں آدمی کار کی ڈرائیونگ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح مرد جب اس کشتی کا ملابھ ہوتا ہے اور فطری طور پر ایسا ہی ہونا چاہیے تو عورت کو بھی اپنا فطری کردار ادا کرنا ہوگا، یعنی یہ کہ وہ مرد پر اعتماد کرے، اس کی ہمت بندھائے، اسے تسلی دے اور سامان سفر کی تیاری اور درستی میں مرد کا ہاتھ بٹائے اور اگر عورت زمام کام سنبھالے تو مرد کا فرض ہے کہ ایک مبصر اور سیاحت کرنے والے کا کردار انجام دے۔ اور عورت کے دماغ کو خواہ مخواہ کے بوجھ سے متاثر نہ کرے جس سے وہ بیچاری تہیا پریشان ہو اور نہ ہی بجائے اس کا حوصلہ بڑھانے کے اس کی دل شکنی کی کوشش کرے۔

قرآن پاک میں باری تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿الَّذِينَ جَاءُوا مَوْتًا قَالُوا لَوْلَا قَضَىٰ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَمَا آتَقَفُوا مِنْ

أَمْوَالِهِمْ﴾ [النساء: 34]

”مرد عورتوں کے نگران اور حاکم ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک صنف (قوی)

مرد کی حاکمیت کا مسئلہ

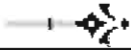
کو دوسری صنف (ضعف) پر بڑائی دی اور اس لیے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں“

آیت کریمہ خداوند قدوس کے ایک مقررہ ازلی دستور یعنی مرد کی نگرانی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

آیت اپنے اندر مشتمل حکمت خداوندی کو دو رخوں سے پیش کرتی ہے۔

اول یہ کہ مرد کی نظر عورت کی فطرت کے برعکس ہے۔ عورت مرد سے اس معنی میں افضل ہے کہ وہ اس سے بہتر طریقہ پر گھریلو ذمے داریوں کو منظم طریقے سے انجام دے سکتی ہے۔ بچوں کی تربیت اور اپنے شوہر کی ذمے داریوں کو پورا کر سکتی ہے۔ اس لیے کہ اس کی فطرت میں اللہ نے شفقت، لوج اور نرمی رکھی ہے۔ نیز اس کے جسمانی اعضاء کی ساخت کچھ ایسی بنائی ہے جو اپنی ان ذمہ داریوں کو حسن و خوبی سے انجام دینے میں اس کی مددگار ہے۔ اس کا اعصابی نظام کچھ ایسا بنا ہے جو حمل اور وضع حمل کی تکلیف کو کم سے کم محسوس کرتا ہے۔ البتہ دیگر امراض اور بیماریوں سے وہ فوری متاثر ہو سکتی ہے۔ اور فوراً بھڑک اٹھتی ہے۔ اس کے احساس، ادراک اور نظم کی صلاحیت جلد متاثر ہوتی ہے۔ تکالیف، مشکلات، اذیتوں اور پریشانیوں کے عالم میں مرد کی نسبت خود صبر و شہادت کا دامن بہت جلد ہاتھ سے چھوڑ دیتی ہے۔

رہا مرد، تو سابقہ بیان کردہ اسباب کے تحت جسمانی، فکری، انتظامی اور تدریسی امور میں عورت پر اس کو فوقیت حاصل ہے۔ مختلف دباؤ اور توازن کو وہ عورت سے زیادہ برداشت کر سکتا ہے۔ جنگ و جدال اور اذیت و تکلیف کو زیادہ سے زیادہ سہمہ سکتا ہے۔



خاندان کے معاش کے لیے کوشاں اور سرگرم عمل رہ سکتا ہے۔ اپنے شخص، اپنے وقار اور اپنی امتیازی شان کو برقرار رکھنے اور خطرات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی آپ صلاحیت رکھتا ہے۔ نیز مرد کی نگرانی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کو انفاق اور خرچ کا اختیار حاصل ہے۔ کیونکہ اپنی فطری صلاحیت کے مطابق وہ مال کما سکتا ہے۔ اس لیے عدل و انصاف کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ جو فرد یا جماعت تکلیف اٹھا کر مال اکٹھا کرے، اسے خرچ کرنے، نگرانی کرنے یا تصرف کرنے سے ہر قسم کے اختیار سے محروم کر دیا جائے۔ آج کے دور کی پارلیمانی اور جمہوری حکومتیں اس منہج پر کام کرتی ہیں اور موجودہ ترقی یافتہ دستور سازی کی بھی اہم اسپرٹ ہے۔

اب اگر ہم نے عورت کو گھر کے ماحول سے باہر نکال دیا اور جس طرح مرد گھر کے باہر جا کر محنت مشقت کرتا ہے، اس کے دوش بدوش ہم نے عورت کو بھی محنت کرنے اور دولت بٹورنے کا کام سونپ دیا، تو اس میں شک نہیں کہ یہ سماجی قانون سازی کی روح کے بالکل برعکس ہوگا۔ اس طرح گویا ہم عورت کو اس کے اس مقام سے ہٹا دیں گے جس مقام پر قرآن پاک نے اس کو لاکھڑا کیا ہے۔ اور اس طرح مرد کی نگرانی کسی صورت اس پر قائم نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ مرد کی نگرانی ان دو بنیادوں پر استوار ہے۔ ایک یہ کہ گھر کے باہر کی ذمے داریوں کی انجام دہی کے لیے عورت سے زیادہ مرد کو صلاحیت اور لیاقت حاصل ہے۔ دوسرے خاندان پر خرچ کرنے اور ان کی ضروریات کی کفالت کی ذمے داری مرد پر عائد ہوتی ہے۔

نیز اس کے ساتھ ساتھ عورت پر مرد کی نگرانی کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ مرد دین یا

مرد کی حاکمیت کا مسئلہ

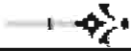
دنیا کے لحاظ سے عورت سے افضل ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَأَسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّمَّنْ ذَكَرْتُ أَوْ أُنْثَىٰ ۖ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ﴾ [آل عمران: 195]

”تو ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کر لی (اور فرمایا) میں تم میں سے کسی نیک عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تم سب ایک دوسرے کی جنس ہو۔“

بلکہ یہ نگرانی درحقیقت ایک اصولی تنظیمی صلاحیت ہے، جس کے ذریعے سماجی و تعمیری ضوابط اور دنیا کی زندگی میں اعلیٰ قدروں کی بحالی ضروری ہے، اور اسی کے التزام سے زندگی مجموعی طور پر سلامت ہوتی ہے۔ غرض مرد کی نگرانی رؤساء اور سرداران قوم کی نگرانی کی طرح ہے۔ اگر کوئی سردار ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سارے ہی ماتحتوں سے وہ اعلیٰ اور افضل ہے۔ اس کے باوجود ان کی نگرانی تمام انسانی سماج پر قائم ہوتی اور ان کے خلاف یورش یا بغاوت کرنے سے گنہگار ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ماتحت سردار سے فضل و کمال، عمل و معرفت اور دینداری میں بڑھ سکتا ہے۔^❶

اور اگر یہ سوال پیدا ہو کہ قرآن پاک میں اپنے اس ارشاد: ﴿الَّذِينَ جَاءُوا قَوْمُونَ عَلَىٰ النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾ میں خاندان کی نگرانی مرد کے حوالہ کیوں کرتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے اس سلسلے کا یہ کوئی نیا انوکھا یا نانا نمونہ قدم نہیں اٹھایا۔ اس لیے کہ تاریخ کی ابتداء سے عورت نے مرد کے بازو میں رہ کر ہی چین کا سانس لیا ہے۔ اپنے اور بچوں کے بارے میں وہ صرف اپنے شوہر پر ہی



اعتماد کرتی ہے۔ اور محنت کرنا اور حالات سے نبرد آزما ہونا، اس قسم کے تمام تر بوجھ وہ صرف مرد کے کندھوں پر ڈالتی ہے۔ اور آج بھی جبکہ زمانے نے اتنی ترقی کر لی ہے، عورت یہی سب مرد سے چاہتی ہے۔ کیونکہ یہ عین فطرت، کے مطابق ہے۔

آخر اللہ تعالیٰ نے مرد کو توانا اور طاقتور جسم دیا، اس کے اعصاب ایسے بنائے جو ناگوار حالات اور مشکلات کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اس کے بالمقابل عورت نازک بدن ہوتی ہے۔ اس کے جذبات بڑے حساس ہوتے ہیں۔ اس کے اندر تحمل اور برداشت کا مادہ بھی کم ہوتا ہے۔ اب اگر اسلام نے حقائق کو واقعہ کے عین مطابق پیش کیا تو یہ عین عدل ہوا۔ یہ تو اسلام کی حقیقی صورت گری ہے، اور اس کے مطابق اس کا یہ فیصلہ ہے کہ مرد عورتوں کے نگراں اور حاکم ہیں۔

کیا آج عورت یہ چاہتی ہے کہ نگرانی اور حاکمیت کا سہرا وہ اپنے سر باندھے؟ نہیں! نگرانی تو دراصل جو ابدی کا نام ہے۔ نگرانی مشکلات اور پریشانیوں کے مردانہ وار مقابلہ کا نام ہے، نگرانی ذمے داریوں کے سنبھالنے کا نام ہے۔ اور نگرانی کے اسی پھیلے ہوئے مفہوم کے ساتھ ایک نگراں کار کسی ہیبت یا خود غرضی کے بغیر اپنی ذمے داریوں کو ٹھیک ٹھیک انجام دینے کی کوشش کرتا ہے۔

تحریک نسواں کا شور مچانے والے اب تک یہ سمجھتے رہے ہیں کہ مرد کی نگرانی اور حاکمیت اس وقت تک برقرار تھی جب تک وہ خود تنہا کما تھا۔ اور پیداوار کے کل ذرائع اس کے زیر نگین ہوتے تھے، لیکن آج پانسہ پلٹ گیا ہے۔ آج عورت بھی کماتی ہے اور پیداوار کے ذرائع پر اس کا بھی تسلط ہے۔ اس لیے عورت پر مرد کی نگرانی اب نہیں چلنی

— ﴿﴾ — مرد کی حاکمیت کا مسئلہ — ﴿﴾ —

چاہیے۔ لیکن اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ مغربی دنیا کے اتار چڑھاؤ نے اس مفروضے کو قطعی غلط ثابت کر دیا۔ کیونکہ یہ صحیح ہے کہ عورت نے وہاں کمایا یا اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی۔ لیکن اس کے باوجود مرد کی نگرانی، بالادستی اور حاکمیت کو وہ آج بھی دل سے چاہتی ہے۔ اور وہ اپنے اسی نگران کار کی ماتحتی میں اپنے آپ کو ڈالے رہنا چاہتی ہے۔ آج مرد کے سائے سے ہٹ کر کہیں اسے چین اور سکون نصیب نہیں ہوتا۔

اس لیے یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ اللہ رب العزت نے سچ کہا ہے، اور اس کے خلاف ڈھنڈورا پیٹنے والے جھوٹے ہیں۔ ﴿﴾



فضول خرچی اور نیک کے درمیان امتحان (مبادیعی اور کفایت شعاری کی اہمیت)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے زمین پیداوار سے کھانے اور اس کا حق (عشر وغیرہ) ادا کرنے کا حکم دیا تو اس کے ساتھ ہی فرمایا:

﴿وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ [الانعام: 141]

”اور فضول خرچی نہ کرو، بے شک اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا“

سیاق کے اعتبار سے یہ معلوم ہوا کہ صدقہ و خیرات میں بھی حد سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل کو تم خود ضرورت مند ہو جاؤ۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا تعلق حکام سے ہے کہ وہ زکوٰۃ و صدقات کی وصولی میں حد سے تجاوز نہ کریں۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ۔ کھانے میں اسراف مت کرو، کیونکہ بسیار خوری عقل اور جسم دونوں کے لیے مضر ہے۔

اسراف کے یہ سارے ہی مفہوم مراد ہو سکتے ہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے میں بھی اسراف (حد سے تجاوز کرنے) سے منع فرمایا ہے:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ [الاعراف: 31]

”کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو، بے شک وہ (اللہ) فضول خرچی کرنے والوں کو

پسند نہیں کرتا۔“

حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كل ما شئت واللبس ماشئت، ما اخطأتك اثنتان، سرف او محيلة»^❶
 ”جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو! جب تک دو چیزوں سے تجاوز نہ ہو، ایک فضول
 خرچی اور دوسری تکبر۔“

یہ دو اصول ایسے بتلا دیے ہیں جو نہایت اہم ہیں۔ اگر مسلمان ہر معاملے میں ان
 دونوں اصولوں کو ملحوظ رکھیں تو ان کے بہت سے معاشرتی مسائل نہایت آسانی کے ساتھ
 حل ہو سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان میں سادگی کی تلقین و ترغیب بھی ہے اس لیے کہ انسان
 جتنا تکلف کرتا ہے اس میں اسراف کا پہلو بھی شامل ہوتا جاتا ہے اور ریاضت و نمود اور تکبر کے
 امکانات بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ اس لیے ہر معاملے میں سادگی کا اہتمام اور تکلفات اور
 شان و شوکت کے اظہار سے اجتناب بہت ضروری ہے۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نصیحت
 کرتے ہوئے فرمایا:

«اياك والتنعم، فان عباد الله ليسوا بالمتنعين»

”ناز و نعمت کی زندگی سے اجتناب کرنا، اس لیے کہ اللہ کے بندے ناز و نعمت اختیار
 کرنے والے نہیں ہوتے۔“^❷

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان (عباد الرحمن) کی امتیازی خصوصیات میں ایک خصوصیت یہ
 بھی بیان فرمائی ہے:

❶ صحیح البغاری، کتاب اللباس قبل الحلیت 5783

❷ مسند احمد: الموسوعة الحلیتیة، حدیث 22105 سلسلۃ الصحیحۃ للأبانی، حدیث: 353

۱ ﴿﴾ فضول خرچی یا کفایت شعاری؟ ﴿﴾

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا الْمَالُ يَنْسُوهُ فَمَا وَكَلَهُمْ يَقْتُرُوا وَوَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾ [الفرقان 67]
 ”اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی
 (بخیلی) ہی۔ اور ان کا خرچ اس کے درمیان معتدل ہوتا ہے۔“

تفسیر ”احسن البیان“ میں اس آیت کے تحت لکھا ہے۔

”اللہ کی نافرمانی میں خرچ کرنا اسراف (فضول خرچی) اور اللہ کی اطاعت (تنگی
 کے کاموں) میں خرچ نہ کرنا اقتار (بخیلی) اور اللہ کی اطاعت میں خرچ کرنا قوام
 (اعتدال) ہے۔ (فتح القدیر) اسی طرح نفقات واجبہ اور مباحات (جائز
 کاموں) میں حد اعتدال سے تجاوز بھی اسراف میں آسکتا ہے اس لیے وہاں بھی
 احتیاط اور میانہ روی نہایت ضروری ہے۔“

اس کتاب میں اس موضوع پر مذکورہ گفتگو کا مقصد اس پہلو کی وضاحت ہے کہ میاں
 بیوی اپنی زندگی کے تمام معاملات اور معمولات میں اگر اخراجات میں اس اعتدال کو ملحوظ
 رکھیں اور پُر آسائش اور پُر تکلف زندگی کے بجائے سادگی اور تواضع کو اختیار کریں تو نہایت
 آسانی سے گھر کا بجٹ متوازن رہتا ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ میاں بیوی
 دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔ نہ بیوی خاندان سے غیر ضروری مطالبات
 کرے اور نہ خاندان ہی ضروری اخراجات میں تنگی اور بخیلی کا مظاہرہ کرے، یہ دونوں ہی
 رویے غلط اور ناپسندیدہ ہیں۔

﴿﴾ بخیل خاوند کی بیوی کے لیے ایک اجازت ﴿﴾

فضول خرچی سے خاوند کے لیے مشکلات پیدا ہوتی ہیں کہ جائز اور حلال آمدنی اس
 کے لیے ناکافی ہو جاتی ہے، پھر وہ ناجائز ذرائع آمدنی اختیار کرتا ہے جس میں اس کی

فضول خرچی یا کفایت شعاری؟

آخرت کی بربادی ہے۔ اور خاوند اگر بخیلی کا ارتکاب کرے یعنی بیوی کو گھریلو اخراجات کے لیے بھی مناسب رقم نہ دے یا از خود اشیائے ضرورت حسب ضرورت مہیا نہ کرے تو عورت کو گھر کا نظام چلانے میں مشکلات پیش آئیں گی، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کو، جب انہوں نے اپنے خاوند کی بخیلی کا ذکر کیا اور کہا کہ وہ مجھے اتنا خرچ بھی نہیں دیتے کہ جو مجھے اور میرے بچوں کو کافی ہو جائے، الایہ کہ میں ان کی لاعلمی میں کچھ رقم لے لوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خُذِي مَا يَكْفِيكَ وَوَلَدَكَ، بِالْمَغْرُوفِ»

”ہاں، تم دستور کے مطابق (ان کو بتلائے بغیر) اتنی رقم لے لیا کرو جو تمہیں اور

تمہارے بچوں کو کافی ہو جایا کرے۔“

﴿حضرت فاطمہ اور حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہم کے سبق آموز واقعات﴾

عہد رسالت کی خواتین نے کس طرح عسرت و تنگ دستی میں گزارا کیا، حتیٰ کہ ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں، وہ مسلمان عورتوں کے لیے قابل نصیحت ہیں۔ ایسے کچھ واقعات اس سے قبل بھی بیان ہو چکے ہیں، چند واقعات اور سن لیں۔

﴿1﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر میں خود ہی چکی پیستی تھیں جس سے ان کے ہاتھوں میں نشان پڑ گئے تھے، ان کے علم میں یہ بات آئی کہ کچھ غلام آئے ہیں (جو ضرورت مند مسلمانوں میں تقسیم ہونے ہیں تو) وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی یہ پریشانی بیان کرنے کے لیے آئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آکر بات کی اور کہا کہ ان حالات میں بھی ان کو غلام نہیں ملا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر

۱ فضول خرچی یا کفایت شعاری؟

تشریف لائے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بتلایا کہ حضرت فاطمہ اپنا شکوہ لے کر آئی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ہمارے پاس (رات کو) تشریف لائے جب کہ ہم بستروں پر لیٹ چکے تھے، آپ کی وجہ سے ہم اٹھنے لگے تو آپ نے فرمایا: اپنی جگہ پر ہی رہو۔ اور آپ میرے اور فاطمہ کے درمیان بیٹھ گئے یہاں تک کہ میں نے آپ کے قدموں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی، آپ رضی اللہ عنہم نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں اس سے بہتر بات نہ بتلاؤں جس کا تم نے سوال کیا ہے؟ اور وہ یہ ہے کہ جب تم سونے کے لیے اپنے بستروں پر آ جاؤ تو 33 مرتبہ سبحان اللہ اور 33 مرتبہ ہی الحمد للہ اور 34 مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ عمل تم دونوں کے لیے کسی خادم سے بہتر ہے۔“^①

② حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”جب حضرت زبیر (رضی اللہ عنہ) سے میری شادی ہوئی تو اس وقت زبیر کے پاس نہ کوئی مال تھا، نہ غلام اور نہ کوئی اور چیز۔ سوائے ان کے گھوڑے کے۔ اس گھوڑے کو چارابھی میں ڈالتی تھی اور اس کی دیکھ بھال اور خدمت بھی میں ہی کرتی تھی اور پانی لانے والے اونٹ کے لیے میں ہی کھجوروں کی گٹھلیاں کوٹ کر اس کو بطور دانہ کھلاتی اور چارہ بھی کھلاتی اور پانی بھی لاتی، پانی کا ڈول پھٹ جاتا تو میں ہی اس کو سیتی تھی اور آٹا گوندھتی، البتہ مجھ سے روٹی صحیح نہیں پکتی تھی تو میرے پڑوس میں انصار کی عورتیں مجھے روٹیاں پکا کر دے جاتیں، وہ بڑی راست باز عورتیں تھیں اور زبیر کی زمین سے، جو رسول اللہ ﷺ نے ان کو بطور جاگیر عطا کی تھی، کھجوروں کی گٹھلیاں سر پر لاد کر لاتی، یہ زمین دو تہائی فرسنگ (دو

فضول خرچی یا کفایت شعاری؟

میل) کے فاصلے پر تھی... (یہ میرا معمول تھا) حتیٰ کہ (میرے والد) ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے میرے لیے ایک خادم بھیج دیا، اس کے بعد گھوڑے کی دیکھ بھال اور خدمت سے میری جان چھوٹ گئی، گویا انہوں نے مجھے (بھاری ذمے داریوں سے) آزاد کر دیا۔" ❁

③ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل علیہما السلام کا واقعہ بھی سن لیجئے اس میں بھی عورتوں کے لیے بڑا اچھا سبق ہے۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لخت جگر حضرت اسمعیل کو ان کی والدہ سمیت اللہ کے حکم سے اس جگہ چھوڑ کر چلے گئے تھے جہاں آج خانہ کعبہ اور مکہ بنا ہوا ہے، اس وقت یہ جگہ ایک سنسان بیابان اور یکسر بے آب و گیاہ وادی تھی، نہ کوئی آدم زاد وہاں تھا اور نہ خوردنوش کا کوئی سامان۔ پھر اللہ نے وہاں زم زم کا چشمہ جاری فرما دیا اور وہاں قبیلہ جرہم آباد ہوا اور یوں انسانی آبادی کا وہاں آغاز ہوا۔ حضرت اسمعیل علیہ السلام بھی وہیں پل بڑھ کر جوان ہوئے اور قبیلہ جرہم کی ایک خاتون سے شادی کر لی۔

عرصہ دراز کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں تشریف لائے، حضرت اسمعیل علیہ السلام کے گھر گئے، وہاں ان کی بیوی تھی، حضرت اسمعیل نہیں تھے، انہوں نے بیوی سے پوچھا تو بیوی نے کہا: وہ ہمارے لیے کچھ لانے کے لیے باہر نکلے ہیں۔ آپ نے پوچھا: تمہاری گزر بسر کیسے ہوتی ہے؟ بیوی نے کہا: ہم بہت برے حالات سے گزر رہے ہیں، جنگلی ترشی سے گزارا ہوتا ہے، اس طرح شکایت کا اظہار کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: جب تیرا خاندان آئے تو اس کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ دروازے کی چوکھٹ بدل دے۔ جب

۱ فضول خرچی یا کفایت شعاری؟

حضرت اسمعیل علیہ السلام گھر آئے تو انہیں محسوس ہوا کہ کوئی ہو کر گیا ہے، پوچھا: کیا کوئی آیا تھا؟ اس نے کہا: اس اس طرح کے ایک بزرگ آئے تھے۔ انہوں نے آپ کے بارے میں اور گزران کے بارے میں پوچھا تھا تو میں نے ان کو بتلایا تھا کہ ہماری گزراوقات تنگی سے ہوتی ہے۔ حضرت اسمعیل علیہ السلام نے پوچھا: تجھے انہوں نے کوئی وصیت کی تھی؟ اس نے کہا: انہوں نے کہا تھا کہ اپنے خاندان کو میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ دروازے کی چوکھٹ بدل دے۔ حضرت اسمعیل نے کہا: وہ میرے والد تھے اور وہ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تجھ سے جدائی اختیار کر لوں۔ چنانچہ تو اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا، اور انہوں نے اسے طلاق دے دی۔ پھر ایک دوسری عورت سے شادی کر لی۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے، حضرت اسمعیل اس روز بھی گھر میں نہیں تھے، بیوی سے ملاقات ہوئی تو اس سے حضرت اسمعیل کی بابت پوچھا تو اس نے بتلایا کچھ لینے کے لیے باہر گئے ہیں۔ پوچھا: تمہارا کیا حال ہے؟ اور اس سے گزران وغیرہ کی بابت پوچھا: اس نے کہا: الحمد للہ! بھلائی اور کشادگی کے ساتھ ہمارا گزارا ہو رہا ہے۔ پوچھا: تمہاری خوراک کیا ہے؟ بیوی نے جواب دیا: (شکاری پرندوں کا) گوشت، پوچھا: پیتے کیا ہو؟ کہا: پانی۔ ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: اے اللہ! ان کے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دنوں وہاں کسی بھی قسم کا غلہ نہیں ہوتا تھا، اگر غلہ ہوتا تو ابراہیم اس کے لیے بھی برکت کی دعا کرتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بہو سے کہا: جب تیرا خاندان آئے تو اس کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ باقی رہنے دینا۔ جب حضرت اسمعیل علیہ السلام آئے تو پوچھا: کوئی آیا تھا؟ بیوی نے کہا:

فضول خرچی یا کفایت شعاری؟

ہاں، ہمارے پاس ایک خوش ہیئت بزرگ آئے تھے اور مزید ان کی تعریف کی۔ انہوں نے آپ کی بابت پوچھا تھا تو میں نے بتلایا کہ وہ باہر گئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا: ہماری گزران کیسی ہے؟ تو میں نے ان سے کہا تھا: بہتر ہے۔ حضرت اسمعیل علیہ السلام نے پوچھا: انہوں نے کسی بات کا حکم دیا؟ بیوی نے کہا: انہوں نے آپ کو سلام عرض کیا تھا اور آپ کے لیے یہ پیغام دے گئے تھے کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ باقی رہنے دینا، (اسے تبدیل نہیں کرنا) حضرت اسمعیل علیہ السلام نے بیوی کو بتلایا کہ وہ میرے والد تھے اور چوکھٹ سے مراد تو خود ہے، مجھے انہوں نے حکم دیا ہے کہ میں تجھے اپنے پاس برقرار رکھوں....“

مذکورہ تینوں واقعات میں خواتین کے لیے یہ سبق مضمحل ہے کہ ان کو جیسے بھی خاندان مل جائیں اور کیسے بھی نامساعد حالات سے ان کو گزرنا پڑے، وہ صبر اور حوصلے سے ان کو برداشت کریں اور ناصبری اور ناشکری کا مظاہرہ ہرگز نہ کریں۔ ورنہ اس سے وہ دنیا میں بھی امن و سکون کی زندگی سے محروم رہیں گی اور آخرت میں بھی غضب الہی کی مستحق قرار پائیں گی۔



لڑکے یا لڑکی کی پیدائش میں انسان کا اختیار ہے ہمیشہ ہونے کا کوئی معاملہ نہیں

مرد اور عورت کے جنسی ملاپ سے اولاد پیدا ہوتی ہے، نسل کی بقا اور افزائش کے لیے اللہ نے یہ فطری طریقہ رکھا ہے۔ لیکن ملاپ کے وقت یہ کسی کے علم میں نہیں ہوتا کہ اولاد مذکر پیدا ہوگی یا مؤنث۔ یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر یہ معاملہ اللہ تعالیٰ اپنے اختیار میں نہ رکھتا تو مردوں کی کثرت ہو جاتی کیونکہ بیشتر انسان مذکر کی پیدائش کو پسند اور مؤنث کو ناپسند کرتے ہیں، انسانوں کے اپنے اختیار میں یہ معاملہ ہوتا تو عورتوں کی کمی اور مردوں کی کثرت سے انسانی آبادی کا توازن نہایت خراب ہو جاتا جس سے انسانی معاشرے فساد اور بگاڑ کا شکار ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے چونکہ اس کائنات کو روز قیامت تک اپنے علم اذلی کے مطابق چلانا اور باقی رکھنا ہے اس لیے وہ اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق جس کو جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے، کسی کو لڑکیاں ہی لڑکیاں اور کسی کو لڑکے ہی لڑکے اور کسی کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہی، اور کسی کو دونوں سے ہی محروم۔

﴿يَلَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ مَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذَّكَوٰرَ ۗ اَوْ يَزْوِجُهُمْ ذُكْرًا وَاُنَاثًا ۗ وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَقِيْمًا ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ

لڑکی کی پیدائش پر ناراضی؟

قَدِيْرٌ ﴿ الشورى: 50-49]

”آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ جسے چاہے (صرف) بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہے (صرف) بیٹے عطا کرتا ہے، یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں ملا کر دیتا ہے، اور جسے چاہے بے اولاد رکھتا ہے۔ بے شک وہ خوب جاننے والا، بہت قدرت والا ہے۔“

اللہ کے اس اختیار اور حکمت ہی کا نتیجہ ہے کہ نوع انسان ایک بہت بڑے اختلاف و فساد سے محفوظ ہے۔

یہ انسان کے سوچنے کا کام ہے کہ جس معاملے میں وہ یکسر بے اختیار ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی عطا پر ناراض ہونے کا کیا جواز ہے؟ قطعاً نہ کوئی جواز ہے اور نہ عقل و دانش مندی ہی کا مظاہرہ۔ جو بھی اللہ دے دے۔ لڑکا یا لڑکی۔ اللہ کی نعمت ہے، کسی کی نہ ناقدری کرنی ہے اور نہ اس کا شکوہ۔ دانش مندی یہی ہے کہ رضائے الہی پر راضی رہے اور تقدیر پر صابر و شاکر۔

لڑکیوں کی پیدائش میں چونکہ اللہ کی بڑی حکمت ہے، اس لیے جو شخص اللہ کی اس نعمت کی قدر کرتا اور خوش دلی سے اس کو پالتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوتا ہے اور اس کے لیے اس نے اخروی اجر و ثواب رکھا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ، وَصَمَّ أَصَابِعَهُ»
 ”جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں، قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح آئیں گے اور آپ نے (اشارہ کرتے ہوئے) اپنی انگلیوں کو ملایا (جس طرح انگلیاں باہم ملی ہوئی ہیں، لڑکیوں کی پرورش کرنے والا بھی



لڑکی کی پیدائش پر ناراضی؟



اس طرح میرے ساتھ ہوگا۔“^❶

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا:

میرے پاس ایک غریب عورت آئی جس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں، میں نے ان کو کھانے کے لیے تین کھجوریں دیں، اس عورت نے دو کھجوریں دو بیٹیوں کو دے دیں، تیسری کھجور وہ کھانے لگی تو اس کی بیٹیوں نے وہ بھی اس سے مانگ لی تو اس نے اس کھجور کے دو ٹکڑے کر کے دونوں کو ایک ایک ٹکڑا دے دیا (اور خود کچھ نہ کھایا) مجھے اس کی یہ بات بہت عجیب لگی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اس واقعے کا آپ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَوْجَبَ لَهَا بِهَا الْجَنَّةَ، أَوْ أَعْتَقَهَا بِهَا مِنَ النَّارِ﴾

”اللہ نے اس عورت کے لیے اس کے اس عمل کی وجہ جنت واجب کر دی یا اس کو اس

کی وجہ سے جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا۔“^❷

لڑکیوں کی پرورش اور ان کی دیکھ بھال کی جب یہ فضیلت ہے تو کسی مسلمان کے لیے، جو جنت کا طالب ہے، لڑکی کی پیدائش پر برا ماننے کا یا بیوی کو، جو اس معاملے میں مرد ہی کی طرح سراسر بے اختیار ہے، برا سمجھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

﴿لڑکی کی پیدائش کو برا سمجھنا، جاہلیت کی رسم ہے﴾

جو لوگ لڑکی کی پیدائش پر ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں، وہ اسلام سے قبل کی جاہلیت کا مظاہرہ کرتے ہیں جسے اسلام نے آ کر ختم کیا، مسلمانی کا دعویٰ کرنے کے باوجود زمانہ جاہلیت والا رویہ اختیار کرنا کسی بھی مسلمان کے لیے ذیہائیت نہیں۔

❶ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فضل الاحسان الی البنات، حدیث: 2631

❷ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فضل الاحسان الی البنات، حدیث: 2630

لڑکی کی پیدائش پر ناراضی؟

اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کے لوگوں کے رویے کا ذکر کر کے اس کو برا فیصلہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذَا بُقِرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۗ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُقِرَ بِهِ ۗ أَيَسْكُنُ هُنَا أَمْرٌ يُدْخِلُهُ فِي الْعُرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ [النحل: 58-59]

”اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی (پیدا) ہونے کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم و غصے سے بھرا ہوتا ہے، وہ اس عار کے باعث لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے جس کی اس کو بشارت دی گئی ہے (سوچتا ہے) کیا (اپنی) توہین کے باوجود اسے باقی رکھے یا اسے مٹی میں دبا دے؟ آگاہ رہو! بہت برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔“

﴿ لڑکی کی بہتر ثابت ہو سکتی ہے ﴾

بنا بریں ہر مسلمان کو اللہ کی رضا اور مشیت پر راضی رہنا چاہیے۔ یہی ایک مسلمان کی شان اور اس کا کردار ہے۔ علاوہ ازیں کسی کو یہ پتا نہیں کہ وہ لڑکے کی پیدائش پر خوش ہو رہا ہے، لیکن اسی بچے کے جوان ہونے کے بعد اسے اپنے اس بچے کے کردار کی وجہ سے اپنی قسمت پر ماتم کرنا پڑ جائے؟ یا جس بچی کی پیدائش پر وہ ناراضی اور کراہت کا اظہار کر رہا ہے، وہی بچی اس کے بڑھاپے کا سہارا اور دیگر افرادِ خاندان کے لیے نہایت بابرکت ثابت ہو۔

دنیا میں یہ دونوں ہی نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ [البقرہ: 216]

لڑکی کی پیدائش پر ناراضی؟

”اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہترین ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔“



عورت کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ

عورت کی تعلیم کے بارے میں معاشرے میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ ایک طبقہ، جو مغربی فکر و فلسفہ سے متاثر بلکہ مسحور و مرعوب ہے، ہر طرح کی تعلیم کا قائل ہے، یعنی ان کے نزدیک لڑکے جو علوم و فنون حاصل کر کے ہر ادارے میں کام کرتے ہیں، وہ سارے علوم و فنون لڑکیوں کو بھی حاصل کر کے ہر شعبہ زندگی میں مردوں کے دوش بدوش کام کرنا چاہیے۔

ایک دوسرا طبقہ بچیوں کی تعلیم کو نہ کوئی خاص اہمیت دیتا ہے اور نہ اس کی ضرورت ہی سمجھتا ہے۔

یہ دونوں ہی نقطہ نظر غلط ہیں۔

اسلام عورتوں کی تعلیم کا مخالف نہیں۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان:

«طلب العلم فریضة علی کل مسلم»

”علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔“^①

کے مطابق ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے علم حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ مسلم سے مراد صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورت بھی ہے۔

① سنن ابن ماجہ: طلب العلم فریضة علی کل مسلم 224

لیکن اس علم سے مراد سائنس و ٹیکنالوجی اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے متعلقہ علوم و فنون نہیں بلکہ وہ علم ہے جس سے حلال و حرام، جائز و ناجائز کی پہچان ہو، یعنی قرآن و حدیث کا علم۔ دوسرے علم کا تعلق کسب معاش سے ہے جو صرف مرد ہی کی ذمہ داری ہے، وہ علم قرآن و حدیث کے ساتھ دیگر علوم بھی حاصل کرے گا لیکن عورت پر چونکہ معاش کی ذمہ داری نہیں۔ بنا بریں اس کے لیے صرف قرآن و حدیث کی تعلیم ضروری ہے تاکہ وہ اس کی روشنی میں اپنے وہ فرائض بھی خوش اسلوبی سے ادا کر سکے جو اولاد کی تربیت کے حوالے سے اس پر عائد ہوتے ہیں۔

کیونکہ تربیت اولاد میں ماں کا کردار بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

اولاً: تو اس لئے کہ ماں کی گود ہی بچے کا وہ پہلا گوارا ہے جہاں وہ آنکھیں کھولتا ہے۔ اس کی کل کائنات ماں کی شفقت و محبت ہی ہوتی ہے، ماں کی محبت آمیز مسکراہٹ اور شفقت بھرا ہاتھ اس کا سہارا ہوتا ہے۔ اور ماں کی چھاتی سے اسے وہ لطیف غذامتی ہے جس سے اس کی جسمانی نشوونما ہوتی ہے۔

ثانیاً: جب وہ چلنے پھرنے لگتا ہے اور کچھ بول اس کی زبان سے نکلنے شروع ہوتے ہیں تو باپ تو کسب معاش میں سرگرواں ہوتا ہے، ماں کی گود ہی اس کا پہلا مدرسہ بنتی ہے، اس وقت بچے کا ذہن سلیٹ یا بلیک بورڈ کی طرح بالکل صاف ہوتا ہے، اس پر جو بھی لکھ دیا جاتا ہے، یعنی اسے ذہن نشین کرایا جائے، وہ اس کے دل و دماغ میں نقش ہو جاتا ہے۔ اس بات کو نبی کریم ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

«كُلُّ مَوْلُودٍ يُوَلَّدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ، أَوْ يَنْصَرَانِهِ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ»

”ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی

بنادیتے ہیں۔“

یعنی اس کے ذہن کے تختہ سیاہ پر جس مذہب کی تحریر بھی درج کر دی جائے، وہ النقش فی الحجر (پتھر پر لکیر) کی طرح اس کے لوح قلب پر ثبت ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو مائیں اگر صحیح مسلمان ہوں گی، اسلامی تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ ہوں گی اور اسلامی جذبات و احساسات سے سرشار ہوں گی تو ان کی گودوں میں پلنے والے بچے بھی صحیح مسلمان ہوں گے، ان کی تعلیم و تربیت سے اسلام کی حقانیت و صداقت کا نقش ان کے دل و دماغ میں ثبت ہو جائے گا اور اس کی تعلیمات کو اپنانے کا سچا جذبہ ان کے اندر پیدا ہوگا۔

ایک عورت کو اسلامی تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کا مطلب ہے کہ ایک پورے خاندان کو اسلامی سانچے میں ڈھال دینے کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ یہ اسلامی معاشرے کو سدھارنے کا ایک فطری طریقہ ہے کیونکہ خاندانوں ہی سے قبیلے اور برادریاں بنتی ہیں اور قبیلے اور برادریاں پھیل کر معاشرہ بنتی ہیں۔ اگر مذکورہ فطری طریقے کے مطابق ہر خاندان کے سربراہ، ماں اور باپ۔ اپنے اپنے زیر کفالت اور زیر تربیت خاندانوں کی صحیح تربیت کا اہتمام کریں تو معاشرتی اصلاح کا آغاز ہو سکتا ہے، بشرطیکہ ماں ایک معلمہ، مبلغہ اور داعیہ کا کردار ادا کرے۔

آج کل کی حکومتوں نے قوم کی معاشرتی اور اخلاقی اصلاح اور ان کی اسلامی تعلیم و تربیت کے اہم ترین کام کو پس پشت ڈال کر اس فریضے سے یکسر غفلت اور بے اعتنائی

عورت کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ

اختیار کر رکھی ہے۔ علاوہ ازیں اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں میں بھی یہ کام نہیں ہو رہا ہے بلکہ اس کے برعکس وہاں مسلمان بچوں اور بچیوں کو اسلام سے بیگانہ بنایا جا رہا ہے۔ اور ان سب پر مستزاد الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا (ٹی وی، انٹرنیٹ اور اخبارات وغیرہ) مسلمانوں کی نوجوان نسل کو اسلامی تہذیب اور اسلامی اقدار و روایات سے دور کر کے ان کے اندر مغرب کی حیا باختہ تہذیب اور اس کی اقدار کو فروغ دے رہے ہیں۔

ان حالات میں گھر ہی ایک ایسا حصار ہے جہاں مسلمانوں کی نسل نو کو الحاد اور بے دینی کے بھکڑوں سے اور بے حیائی کے سیلاب سے بچایا جاسکتا ہے اور گھر میں ماں ہی وہ واحد استانی اور معلمہ ہے جو بچوں کی اسلامی تعلیم و تربیت کا اہتمام کر سکتی ہے، کیونکہ باپ تو فکر معاش ہی میں الجھا رہتا ہے۔

اور ماں یہ کردار تب ہی ادا کر سکتی ہے جب وہ خود زیور تعلیم سے آراستہ اور دینی جذبہ و شعور سے بہرہ ور ہو۔ اور ایک ماں کے اندر یہ خوبی دینی تعلیم حاصل کیے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم سے بھی اگر وہ بہرہ ور ہو تو ماشاء اللہ۔ لیکن عصری تعلیم کا مقصد محض ملازمت اور مردوں کے دوش بدوش ہر شعبہ زندگی میں نفوذ نہ ہو بلکہ اس سے بھی مقصود اپنے ہی بچوں کی تعلیم و تربیت اور امور خانہ داری کو زیادہ بہتر انداز سے سرانجام دینا اور دنیاوی معاملات میں خاوند کا ہاتھ بٹانا ہو، اور بس۔

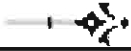


طلاق ایساں کا طریقہ

① مرد اور عورت کے درمیان نکاح کا رشتہ قائم ہو جانے کے بعد اکثر مذاہب میں علیحدگی اور طلاق کا کوئی تصور نہیں ہے حالانکہ بعض دفعہ جب دونوں کے مزاجوں میں موافقت اور ہم آہنگی پیدا نہ ہو سکے تو طلاق اور علیحدگی ہی میں دونوں کی بھلائی ہوتی ہے۔ اس لیے اسلام نے مرد کو طلاق کا حق دیا ہے تاہم مرد کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے اس حق طلاق کو آخری چارہ کار کے طور پر ہی استعمال کرے۔ اس سے پہلے اصلاح کی جو چار تداویر اللہ نے سورۃ نساء میں بیان فرمائی ہیں (جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے) ان کو بروئے کار لایا جائے۔ پھر بھی بات نہ بنے تو پھر طلاق کا فیصلہ کیا جائے۔

② یہ فیصلہ کر لینے کے بعد بھی یوں ہی طلاق نہ دی جائے بلکہ اس کے لیے یہ طریق کار بتلایا گیا ہے کہ ایام حیض میں طلاق نہ دی جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر برہمی کا اظہار فرمایا تھا جب انہوں نے ایام حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ بلکہ اس وقت طلاق دی جائے جب بیوی کے ایام حیض ختم ہو جائیں اور وہ پاک ہو جائے، اس کو حالتِ طہر کہا جاتا ہے تو حکم یہ ہے کہ حالتِ طہر میں طلاق دی جائے اس سے صحبت کیے بغیر۔

اس حکم کا فائدہ یہ ہے کہ اکثر مرد حق طلاق کا بے جا استعمال کرتے ہوئے وقتی طور پر اشتعال اور غصے میں فوراً طلاق دے بیٹھتے ہیں، پھر پچھتاتے ہیں کہ یہ کیا ہو گیا؟ جب کہ ہم میاں بیوی کا نباہ صحیح طریقے سے ہو رہا ہے۔ اگر اشتعال اور غصے میں طلاق نہ دی جائے اور ایسے طہر کا انتظار کیا جائے جس میں خاوند نے بیوی سے ہم بستری نہ کی



طلاق اور اس کا طریقہ



ہوں، جیسا کہ حکم ہے تو اس انتظار کی وجہ سے اکثر و بیشتر غصے اور اشتعال کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے اور آدمی کو طلاق دینے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ اور یوں طلاق کی شرح بہت ہی گھٹ جاتی ہے۔ پھر طلاق صرف اسی صورت میں دی جائے گی جب مرد نے قطعی طور پر، اصلاح کی ساری تدابیر اختیار کرنے کے بعد، طلاق دینے ہی کا فیصلہ کر لیا ہوگا۔

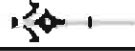
③ جب طلاق دی جائے تو ایک ہی طلاق دی جائے، یعنی طلاق کا لفظ صرف ایک مرتبہ ہی استعمال کیا جائے، میں تجھے طلاق دیتا ہوں، یا تجھے طلاق ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر طلاق دینے کے بعد صلح کی صورت بن جائے تو نہایت آسانی سے صلح کا مرحلہ طے ہو جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ ایک طلاق کی صورت میں تمام مکاتب فکر کے نزدیک عدت (تین حیض یا تین مہینے) کے اندر بغیر نکاح کے رجوع اور صلح کر لینا جائز ہے اور رجوع کے لیے زبان ہی سے رجوع کا اظہار کر دینا کافی ہے، اس کے لیے کسی خاص عمل کا کرنا ضروری نہیں ہے اور اگر عدت گزر جائے تو ان کے درمیان دوبارہ نکاح کے ذریعے سے تعلق بحال ہو جاتا ہے۔

ایک مرتبہ رجوع کرنے کے بعد دوبارہ بھی ایک طلاق دینے کی صورت میں عدت کے اندر رجوع کرنے کا اور عدت گزر جانے پر نئے نکاح کے ذریعے سے تعلق بحال کرنے کا موقع رہتا ہے، کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے الطلاق مرتان ﴿البقرة: 229﴾ میں دو مرتبہ طلاق دے کر مرد کو رجوع کرنے کا حق دیا ہے۔

پچھیدگی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ایک ہی مرتبہ طلاق، طلاق، طلاق کا لفظ استعمال کر لیا جاتا ہے حالانکہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دینا ممنوع ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم



طلاق اور اس کا طریقہ



نے اس پر سخت ناراضی کا اظہار فرمایا ہے۔ اسی لیے اس میں بھی تمام مکاتب فکر متفق ہیں کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا ناجائز ہے، لیکن عوام جہالت کی وجہ سے غصے میں اسلام کی اس اہم ہدایت کی پروا نہیں کرتے اور ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دیتے ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ علمائے احناف اس کو تین ہی قرار دے کر صلح اور رجوع کا راستہ بالکل بند کر دیتے ہیں۔ اس صورت میں عوام بڑے پریشان ہوتے ہیں، اکثر لوگ کہتے ہیں کہ ہماری نیت بیوی سے جدائی کی نہیں تھی، بس غصے میں طلاق دے بیٹھے، اور ہم یہ سمجھتے تھے کہ جب طلاق کا لفظ تین مرتبہ استعمال نہیں کریں گے تو طلاق ہی نہیں ہوگی، اسٹامپ پیپر میں بھی اسی لیے تین طلاقیں لکھوائی جاتی ہیں۔

بنا بریں طلاق دینے کا اگر فیصلہ کر ہی لیا جائے تو ایک ہی طلاق دی جائے۔ اس کے بڑے فائدے ہیں کیونکہ بعض دفعہ آدمی طلاق تو دے بیٹھتا ہے لیکن جب اس کے نقصانات اس کے سامنے آتے ہیں، مثلاً: میاں بیوی میں آپس میں بڑا پیار ہے، وہ ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے، یا اولاد کا مسئلہ ہے، طلاق کے بعد ان کا مستقبل تاریک ہو جائے گا وغیرہ، اس قسم کی صورتوں میں اگر وہ دوبارہ ازدواجی تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں تو ایک طلاق کی صورت میں عدت کے اندر صلح اور رجوع کر کے اپنی غلطی کا ازالہ کر لیا جانا بڑا آسان ہے، اس کی راہ میں فقہی اختلاف بھی آڑے نہیں آتا۔ اس کے برعکس کٹھی تین طلاقیں دینے کی صورت میں فقہی اختلاف کی وجہ سے معاملہ گھمبیر ہو جاتا ہے کیونکہ حنفی علماء اس صورت میں صلح کی اجازت نہیں دیتے۔ پھر یا تو وہ حلالہ کروا کے دوبارہ نکاح کی بحالی کا فتویٰ دیتے ہیں جو ایک لعنتی اور بے غیرتی کا کام ہے، جسے کوئی غیرت مند مرد گوارا



نہیں کرتا، علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کروایا جائے، دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔^①

بصورت دیگر یہ گھرانہ اجڑ جاتا ہے، مرد الگ پریشان ہوتا ہے، بیوی کی زندگی بھی اجیرن ہو جاتی ہے اور بچوں کا مستقبل بھی تباہ۔ اور بعض دفعہ بچوں کو لینے دینے کے لیے عدالتی کارروائی میں دونوں میاں بیوی خوب خوار ہوتے ہیں۔ تاہم کسی ایک کے حق میں فیصلہ ہو جانے کے بعد بھی بچے پریشان کن صورت حال سے دوچار رہتے ہیں، ان کو ماں کی جدائی برداشت کرنی پڑتی ہے یا باپ کی۔

فقہی جمود میں مبتلا او بے غیرتی اور لعنتی کافتویٰ دینے والے علماء کے پاس اس معاشرتی مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے، البتہ شریعت اسلامیہ میں اس کا حل موجود ہے کہ ایک وقت کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کر کے رجوع کر لیا جائے جیسا کہ قرآن وحدیث کی تصریحات سے ثابت ہے۔ اس طرح ہزاروں، لاکھوں گھرانے برباد ہونے سے بچ جاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اب بہت سے حنفی علماء بھی یہ اعتراف کرنے لگے ہیں کہ مذکورہ صورت حال کا ایک ہی حل ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کر کے خاندان کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا اور عدت گزارنے کی صورت میں بہ نکاح جدید صلح کرنے کا حق دیا جائے، بشرطیکہ طلاق دینے کا یہ فعل اس نے پہلی مرتبہ یا دوسری مرتبہ کیا ہو۔

اس کی تفصیل راقم کی کتاب ”ایک مجلس کی تین طلاقات اور اس کا شرعی حل“ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

① ابن ماجہ: کتاب النکاح، باب الخلل والمحلل له، حدیث: 1935

ترمنی: کتاب النکاح، باب ما جاء فی المحل والمحلل له، حدیث غیر 1119

طلاق اور اس کا طریقہ

﴿ایک اور ضروری وضاحت﴾

یہاں ایک اور نہایت اہم نکتے کی وضاحت کر دینی مناسب معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ اکثر کتابوں میں طلاق سنت کا طریقہ یہ بتلایا گیا ہے کہ ہر طہر میں رجوع کیے بغیر طلاق دی جائے۔ اس طرح تین طہروں میں تین طلاقیں پوری کی جائیں جب کہ واقعہ یہ ہے کہ تین طلاقیں دینی ضروری ہی نہیں ہیں، ایک طلاق دینے کے بعد اگر عدت کے گزرنے (تین حیض یا تین مہینے) تک رجوع نہیں کیا جائے گا تو اس سے بھی طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے، اس کے بعد عورت آزاد ہے، ولی کی اجازت سے جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے، حتیٰ کہ پہلے خاوند سے بھی صلح کی صورت میں دوبارہ نکاح کرنا جائز ہوگا۔

اس کے برعکس تین طہروں میں تین طلاقوں کو پورا کرنے میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس طرح پھر طلاق مغلظہ یا بئنہ واقع ہو جاتی ہے جس کے بعد زوج اول سے نکاح (حتیٰ تکح زوجا غیرہ) پر عمل کیے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اس کے لیے پھر فقہی جمود میں مبتلا علماء لعنتی اور بے غیرتی والے حلالے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ جو ہر غیرت مند مرد اور ہر غیرت مند عورت کے لیے ناقابل قبول بلکہ ناقابل برداشت ہوتا ہے۔

طلاق سنت کا مذکورہ طریقہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ ہے جو سنن نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہے، اس لیے یہ مشہور بھی ہو گیا تاہم اس کو طلاق سنت قرار دینا کسی لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔ اسی لیے مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن مسعود سے وہ طریقہ بھی منقول ہے جسے ہم نے بہترین طریقہ قرار دیا ہے، ایک طلاق دے کر چھوڑ دیا

طلاق اور اس کا طریقہ

جائے حتیٰ کہ تین حیض گزر جائیں۔^❶ یہی طریقہ درست اور صحیح ہے۔
 (4) چوتھی ہدایت یہ ہے کہ پہلی طلاق یا دوسری طلاق میں بیوی سے علیحدگی تو ضروری ہے لیکن عدت کے اندر اس کو گھر ہی میں رہنے دیا جائے، یعنی خاوند کے گھر میں۔ اس سے اسے نہ نکالا جائے۔ اس کا فائدہ اللہ نے یہ بتلایا ہے کہ مطلقہ کے اسی گھر میں رہنے سے، ہو سکتا ہے خاوند کے اندر رجوع کرنے کی رغبت اور جذبہ پیدا ہو جائے۔

﴿لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهُ يُعْذِرُكَ بِعَدْلِكَ أَمْرًا﴾ [الطلاق: 1]

”تم نہیں جانتے شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دے“

اسی لئے بعض مفسرین کی رائے ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف ایک طلاق دینے کی تلقین اور ایک وقت تین طلاقیں دینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اگر مرد ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دے (اور شریعت اسے جائز قرار دے کر نافذ بھی کر دے) تو پھر یہ کہنا بے فائدہ ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات (خاوند کے دل میں صلح کی رغبت) پیدا کر دے۔^❷

عورت کو اپنا رویہ صحیح رکھنا چاہیے

یہاں تک تو بات تھی مرد کے حق طلاق اور اس کے طریقہ استعمال کی۔ اس مقام پر ہم چند باتیں خواتین سے بھی عرض کرنا مناسب بلکہ ضروری سمجھتے ہیں اور وہ یہ کہ مرد اکثر بیشتر عورتوں کے رویوں کی وجہ سے طلاق دینے پر مجبور ہوتے ہیں درنہ کسی کو بھی اپنا گھر اجاڑنا پسند نہیں۔ بنا بریں عورتوں کو ہر وقت اپنا رویہ درست رکھنا چاہیے اور مرد کو اتنا

❶ مصنف ابن ابی شیبہ، حلیہ، 18034

❷ فتح القدر، الشوکانی

طلاق اور اس کا طریقہ

پریشان نہیں کرنا چاہیے کہ معاملہ طلاق تک پہنچ جائے۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ ان ہدایات پر عمل کیا جائے جو نیک عورت کے اوصاف کے ضمن میں (19, 20 کے قریب) صفات اور ”عورت نئے گھر میں، نئے ماحول میں“ کے تحت ہم بیان کر آئے ہیں۔ علاوہ ازیں عورت مرد کو اشتعال اور غصہ دلانے والی باتوں سے گریز کرے۔ اپنی زبان پر کنٹرول رکھے، بالخصوص جب خاندان غصے میں ہو۔ بالعموم فساد زبان کی بے احتیاطی سے پیدا ہوتا اور بڑھتا ہے۔ اسی لیے اسلام نے زبان کی حفاظت پر بہت زور دیا ہے۔

اسی طرح جب خاوند عورت کے رویے سے تنگ آ کر یہ کہتا ہے کہ میں تجھے طلاق دے دوں گا تو اکثر نادان عورتیں اپنی اصلاح کرنے کے بجائے، کہہ دیتی ہیں، اچھا طلاق دے دے اور خاوند اس کے جواب میں طلاق دے ڈالتا ہے، ظاہر بات ہے کہ یہ رویہ اپنے پیروں پر آپ ہی کلباڑی مارنے والی بات ہے۔

بعض عورتیں اپنے خاوند کی ماں (اپنی ساس) یا اس کی بہنوں (نندوں) کی بابت خاوند کو یہاں تک کہہ دیتی ہیں کہ ماں کو (یا بہن) کو رکھ لے یا مجھے رکھ لے، ساس یا نندوں کے ساتھ گزارا کرنے کے بجائے ان سے اتنی شدید نفرت کا اظہار بھی اکثر و بیشتر طلاق پر منتج ہوتا ہے۔ ایسے رویے سے بھی بچا جائے۔

عورت کو یاد رکھنا چاہیے کہ آسمان کے نیچے زمین پر خاوند اس کے لیے سائبان کی حیثیت رکھتا ہے، اس سے اگر وہ محروم ہوگئی تو عورت کی حیثیت ایک کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ہے جس کو تند و تیز ہوا میں کسی دیرانے میں پھینک دیتی ہیں یا آوارہ لڑکوں کے ہاتھوں میں ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ یا پھر عورت بھائیوں کی دست نگر بن کر ذلت و خواری کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوتی ہے۔

عورت کا حق خلع اور اس کے مسائل

اللہ تعالیٰ نے جس طرح مرد کو حق طلاق دیا ہے، اسی طرح اگر بعض دفعہ عورت کو مرد سے گلو خلاصی حاصل کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو اللہ نے اس کو حق خلع عطا کیا ہے جس کے ذریعے سے وہ ناپسندیدہ یا ناکارہ خاوند سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔

جیسے مثلاً: خاوند نامرد ہو، علاج معالجے سے بھی وہ صحیح نہ ہو۔ یا وہ نان نفقہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو یا قادر ہو لیکن مہیا نہ کرتا ہو۔ یا بلا وجہ عورت پر ظلم دسٹم کرتا یا مار پیٹ سے کام لیتا ہو۔ یا عورت اپنے بد شکل خاوند کو ناپسند کرتی ہو اور محسوس کرتی ہو کہ وہ اس کے ساتھ نباہ یا اس کے حقوق زوجیت ادا نہیں کر سکتی۔ یا وہ کسی خطرناک بیماری میں مبتلا ہو اور اس نے عورت کے دلی کو اس سے بے خبر رکھ کر شادی کر لی ہو، گویا دھوکے اور فریب سے کام لیا ہو، آگاہ ہونے پر عورت اس کے ساتھ رہنے کے لیے تیار نہ ہو۔

ان اور ان جیسی دیگر تمام صورتوں میں عورت خاوند کو یہ پیش کش کر کے کہ تو نے مجھے جو مہر یا ہدیہ وغیرہ دیا ہے، وہ میں تجھے واپس کر دیتی ہوں، تو مجھے طلاق دے دے۔ اگر خاوند اس پر رضامند ہو کر طلاق دے دے تو ٹھیک ہے، بصورت دیگر وہ عورت عدالت یا چنچایت کے ذریعے سے خاوند سے علیحدگی حاصل کر سکتی ہے۔ اس کو شرعی اصطلاح میں خلع

کہا جاتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کا ذکر سورۃ البقرۃ آیت: 229 میں کیا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض عورتوں کی خواہش پر ان کو خلع کا حق دیا ہے، یعنی ان کو ان کے ناپسندیدہ خاوند سے، حق مہر کی واپسی کی شرط پر، خاوند سے طلاق دلوائی ہے۔ جیسے حدیث میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کا واقعہ بیان ہوا ہے۔

ملاحظہ ہو، صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب الخلع وکیف الطلاق فیہ،

حدیث: 5275-5273

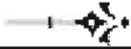
اس کی تفصیل، نیز عورت کن کن صورتوں میں شرعاً خلع حاصل کرنے کا حق رکھتی ہے، ہماری کتاب ”خواتین کے امتیازی مسائل“، ص: 321-232 میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ تاہم جیسے کسی معقول وجہ کے بغیر مرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ طلاق کا حق استعمال کرے، اسی طرح عورت کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ محض ذائقے کی تبدیلی کے لیے، معقول سبب کے بغیر، خلع کا مطالبہ کرے۔ اگر کوئی عورت ایسا کرے گی تو اس کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی وعید بیان فرمائی ہے۔

آپ نے فرمایا:

«أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا مِنْ غَيْرِ نَأْسٍ مُحْرَمٍ عَلَيْهَا وَارْتَحَتْ الْجَنَّةَ»

”جس عورت نے بغیر کسی وجہ سے اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کیا تو اس پر

جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔“^❶



خلع کے چند ضروری مسائل

① خلع طلاق نہیں، فسخ نکاح ہے۔ اس لیے اس کی عدت صرف ایک حیض ہے، اس کی

صراحت حدیث میں موجود ہے۔
(عدة المختلعة حیضاً)

”خلع لینے والی عورت کی عدت ایک حیض ہے۔“ ①

یعنی ایک حیض کے بعد وہ اپنے ولی کی اجازت اور رضامندی سے دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

② خلع طہر کی حالت میں یا حیض کی۔ دونوں حالتوں میں جائز ہے۔

③ خلع میں عورت کو حق مہر واپس کرنا ہوتا ہے۔ تاہم خاوند کا مہر یا ہدیے سے زیادہ کا

مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر حق مہر واپس لینے کے بجائے معاف کر دے تو جائز ہے۔

④ خلع میں خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، البتہ عدت گزر

جانے کے بعد باہم رضامندی سے دوبارہ باہم نکاح جائز ہے۔



عفت کی عفت و پاکیزگی کا مفہوم

اسلام میں عورت کو جس عفاف و پاکیزگی کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے، وہ اس کا زیور ہے بلکہ یوں کہیے کہ وہی اس کی فطرت نسوانی کا حسن اور نکھار ہے۔

یہ یاد رہے کہ ہمارے ہاں عفاف و عصمت کے یہی معنی نہیں ہیں کہ مصحف رخ پر ناپاک نگاہیں نہ پڑیں بلکہ اس سے زیادہ اس کا مفہوم ایک طرح کی ایجابیت لیے ہوئے ہے اور ایک مخصوص طرح کی سیرت و کردار کا مظہر ہے۔

عفاف کے معنی یہ ہیں کہ ایک عورت یہ سمجھتی ہے کہ محبت و تعلق خاطر کے تمام حقوق صرف ایک شخص کو حاصل ہیں اور وہ میرا شوہر ہے۔ صرف اس کی نظریں میرے جمال و زیبائش کا جائزہ لے سکتی ہیں اور اس کی محبت روح و قلب کی زندگی و بالیدگی کا باعث ہو سکتی ہے۔

اور آوارگی کے معنی صرف یہ نہیں کہ عورت بد کردار ہے بلکہ اس سے زیادہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ بدنصیب محبت و اخلاص کی اس دولت سے محروم ہے جو عائلی زندگی کی جان اور اساس ہے اور اگر معاشرہ اس بد کرداری کی حوصلہ افزائی کرتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ گھروں کو ان فطری سعادتوں سے اور اخلاص و تودد کی بے بہا نعمتوں سے محروم کر دینا چاہتا ہے اور یہی وہ نقطہ زوال ہے کہ جو قومیں بھی محرومی و بدبختی کی اس منزل تک پہنچیں، پھر وہ ایسی مٹیوں اور اس طرح ختم ہوئیں کہ دوبارہ نہیں ابھر سکیں۔

(الاعتصام 2 مارچ 1951ء، از مولانا محمد حنیف ندوی مرحوم)

تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل

تحفظ نسواں بل 2016ء پنجاب کی صوبائی اسمبلی سے جب سے پاس ہوا ہے، اس کی مخالفت اور حمایت نہایت شد و مد سے جاری ہے۔

مخالفت کرنے والے بلا تفریق مسلک و مشرب علمائے کرام اور تمام دینی جماعتیں ہیں، کسی مذہبی مکتب فکر کی حمایت اس کو حاصل نہیں ہے۔

حمایت کرنے والے کون ہیں؟ ایک تو اس کے بنانے والے، اور وہ ہیں پنجاب کے وزیر اعلیٰ کے امن و امان سے متعلق خصوصی یونٹ، خواتین کے حقوق کے لئے کام کرنے والی تنظیمیں، انسانی حقوق کے کارکن اور پنجاب اسمبلی کی خواتین رکن۔^❶

ان میں دیکھ لیجئے، ایک بھی عالم دین یا ایسی شخصیت نہیں ہے جسے علوم دینیہ میں مہارت یا کم از کم شناسائی ہی ہو۔

حمایت کرنے والوں کی دوسری قسم وزراء، و دیگر وابستگان حکومت اور ان اراکین اسمبلی پر مشتمل ہے جنہوں نے کچھ عرصہ قبل تعلیمی اداروں میں رقص و سرور کی محفلوں کے انعقاد کے خلاف پاس ہونے والے بل کی مخالفت کر کے اس کو ختم کروا دیا تھا اور ان

تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل

حیاباختہ پروگراموں اور بے ہودگیوں کو جاری رکھنے پر اصرار کیا اور اس ”حق“ کو تسلیم کروایا۔ اس سے ان اراکین کی اسلام سے وابستگی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

تیسری قسم ان خواتین کی ہے جنہوں نے این، جی اوز (غیر سرکاری تنظیمیں) قائم کر رکھی ہیں، جن کا مقصد ہی مسلمان عورت کو بے پردہ کر کے اور بے حیاب بنا کر مردوں کے دوش بدوش کھڑا کرنا ہے تاکہ اسلامی معاشرہ اپنی اسلامی خصوصیات سے محروم ہو کر مغربی تہذیب کو اپنالے۔

اسلامی معاشرے کی اصل خصوصیت کیا ہے؟ عورت تعلیم کے ساتھ ساتھ حیا و عفت کے جذبہ و تصور سے آراستہ ہو، اور اپنی فطری خصوصیات اور فطری مقاصد کے مطابق گھر کی چار دیواری کے اندر امور خانہ داری، خاوند کی خدمت و اطاعت، بچوں کی دیکھ بھال اور ان کی تعلیم و تربیت وغیرہ سرانجام دے۔ یا پھر ان کے ساتھ جزوی طور پر ایسے کام کر لے جن میں مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو، جیسے پرائمری اسکول میں ٹیچنگ، بطور لیڈی ڈاکٹر مریض عورتوں کا علاج وغیرہ۔

مغربی تہذیب کیا ہے جس کے فروغ کے لئے مذکورہ تنظیمیں سرگرم ہیں، اور جس کے لئے ان تنظیموں اور ان کے بانیوں کو مغرب کے استعماری اور اسلام دشمن ممالک یا تنظیموں کی طرف سے بھاری مقدار میں فنڈز مہیا کیے جاتے ہیں؟

وہ تہذیب یہ ہے کہ مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں کو معاشی مشین کا کل پرزہ بننا چاہئے وہ گھر کی چار دیواری کو خیر باد کہہ کر طوں، فیکڈیوں میں کام کرے، دفتروں میں کلر کی اختیار کرے یا افسروں کی بانہوں میں جھولے۔ راتوں کو کلبوں میں مردوں

تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل

کے ساتھ ڈانس کرے اور ہر وہ کام کرے جو اسلام میں اس کے لئے ناپسندیدہ ہے، لیکن مغربی تہذیب میں پسندیدہ ہے۔ جیسے بے پردگی، نامحرم مردوں کے ساتھ بے باکانہ اختلاط، مردوں کے ساتھ دوستی اور ان کے ساتھ سیر سپاٹا وغیرہ۔

یہ خواتین اس بل کی حمایت کیوں نہیں کریں گی۔ اس بل نے تو ان کی آرزوں اور مقاصد کے ہفت خواں کو ایک ہی جست میں طے کر دیا ہے۔ اگر خدا نخواستہ یہ بل واقعی نافذ ہو گیا تو پاکستان میں بھی مغرب کی طرح خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار اور عورت یکسر غیر محفوظ ہو جائے گی۔ اس مقصد کے حصول میں مغرب اپنی ایجنٹ خواتین کے ہزار جتن کے باوجود، ابھی تک خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر سکا تھا۔ لیکن حکومت پنجاب مبارک باد کی مستحق ہے کہ اس نے جس طرح پہلی جماعت ہی سے انگریزی مسلط کر کے مغرب کے طوق غلامی کو ہر مسلمان بچے کے زیب گلو کر دیا ہے۔ اب مسلمان عورت کے لئے وہ نظام بھی تجویز کر دیا ہے جس سے چند سالوں میں نہایت تیزی سے وہ خاندانی حصار اور تحفظ، جو پاکستانی عورت کو بہت حد تک حاصل ہے، ختم ہو جائے گا اور پاکستانی عورت بھی مغرب کی طرح خاندانی حصار سے آزاد، مرد کی بالادستی، جو اس کی حفاظت کا ضامن ہے، سے محفوظ اور کٹی پٹنگ کی طرح آوارہ منشوں اور ہوس کاروں کی مرکز نگاہ ہوگی۔ لا قدرہ اللہ، ثم لا قدرہ اللہ

اس بل کی حمایت کرنے والا چوتھا طبقہ، روزنامہ اخبارات کے ان کالم نگاروں پر مشتمل ہے جو ہر نئے پیش آمدہ مسئلے میں کالم نگاری ضروری سمجھتے ہیں چاہے وہ اس موضوع کی اہمیت، تقاضوں اور اس کی ضروری اہلیت سے کوئی بھی آگاہی نہ رکھتے ہوں۔ کچھ اور

نہیں تو وہ متعلقہ مسئلے سے آگاہی رکھنے والوں کو ہی طعن و تشنیع کا ہدف بنا کر سمجھتے ہیں کہ ہم نے کالم نویسی کا حق ادا کر دیا ہے، یا وہ سمجھتے ہیں کہ ہر مسئلے میں ٹانگ اڑانا، یعنی رائے زنی کرنا ہمارا بنیادی اور جمہوری حق ہے۔ اسی لئے وہ اظہار رائے کی آزادی کو جمہوریت کا لازمی حصہ سمجھتے اور باور کراتے ہیں۔ لیکن جواب آں غزل کے طور پر جب آگاہی رکھنے والے اہل علم و تحقیق تصویر کا دوسرا رخ پیش کرتے ہیں تو اس کو بالعموم اخبارات میں شائع نہیں کیا جاتا۔ ان کے نزدیک آزادی صحافت یا آزادی اظہار رائے صرف یہ ہے کہ خود ان کو لکھنے اور شائع کرنے کی اجازت ہو وہ جو چاہیں لکھیں اور شائع کریں۔ اگر وہ رات کو دن او دن کورات باور کرائیں تو ان کا حق ہے جسے سلب کرنا جمہوریت کے خلاف ہے لیکن دوسرے کسی باخبر شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ یہ لکھے یہ رات کس طرح ہو سکتی ہے جب کہ سورج کی روشنی ہر سو پھیلی ہوئی ہے اور یہ دن کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ تاریکی ہر طرف چھائی ہوئی ہے؟ یہ بھی جمہوریت ہے کیونکہ ان کے نزدیک جمہوریت یا آزادی رائے کا حق صرف ان کے لئے مخصوص ہے۔ اس لئے کہ قسمت کی دیوی ان پر مہربان ہے اور وہ اخبارات کے مالک، یا ان کے مستقل تنخواہ دار کالم نگار، یا مشہور قلم کار ہیں!!

رہے اہل علم و تحقیق اور ارباب فکر و نظر، چونکہ بد قسمتی سے نہ وہ اخبارات کے مالک یا مدیر ہیں اور نہ اخبارات کے مستقل تنخواہ دار ملازم اور کالم نگار۔ وہ چاہے آسمان علم و تحقیق کے درخشندہ ستارے ہوں، بحر علوم دینیہ کے غواص اور ماہر ہوں، اصابت فکر و نظر کے حامل ہوں لیکن ان کا تحقیقی یا وضاحتی بیان ناقابل اشاعت قرار پائے گا، وہ سرد خانے کی

— ﴿﴾ — تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل ﴿﴾ —

نذر ہوگا یا رومی کی ٹوکری اس کا مقدر ہوگی۔ مالکان و مدیران اخبارات کا یہ وہ ”جمہوری حق یا رویہ“ ہے جو سالہا سال سے راقم کے تجزیہ و مشاہدہ کا حصہ ہے۔ یہ جگ بیتی ہی نہیں، آپ بیتی بھی ہے جس میں ایک فیصد بھی غلط بیانی نہیں۔

بہر حال بات ہو رہی تھی اس متنازعہ بلکہ مغربیت میں ڈوبے بل کی کہ اس کی حمایت میں جو چوتھا طبقہ سرگرم ہے وہ اخباری کامل نو یوسوں کا ہے یہ ظاہر ہے کہ یہ جرعد تلخ ان کے لئے کتنا بھی ناخوش گوار ہو، مگر حقیقت یہی ہے کہ مذکورہ تینوں حمایتوں کی طرح، یہ بھی قرآن و حدیث کے علوم سے بہر حال بہرہ ور نہیں ہے۔

دنیا کے علم و تحقیق میں یہ بات مسلمہ ہے کہ سائنس، ریاضی، انجینئرنگ، طب و حکمت، معاشیات، سیاسیات، یا کسی بھی علم فن میں کوئی کتاب یا مضمون لکھنے کا حق صرف اسی کو حاصل ہے جو اس علم یا فن کا ماہر ہو اور اس پر کامل عبور رکھتا ہو۔ اس کے بغیر کوئی شخص کسی بھی فن پر لکھنے کی جرأت نہیں کرتا اور اگر کوئی ایسی جسارت کر لے تو اسے کوئی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا بلکہ اسے دنیا احمق یا پاگل تصور کرے گی کہ ذات کی کوڑھ کر لی اور

....

لیکن دین اسلام، وہ دنیا کا مظلوم ترین دین ہے کہ اس کی اجد سے بھی نا آشنا لوگ اس میں رائے زنی بلکہ اس میں ”اجتہاد“ کرنا نہ صرف اپنا حق سمجھتے ہیں بلکہ جن علماء نے علوم دینیہ کے سیکھنے سکھانے میں اپنی عمر صرف کی ہیں، ان کو دینی معاملات میں رائے دینے کا اہل نہیں سمجھا جاتا۔

﴿إِنَّ هَذَا الْقَبْرُ مِنْ حُجَّاتِ﴾ (ص: ۵)

دیکھ لیجئے! اس بل کا سارا تعلق خاندانی نظام سے ہے جس میں سب سے زیادہ اہم پہلو، میاں بیوی کا باہمی تعلق ہے۔ اس کے بارے میں اسلام میں اتنی تفصیلی ہدایات ہیں کہ دنیا کے کسی نظام، مذہب یا نظریے میں نہیں ہیں۔ لیکن یہ بل بناتے وقت اسلام کی ان روشن تعلیمات کو نہ صرف نظر انداز کیا گیا ہے بلکہ سارا بل قرآن و حدیث کی واضح تعلیمات کے خلاف ہے اور مغربی افکار کا چرہ بہ یا اس کی بھونڈی نقل ہے۔ اسی لئے کسی عالم دین سے قطعاً مشاورت کا اہتمام نہیں کیا گیا۔

اس کے بنانے یا بنوانے والے تو کہہ ہی رہے ہیں کہ یہ بل اسلام کے عین مطابق ہے اور ان کی تو یہ مجبوری ہے کہ انہوں نے تو یہ ساری کاوش کی ہے، ان کی طرف سے تو یہ دفاع صحیح ہے یا غلط؟ اس سے قطع نظر، سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ لیکن اخبارات کے کالم نگار بھی ماشاء اللہ، چشم بدور، مفتیان دین متین اور قرآن و حدیث کے سکالر بن گئے ہیں اور فتویٰ صادر فرما رہے ہیں کہ بل میں کوئی چیز خلاف اسلام نہیں ہے بلکہ وہ یہاں تک دعوے کر رہے ہیں کہ علماء یوں ہی شور مچا رہے ہیں لیکن وہ اس کی کوئی شق خلاف اسلام ثابت نہیں کر سکے۔

زیر نظر تحریر بل کے اداکاروں اور ہدایت کاروں کے علاوہ، جدید اسلام کے ان ”مفتیان کرام“ اور ”محققین عظام“ کی خدمت میں پیش ہے کیونکہ اس میں ان کے دعوؤں کے برعکس اس بل کو مکمل طور پر خلاف اسلام ثابت کیا گیا ہے جس سے ان کے چیلنج کا جواب بھی سامنے آجائے گا کہ علماء اس کو خلاف اسلام ثابت نہیں کر سکے یا نہیں کر سکتے۔ بعون اللہ و توفیقہ

بل کا جائزہ

بل حقیقی بنیادوں سے محروم اور چند مفرد رضوں پر مبنی ہے۔ اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

بل کا آغاز ان الفاظ سے کیا گیا ہے:

”چونکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین اصناف کے مابین مساوات کی ضمانت دے کر ریاست کو خواتین کے تحفظ کے لئے خصوصی قانون وضع کرنے کا اختیار دیتا ہے لہذا ضروری ہو گیا ہے کہ خواتین کو گھریلو تشدد سمیت تشدد سے تحفظ فراہم کیا جائے... (بل کا اردو متن)

تبصرہ: ”اصناف کے مابین مساوات“ کے الفاظ آئین پاکستان کے آرٹیکل 25 کی ذیلی دفعہ 2 سے ماخوذ یا اس کا مفہوم ہے، آئین کے اصل الفاظ (اردو متن) حسب ذیل ہیں:

”جنس کی بنیاد پر کوئی امتیاز نہیں کیا جائے گا“

اس کا مطلب اگر یہ ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق ہی نہیں ہے۔ دونوں ایک ہی قسم کی صلاحیتیں لے کر دنیا میں آئے ہیں اور دونوں دنیا کا ہر کام کر سکتے ہیں۔ تو یہ بدابہت غلط ہے۔ گو مغرب کے نزدیک مساوات مرد و زن کا یہی مطلب ہے اور مغرب زدگان بھی اس غیر عقلی اور غیر فطری نظریے پر ایمان بالغیب رکھتے ہیں، لیکن اسلام اس مساوات مرد و زن کو تسلیم نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے درمیان فرق کیا ہے، ان کے مقصد تخلیق میں بھی اور دائرہ کار میں بھی، اور اسی اعتبار سے دونوں کو صلاحیتیں بھی ایک دوسرے سے مختلف عطا کی ہیں۔ اس کی تفصیل زیر نظر تحریر کے علاوہ راقم کی کتاب ”خواتین کے امتیازی مسائل“ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اور اگر اس دفعہ کا مطلب یہ ہے کہ مرد اور عورت، اگرچہ دو جنس ہیں، لیکن اس بنیاد پر

تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل

کسی کے ساتھ امتیاز نہیں کیا جائے گا کہ دونوں کے حقوق کا تحفظ اور دونوں کی فلاح و بہبود کے لئے ضروری قانون سازی کی جائے گی۔ تو یہ مطلب بالکل صحیح ہے اور اسلام سے متصادم نہیں، جب کہ پہلا مطلب اسلام سے یکسر متصادم ہے۔

اس دوسرے مفہوم کی رُو سے عورت پر ظلم و تشدد کی جو جو صورتیں بھی ہمارے معاشرے میں موجود ہیں ان کا سدباب نہایت ضروری اور حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کی ادائیگی میں موجودہ قوانین اگر نا کافی ہیں تو نئے قوانین بنانا اور مناسب تدابیر اختیار کرنا بھی نہایت ضروری بلکہ ناگزیر ہے۔ کیونکہ یہ نہ اسلام کے خلاف ہے اور نہ علماء اس میں مزاحم یا اس کے مخالف ہیں۔ اسلام عورت کو ہر قسم کا تحفظ دیتا ہے بلکہ اسلام ہی عورت کو تحفظ دیتا ہے، علماء اس کے مخالف کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اس خیال است و مجال است و جنوں۔

لیکن اصل بات یہ ہے کہ حکومت کے جن ذمہ داران یا ان کے پس پردہ دیگر حضرات و خواتین نے آئین کی مذکورہ شق یا دفعہ کا مطلب یہ نہیں سمجھا اور اس کو صرف اپنی مطلب برآری کے لئے استعمال کیا ہے۔ اس کو ایک مثال سے اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ ملک میں آجر اور اجیر (محنت کش اور مالک) دو فریق ہیں، ملک کی ساری آبادی انہی دو فریقوں پر مشتمل ہے۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ دونوں فریقوں کے حقوق کا تحفظ کرے اور ایسے قوانین بنائے کہ نہ محنت کش مالک پر ظلم کر سکے اور نہ مالک مزدوروں کے ساتھ ظلم و زیادتی کا معاملہ کر سکے۔

اب اگر مالکان مزدوروں کے حقوق کا خیال نہیں رکھتے، ان کے ساتھ ظلم و زیادتی کا

تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل

معاملہ کرتے ہوں، جس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں اور ہیں جن کو ہر باشعور شخص سمجھتا ہے۔ ریاست کی یقیناً ذمے داری ہے کہ وہ مزدوروں (محنت کشوں، ملازموں) کے حقوق کا تحفظ کرے اور ایسی قانون سازی کرے کہ مظلومین کی داری ہو سکے، ان کے حقوق کو کوئی پامال نہ کر سکے اور ان پر کسی قسم کی زیادتی نہ کی جاسکے۔ لیکن حکومت مزدوروں کے تحفظ کے لیے ایسے قوانین بنائے جن میں مالکان کے حقوق کو نظر انداز کر دیا جائے تو کیا یہ قانون سازی معقول کہلائے گی؟ یا ایسے قوانین سے مزدوروں کے حقوق کا تحفظ ممکن ہوگا؟ یا اس کو اسلام کے مطابق قرار دیا جاسکے گا؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ نہ ایسی قانون سازی میں کوئی معقولیت ہوگی، نہ اس سے مزدوروں کے حقوق کا تحفظ ہی ہوگا اور نہ اسے اسلام کے مطابق ہی کہا جاسکتا ہے۔

اس کی وجہ یہ نہیں کہ اسلام مزدوروں پر ظلم کو جائز قرار دیتا ہے، یا اسلام میں مزدوروں کے حقوق کی وضاحت اور ان کے اہتمام کی تاکید نہیں ہے، یا ان کی بابت اسلامی ریاست کو ذمے دار قرار نہیں دیتا۔ بلکہ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں نہایت اعتدال اور توازن ہے، وہ اللہ کا بنایا ہوا نظام ہے اور اس میں تمام طبقات کے حقوق کا تحفظ کیا گیا ہے۔ اگر اس میں مزدوروں کی بابت نہایت اعلیٰ تعلیمات دی گئی ہیں جن کا خیال رکھنا مالکوں کے لئے ضروری ہے تو دوسری طرف مالکوں کی بابت بھی احکام دیے گئے ہیں جن کو ملحوظ رکھنا مزدوروں اور ملازمین کے لئے ضروری ہے۔ جب تک دونوں کے حقوق کا تعین اور ان کا تحفظ یکساں طور پر نہیں کیا جائے گا، کسی بھی ملک کا نظام چل ہی نہیں سکتا۔

تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل

اس لئے علماء کہتے ہیں کہ ایک طرفہ قانون سازی (دون دے ٹریفک) اسلام کے خلاف ہے، کیوں؟ اس لئے کہ کوئی ریاست اگر صرف مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کے لئے ایسے قانون بنائے جن میں دوسرے فریق (مالکان) کے حقوق نظر انداز کر دے، تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ملک کی تمام فیکٹریاں، کارخانے، ملیں، مارکیٹیں بند ہو جائیں گی۔ اور جن کے تحفظ کے لئے ایک طرفہ قانون بنائے گئے ہوں گے، وہ سب بے روزگار ہو جائیں گے اور ان کو کھانے کے لالے پڑ جائیں گے۔ ملوں، کارخانوں کے مالک تو کارخانے بند کرنے کے بعد بھی ضروریات زندگی فراہم کرنے کی پوزیشن میں رہیں گے لیکن مزدوروں کے پاس کون سا اندوختہ ہوتا ہے کہ وہ مزدوری اور ملازمت کے بغیر اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکیں، علاوہ ازیں صنعت کا پہیہ جام ہو جانے سے خود حکومت کو جو ٹیکسوں سے محرومی ہوگی، اس کے بعد نظام حکومت کس طرح چل سکے گا؟

ایک ہی فریق کے حقوق کے تحفظ کی یہ ایک طرفہ کارروائی کتنی بھیانک اور خطرناک ہے، جس سے اللہ کی ہزار بار پناہ۔ مزدور بھی صدائے احتجاج بلند کرنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ کیا ہمارے حقوق کا تحفظ ہے کہ ہم بے روزگار ہو گئے اور دو وقت کی روٹی کھانی بھی مشکل ہو گئی ہے۔!؟

اس لئے ریاست کی ذمہ داری صرف کسی ایک فریق کے حقوق کا تحفظ نہیں ہے بلکہ اس سے متعلقہ دوسرے فریق کے حقوق کا تحفظ بھی ہے۔ اگر ایک فریق دوسرے فریق پر ظلم کرتا ہے تو بلاشبہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ مظلوم کی وادری کرے اور ایسے قانون بنائے کہ ظلم کار راستہ بند ہو جائے۔ لیکن اس میں قطعاً نہ کوئی معقولیت ہے اور نہ اس

تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل

کا حق ہے کہ ایک فریق کے تحفظ کے لئے ایسی قانون سازی کرے کہ دوسرے فریق کے حقوق اس سے متاثر ہوں۔

تحفظ نسواں بل میں پہلی خرابی یا مفروضہ یہ ہے کہ پاکستان میں صرف عورتوں پر ظلم ہوتا ہے اور اس کے ذمے دار مرد ہیں۔ اس لئے عورتوں کے حقوق کا تحفظ ضروری ہے۔

اول تو یہ صرف مفروضہ اور پروپیگنڈہ ہے کہ ہر صورت میں عورت مظلوم اور مرد ظالم ہے۔ حالانکہ ہمارے معاشرے میں جہالت اور اسلامی تعلیمات سے بے خبری عام ہے، جس کی وجہ اگر کبھی مرد عورت پر ظلم کرتا ہے، تو عورت بھی کم و بیش کے کچھ فرق کے ساتھ اس معاملے میں مرد سے پیچھے نہیں ہے، وہ بھی مختلف انداز سے مرد پر ظلم کرتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ عورت میں صبر اور حوصلے کی۔ مرد کے مقابلے میں۔ کمی ہے (عورت مانے یا نہ مانے، یہ چیز فطری ہے) اگر اس پر ظلم ہوتا ہے وہ وایلا کرتی ہے اور مغربی فنڈز پر پلنے والی این جی او ز بھی اس کو۔ نمک حلائی کے طور پر۔ خوب اچھا لیتی ہیں۔ جب کہ مرد کے اندر عزم و حوصلہ زیادہ ہے، وہ عورت کی طرف سے کی گئی زیادتی کو بالعموم نظر انداز کر دیتا ہے جیسا کہ اس کو کرنا ہی چاہئے کہ اسلام کی تعلیم بھی یہی ہے اور اس کی توامیت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کے بغیر گھر کا نظام چل ہی نہیں سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں 90 فی صد گھرانوں میں چھوٹے موٹے تنازعات کے باوجود عورت امن و سکون کی زندگی گزار رہی ہے اور اس کو ان مسائل کا قطعاً سامنا نہیں کرنا پڑتا جن کے لئے بل کی صورت میں پا پڑ بیلے گئے ہیں۔ صرف 10 فی صد گھرانے بمشکل ایسے ہوں گے جہاں ایک دوسرے پر ظلم کیا جاتا ہے جو کبھی عورت کی طرف سے ہوتا ہے

— ﴿﴾ — تحفظ نسواں بل۔ نقد تجزیہ اور متبادل حل ﴿﴾ —

اور کبھی مرو کی طرف سے اور کبھی اس میں دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ ان صورتوں میں صرف مرد ہی کو ظالم تصور کر کے قانون سازی کرنا۔ اور وہ بھی یکطرفہ۔ قطعاً غیر معقول ہے۔

ہماری بات پر یقین نہ آئے تو ایک کونسلر اور ماہر نفسیات لیڈی ڈاکٹر کے مشاہدات ملاحظہ فرمائیں: ان کا نام فوزیہ سعید ہے وہ ایک مضمون بعنوان: ”کیا صرف مرد ذمے دار ہے؟ تصویر کا دوسرا رخ۔“ میں لکھتی ہیں:

”8 مارچ خواتین کا عالمی دن پوری دنیا میں منایا جاتا ہے جس میں خواتین کو خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے، جگہ جگہ سیمینار کیے جاتے ہیں وہاں مردوں کے ظلم کی داستانیں اس طرح بڑھا چڑھا کر بیان کی جاتی ہیں کہ کچھ لوگ رونے لگتے ہیں۔ 2015ء کو میں نے کافی ورلڈ ویمن ڈے اٹینڈ کیے تمام کا فوکس مردوں کے ظلم، عورتوں کو جلانے جانے کے واقعات، عورتوں پر پھینکے گئے تیزاب یا تعلیمی میدان میں آگے نہ بڑھنے دینے یا وقت سے پہلے شادی کر کے ان کے حقوق غصب کرنے یا عمر گزر جانے پر بھی شادی نہ ہونے جائیداد میں ان کے حقوق پامال کرنے کو نمایاں طور پر بیان کیا گیا۔ بطور ماہر نفسیات میں نے نہایت ہی سوچ بچار کے بعد یہ تجزیہ کیا کہ 80 فی صد واقعات میں عورتوں کا اپنا قصور ہوتا ہے، میں ایک کونسلر ہوں، میں نے دیکھا ہے ہر ظلم کے پیچھے اکیلا مرد ذمے دار نہیں، اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی عورت بھی برابر کی شریک ہوتی ہے، بلکہ آپ بلا تعصب جائزہ لیں تو جو مرد ظلم کرتا ہے اس کے پیچھے کسی نہ کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ وہ عورت اس کی ماں بھی ہو سکتی ہے، بہن بھی، بھابھی بھی، یا جدید دور کی نیورسٹے دار گرل فرینڈ بھی ہو سکتی ہے۔

پھر الزام مرد پر ہی کیوں؟

اگر آپ بلا تعصب تحقیق کریں تو معلوم ہوگا بے شمار INGOS اس پر کام کر رہی ہیں اور مردوں کے ساتھ کئے گئے ظلم پر کوئی ایک یا دو NGOS ہیں۔ عورتوں پر ظلم کی بات کو اچھالا جاتا ہے مگر اس کا کوئی حل یا جڑ سے ختم نہیں کیا جاتا، جڑ میں اصل مجرم کوئی نہ کوئی عورت کسی نہ کسی روپ میں بیٹھی اپنے بیٹے، بھائی، دیور، خاوند کو بہکار ہی ہوتی ہے۔

عورت پر ظلم کیا جاتا ہے، میں اتفاق کرتی ہوں، مردوں کی سوسائٹی ہے مگر مردوں کو پالنے اور پروان چڑھانے والی اور شیر کا جگر دینے والی عورت ہی ہوتی ہے۔ مردوں کو دوسری شادی پر اکسانے والی بھی کوئی نہ کوئی عورت ہی ہوتی ہے جو اپنے بھائی یا بیٹے کو کہتی ہے، بیوی کو آگ لگا دو، تیز اب پھینک دو، طلاق دے دو، ہم تمہارے لئے نئی بیوی لے کر آئیں گے کسی طرح کوئی گرل فرینڈ یہ جانتے ہوئے کہ مرد شادی شدہ ہے، بچوں کا باپ ہے، اس کے پیچھے لگ جاتی ہے اور کسی عورت کا گھر تباہ کر دیتی ہے اور بدنام مرد ہوتا ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ مرد کو اپنی عقل سے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہئے، نیپولین بونا پارٹ نے کہا تھا: ”مجھے اچھی مائیں دو میں تمہیں اچھی قوم دوں گا۔“ گویا ذمے داری عورت پر آن پڑی ہے کہ اچھے مردوں کو جنم دینے والی عورت ہی ہے، ذمے داری ماں پر آگئی ہے کہ وہ اپنے بچے کو کیسے پروان چڑھاتی ہے اور اسے دوسری عورت کے حقوق ادا کرنے کی تعلیم دیتی ہے یا عورت کے حقوق غصب کرنے پر اکساتی ہے، عورت کا دل اس کے دماغ پر حکومت کرتا ہے، اس کو کمزور کہنا اس کی توہین ہے آؤ اس دن عہد کریں کہ ہم اپنی حفاظت کا ذمہ خود لیں گے

ایسے رہا کرو کہ کریں لوگ آرزو

تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل

ایسا چلن چلو، زمانہ مثال دے

یہ ایک پڑھی لکھی، تجربہ کار، ماہر نفسیات اور کونسلر خاتون کا ان لوگوں کے مونہوں پر ایک زناٹے دار طمانچہ ہے جو کہتے ہیں کہ ظلم صرف مرد ہی کی طرف سے ہوتا ہے، اور سنیئے صرف ایک ہی دن کے دو واقعات، جو اخبار میں رپورٹ ہوئے، دونوں میں ظالم مرد نہیں، عورت ہے۔

○ میاں بیوی فوزیہ اور اکرام شاہد کا خرچہ نہ دینے پر گھر میں جھگڑا ہوا جس کے بعد فوزیہ بی بی نے اپنے بھائی کو بلایا اور دونوں بہن بھائیوں نے مل کر کلہاڑی مار کر 35 سالہ شوہر کو شدید زخمی کر دیا جسے زخمی حالت میں ہسپتال میں داخل کر دیا گیا (یہ گوجرانوالہ کا واقعہ ہے) ❶

○ اسی تاریخ کا دوسرا واقعہ عورت کے ظلم اور سنگ دلی کا یہ نقل ہوا ہے کہ بچوں کی آپس کی لڑائی میں شفقت بی بی نے دو سالہ بچے محمد حسنین کا گلا دبا کر اسے قتل کر دیا۔ (یہ سرگودھا کا واقعہ ہے) ❷

○ ایک اور خبر ملاحظہ ہو، بے اولاد خاتون نے سوتن کا سوا ماہ کا بیٹا زمین پر ٹینچ کر مار ڈالا۔ ❸

❶ روزنامہ ”نوائے وقت“ لاہور خواتین ایڈیشن، 21 مارچ 2016

❷ روزنامہ آواز ص: 2، 12 اپریل 2016

❸ روزنامہ ”آواز“ محلہ صفحہ اور تاریخ

❹ روزنامہ ایکسپریس، ص: 10، 14 اپریل 2016

- دو ماہ کی نئی دلہن نے اپنی شوہر کو خنجر کے وار کر کے قتل کر دیا۔ قتل کا یہ واقعہ 5/59 ایل میں پیش آیا۔ عابدہ پروین نے اپنے دیگر دو ساتھیوں کے ہمراہ خنجر کے وار کر کے اپنے شوہر امانت کو قتل کر دیا۔ ●
- مانگا منڈی کے علاقے سے چند روز قبل ملنے والی لاش کا معمہ حل ہو گیا۔ مقتول کو اس کی بیوی (فرزانہ) نے اپنے آشنا (جمال اور اس کے ساتھی) سے مل کر قتل کیا اور لاش کھیتوں میں پھینک دی۔ دو ہفتے کی تفتیش سے یہ بات واضح ہوئی۔ ●
- سٹلائٹ ٹاؤن بورے والا میں دو ماہ کی نوبیا ہتا دلہن نے اپنے مبیہ آشنا سے مل کر خاندان گلا گھونٹ کر قتل کر دیا اور مرگ اتفاقاً یہ کاڈر امار چاکر سسرال نے تدفین کر دی۔ گرفتاری کے بعد مزہ (بیوی) نے دوران تفتیش اعتراف جرم کر لیا۔ مقتول بوڑھی ماں کا واحد کفیل تھا۔ ●

اس تفصیل سے یہ واضح ہے کہ زیر بحث بل کا پہلا سبب ہی حقائق پر مبنی نہیں کہ عورتوں پر تشدد ہوتا ہے بلکہ مفروضے پر قائم ہے۔ جب کہ حقیقت یہ کہ ظلم دونوں ہی طرف سے ہوتا ہے۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ظلم و تشدد کا سدباب کرے۔ کسی ایک ہی

● روزنامہ ”آواز“ لاہور 7 مئی 2016ء ص: 8-

● روزنامہ ”جنگ“ لاہور 8 مئی 2016ء ص: 4-

● روزنامہ ”جنگ“ لاہور 8 مئی 2016ء ص: 4-

فریق کو ظالم باور کر کے یا کرا کے ایک طرفہ قانون سازی بجائے۔ خود ایک ظلم ہے جو آئین پاکستان کے بھی خلاف ہے، اسلام کے بھی خلاف ہے اور عدل و انصاف کی مسلمہ روایات کے بھی خلاف ہے۔ عدل، آئین اور اسلام کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو واقعی ظالم ہیں، ان کو کٹہرے میں کھڑا کیا جائے نہ کہ اپنے طور پر کسی ایک فریق یا جنس کو ظالم فرض کر کے اس کے خلاف قانون سازی کی جائے۔

ہمارے ملک میں کون سا طبقہ ایسا ہے جو ظلم و تشدد سے محفوظ ہے؟ عورتیں تو بالعموم پھر بھی گھروں میں رہتی ہیں، سارے بیرونی کام مرد ہی کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے ملک میں مردوں کو قدم قدم پر ظلم کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جتنے بھی سرکاری ادارے ہیں جن سے رات دن عوام کو واسطہ پڑتا ہے، بجلی، سوئی گیس، ایل ڈی اے، واسا، انکم ٹیکس، پراپرٹی ٹیکس، کچہری، پٹوارخانہ، عدالتیں (سول، فیملی، دیوانی، فوجداری، حتیٰ کہ ہائی کورٹس وغیرہ) سیکرٹریٹ میں سرکاری ادارے، پاسپورٹ آفس، نادرا آفس اور دیگر اس قسم کے دیگر ادارے اور سرکاری دفاتر جہاں عوام کو اپنے مسائل و مشکلات کے حل کے لئے سرکاری اہل کاروں سے واسطہ پڑتا ہے۔ ان اداروں کے چھوٹے بڑے افسران و اہل کاران کی منہی ذمہ داری ہے کہ وہ پوری دیانت داری سے عوام سے تعاون کریں اور متعلقہ کام کر کے دیں، عوام کے خون پسینے کی کمائی ہی سے ان کو تنخواہیں اور دیگر مراعات دی جاتی ہیں۔ لیکن ہر چھوٹا بڑا افسر اور اہل کار فرعون بن کر بیٹھا ہوا ہے اور کسی بھی دفتر میں عوام کی

شہنائی نہیں ہوتی۔ شہنائی اگر ہوتی ہے تو اس رشوت کی جس کو ”فضل ربی“ کا نام دیا ہوا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

جب تک اس لقمہ حرام سے ان کی منہ بھری گرم نہیں کی جاتی، ان سے متعلقہ کام کروانے کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ ان تمام سرکاری اداروں میں مردوں کو اپنے ہی ان ”خادموں“ کے ہاتھوں جس ذلت و رسوائی اور ظلم کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور عوام کے یہ ”خادم“ جس طرح ایک ایک مرحلے پر مردوں کی عزت نفس کو مجروح کرتے ہیں، وہ محتاج وضاحت نہیں ہے۔ یہ تو مردوں کا حوصلہ ہے کہ وہ ظلم و تشدد کی ان صورتوں کو برداشت کر رہے ہیں کیونکہ وہ ان ظالموں کے سامنے بے بس ہیں اور حکومت بے حس ہے، ورنہ ان کی چیرہ دستیائیں تو اتنی عام ہیں کہ خودکشی کرنے کو جی چاہتا ہے۔

کیا حکومت کو مردوں کی یہ ذلت و رسوائی نظر نہیں آتی؟ سرکاری اہل کاروں کا یہ ظلم و تشدد اس کے علم میں نہیں ہے؟ کیا ریاست کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ مردوں کے ان حقوق کا تحفظ کرے جن کو تمام سرکاری اداروں میں بیٹھے ہوئے فراعنہ نہایت بے دردی سے پامال کرتے ہیں؟

عورتوں پر ظلم و تشدد کی صورتیں تو قطعاً اتنی عام نہیں ہیں جتنا پروپیگنڈہ کے ذریعے سے باور کرایا جا رہا ہے لیکن اس کے سدباب کے لئے تو حکومت کی ”پھرتیاں“ ایک ناقابل فہم معمہ ہے، ہاں ایک پہلو قابل فہم ہے کہ یہ مغربی ایجنڈا ہے۔ لیکن ملک سے رشوت کا خاتمہ ہو، کرپشن کا انسداد ہو، عوام کے مسائل کے حل کے لئے کوئی آسان میکنزم تیار ہو، سرکاری اہل کاروں کی لوٹ کھسوٹ کا خاتمہ ہو جس نے عوام کی زندگی اجیرن بنا رکھی ہے۔ مغرب کو

۱. تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل ﴿﴾

چونکہ اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اس لئے مردوں کی عزت نفس کا یہ مسئلہ، جو حکومت کی ترجیحات میں سرفہرست ہونا چاہئے، حکومت مردوں کے اس اہم ترین مسئلے سے یکسر غافل ہے۔ ایس چہ بواجبی است

علاوہ ازیں کیا یہ ”صنفاً امتیازاً“ نہیں جس کی نفی آئین پاکستان میں کی گئی ہے کہ عورتوں کے مفروضہ ظلم و تشدد کے خلاف تو قانون سازی؟ لیکن مرد موجودہ نظام میں واقعہ اور حقیقتہً گوڈے گوڈے ظلم و تشدد میں ڈوبے ہوئے ہیں لیکن ان کی دادرسی کا اور ان کو ظلم سے بچانے کا کوئی اہتمام نہیں۔

﴿تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَى﴾ [النجم: 22]

دوسرا مفروضہ: بل میں دوسرا مفروضہ یہ کارفرما ہے کہ عورتوں پر ناجائز تشدد ہوتا ہے۔ پھر اس تشدد کی بھی مغربیت کی نقالی میں کئی صورتیں بیان کی گئی ہیں جس کی تفصیل ممکن ہو تو ہم ان شاء اللہ آگے چل کر بیان کریں گے۔

اول تو جسمانی تشدد کا مسئلہ بھی ایسا ہے کہ اسے مغربی ذہن نے، جو اس بل کی ایک ایک شق میں کارفرما ہے، ہوا بنا کر پیش کیا ہے اور مسلسل اس کا پروپیگنڈہ کیا ہے اور کر رہا ہے۔ حالانکہ یہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے جس طرح پیش کیا جا رہا ہے۔ بلکہ اس کا تعلق اصل میں حاکمیت اور قومیت سے ہے جو گھر کا نظام چلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مرد کو عطا کی ہے۔ اگر گھر کا نظام چلانے میں مرد اور عورت دونوں کو یکساں اختیارات دیے جاتے ہیں تو کبھی بھی گھر کا نظام خوش اسلوبی کے ساتھ نہیں چل سکتا تھا۔ جیسے کسی مملکت میں ایک کے بجائے دوسرے براہ (چیف ایگزیکٹو) ہوں۔ تو اس مملکت کا نظام نہیں چل سکتا۔ لازم ہے کہ

تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور مبادل حل ﴿﴾

چیف ایگزیکٹو ایک ہی ہو، اس کی بالادستی کو چیلنج نہ کیا جاسکتا ہو، باقی عہدے دار (گورنر، وزراء اور دیگر افسران اعلیٰ) سب اس کے ماتحت ہوں۔ یہی اختیارات کی مرکزیت نظام کائنات میں بھی، جب سے یہ کائنات معرض وجود میں آئی ہے، کارفرما ہے جس کی وجہ سے اتنی وسیع و عریض کائنات بغیر کسی ادنیٰ خلل کے چل رہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا، بلکہ تدبیر کائنات میں کسی اور کی بھی شرکت ہوتی تو سارا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ [الانبیاء: 22]

”اگر آسمان و زمین میں کئی معبود ہوتے تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو جاتا“

مرد اور عورت کو بنانے والا صرف اللہ ہے اور وہی ان کی فطرت، جذبات، میلانات کو جاننے اور سمجھنے والا ہے۔ جیسے کسی مشین کو موجد ہی سمجھتا ہے کہ وہ کس طرح صحیح طریقے سے کام کرے گی، اس کو کسی اور طریقے سے چلایا جائے گا تو وہ کبھی کامیابی سے نہیں چل سکے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو دو الگ الگ جنسوں کے طور پر پیدا فرمایا ہے۔ اور وہی جانتا ہے کہ ان دو جنسوں کا جب ملاپ ہوگا تو زندگی کا یہ ملاپ کس طرح کامیاب رہے گا اور انسانی زندگی کی یہ دو پہیوں والی گاڑی شاہراہ زندگی میں کس طرح اپنا سفر زندگی صحیح طریقے سے طے کر سکے گی اس کے لئے اس نے دونوں کے حقوق و فرائض بھی طے کر دیے اور تاکید کر دی کہ دونوں اپنے اپنے فرائض ادا کریں تاکہ دونوں کے حقوق ادا ہو جائیں۔ ان احکامات کی پابندی کی صورت میں دونوں کی زندگی نہایت خوش گوار ماحول میں گزرتی ہے۔ لیکن اگر عورت کی طرف سے نشوز کا اظہار ہو۔ جس کا مطلب ہے کہ مرد کی حاکمیت و بالادستی کو وہ چیلنج کرے اور خود بالادست بننے کی کوشش کرے تو یہ

۱. تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل

فطرت اور احکام الہی کے خلاف ہے، اس سے یقیناً گھر کا نظام خلل اور فساد کا شکار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں بطور علاج تین تدبیر اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

① عورت کو وعظ و نصیحت کے ذریعے سے سمجھایا جائے۔ (یہ کارگر نہ ہو تو)

② ان سے گھر کے اندر بسترا لگ کر لو (اس سے بھی وہ نہ سمجھے تو)

③ تو ان کی سرزنش کرو (ہلکی سے مار سے ان کو راہ راست پر لاؤ) (النساء: 35)

﴿واحد ہونہ﴾ (مارو) یہ اللہ کا حکم ہے۔ کسی مفسر، عالم یا فقیہ کا اجتہاد یا توضیح نہیں

صاف اور واضح حکم ہے۔ لیکن اس کا مطلب تشدد یا ظلم ہرگز نہیں، نہ اس کی اجازت ہی

ہے یہ اصلاح کے لئے ایک تادیبی حکم ہے اور تادیب و تنبیہ کا حق ہر سربراہ کو حاصل ہوتا

ہے۔ لیکن اس تادیبی حکم کا تعلق چونکہ میاں بیوی سے ہے جن کے درمیان فرمان رسول کی

رُو سے ایسی مثالی محبت ہوتی ہے جس کی کوئی نظیر نہیں۔ اس لئے حامل قرآن اور پیغمبر اسلام

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضرب (سرزنش) کی وضاحت فرمادی کہ یہ غیر مبرح ہو، یعنی ایسی مار کہ

جس سے اس کو نہ ایذا پہنچے اور نہ کوئی زخم ہو۔ اسی طرح چہرے سے اجتناب کیا جائے۔

علاوہ ازیں اس کی مزید حوصلہ شکنی کرتے ہوئے فرمایا کہ تادیب کے طور پر بھی ایسا کرنے

والے بہتر لوگ نہیں ہیں۔ مزید فرمایا کہ یہ کون سی دانش مندی ہے کہ صبح کو مارے اور رات

کو پھر اس کی آغوش محبت میں پناہ لے۔

چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ شاید ہی چند ہی صد گھرانے ایسے ہوں گے کہ جہاں عورت کو

اس قسم کی سرزنش سے واسطہ پڑتا ہو۔ ورنہ الحمد للہ بیشتر گھرانوں میں اس کی نوبت نہیں آتی

اور جہاں کہیں بھی اس کی نوبت آتی ہے تو اکثر و بیشتر اس کی وجہ عورت ہی کی

بدزبانی، بداخلاقی یا نافرمانی ہوتی ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کے اس تادیبی حکم اور اجازت کو ظلم

و تشدد سے تعبیر کرنا ہر لحاظ سے غلط بھی ہے اور خلاف واقعہ بھی۔ یہ وہ تشدد ہرگز نہیں جس کے لئے اتنی لمبی چوڑی قانون سازی کی گئی ہے یہ بلا جواز اور حکم قرآنی کے یکسر خلاف ہے۔

● اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے باہمی تعلق، ان کے مابین محبت و قربت اور ان کی پرائیویسی کو ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ﴾ [البقرہ: 187] کے نہایت بلیغ الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے کہ ”وہ عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو“ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ خانگی معاملات اور باہمی تنازعات، یہ ایسے معاملات نہیں ہیں کہ ان میں سوائے ناگزیر حالات کے کسی اور کو دخل دینے کی ضرورت ہو۔ وہ لباس کی طرح ایک دوسرے سے جڑے ہوئے، دوسرے تمام لوگوں سے بے نیاز ہیں۔

ان خانگی معاملات کو، جرائم بنا کر، پولیس کو ان میں مداخلت کا حق دینا، یا عورت کو یہ اختیار دینا کہ وہ فون کر کے مرد کو حوالہ پولیس کر دے۔ یہ قرآن کے مذکورہ پرائیویسی کے حکم کے بھی خلاف ہے اور یہ ایسی غیر دانش مندانہ تدبیر ہے کہ جو عورت بھی ایسا کرے گی وہ اپنے پیروں پر ہی کھلاڑی مارے گی۔ جب کوئی عورت مرد کی بالادستی کو چیلنج کرے گی تو کوئی بھی مسلمان مرد اتنا بے غیرت نہیں ہے وہ اس بے غیرتی کو برداشت کر لے۔ یہ صورت حال ایسی ہے جہاں بھی عورت کی حفاظت کے ٹھیکے داروں اور ٹھیکے داروں کی طرف سے بنائے ہوئے اس قانون کو کوئی عورت اختیار کرے گی تو مرد آخر مرد ہے، وہ گھر کا مالک ہے، عورت کا کفیل ہے، وہ اللہ کا بنایا ہوا گھر کا سربراہ ہے۔ وہ اس بے غیرتی اور بے بسی ولا چارگی کو کب برداشت کرے گا، وہ کڑا پہننے کے بجائے اپنا یہ لباس ہی اتار پھینکے گا، یعنی عورت ہی کو طلاق دے کر فارغ کر دے گا یعنی جب ان کو محب اور محبوب کے رشتے سے جدا کر کے ایک دوسرے کا دشمن قرار دے کر قانون ایک ہاتھ میں ہتھیار

تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل

دے کر دوسرے پر حملہ آور ہونے کا اختیار دے گا تو دوسرا بھی محب کے بجائے دشمن بن جائے گا اور اس کے ہاتھ میں خدائی اختیار۔ حق طلاق۔ ہے۔ وہ عورت کے دار کرنے سے پہلے ہی اپنا دار کر کے اس کا کام تمام کر دے گا، یعنی اس کو طلاق دے دے گا اور پولیس جو تھکڑی یا کڑا مرد کو لگانے یا پہنانے کے لئے آئے گی، مرد اس کو کہے گا اس عورت کو شیٹلر ہوم میں پہنچا دو، اس سے میرا اب کوئی تعلق نہیں ہے، میں نے اس کو طلاق دے کر اپنی زوجیت ہی سے خارج کر دیا ہے۔ یہ محض افسانہ سازی یا افسانہ سرائی نہیں ہے، یہ مستقبل کا وہ نقشہ ہے جو اس بل کے نفاذ کے بعد سامنے آئے گا۔

اور فرض کر لو کہ کوئی مرد اس بے غیرتی کو برداشت کرتے ہوئے اپنے آپ کو حوالہ پولیس کر کے چند روز کے بعد گھر سے بے گھر ہونا گوارا کرے گا تو اس کے پیچھے دو صورتیں ہوں گی۔

اس گھر میں اس کی بیوی کے ساتھ، مرد کی ماں، اس کی بیٹیاں، بھابھیاں وغیرہ بھی رہائش پذیر ہوں گی تو ماں سمیت ان عورتوں پر کیا گزرے گی، اور ان عورتوں کے دلوں میں اس خاتون کی کیا عزت باقی رہ جائے گی جس نے اپنے سر کے تاج کو پس دیوار زنداں دھکیل دیا؟

دوسری صورت، کہ اس گھر میں صرف میاں بیوی ہی رہنے والے ہوں گے، مرد کے گھر سے نکل جانے کے بعد اکیلی عورت کیا محفوظ ہوگی؟ اور اگر عورت بد کردار ہوگی تو اس تہائی کو کیا یادہ اسی طرح ”یوز“ نہیں کرے گی جس طرح مغربی عورت کرتی ہے۔ یہ صورت تو یقیناً اس بل کے خالقوں کے نزدیک ”آئیڈیل“ ہوگی کہ مسلمان عورت کو پاکستان میں

تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل

بھی وہ کھیل کھیلنے یا رنگ رلیاں منانے کا موقع میسر آئے جو مغرب میں عام ہے۔

ماشاء اللہ، چشم بد دور، کیا خوب تحفظ حقوق نسواں ہے؟

یہ ”خدمت“ اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

4۔ اسلام اللہ تعالیٰ کا دین ہے اور ہر طرح سے مکمل ہے جس کی تکمیل کا اعلان بھی

اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ کی آیت میں کیا ہے۔ لیکن بل کی ساری بنیاد اور اس کی ساری

شقیں اس مفروضے پر قائم ہیں کہ اسلام میں مرد و عورت کے باہمی تنازعات کا کوئی حل ہی

نہیں ہے۔ اب ساڑھے چودہ سو سال کے بعد اس ”خلا“ کے پر کرنے کی ”سعادت“

پنجاب حکومت کو حاصل ہو رہی ہے۔

کیا یہ مفروضہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ

دِينَكُمْ الْآيَةَ﴾ غلط ہے۔ اور اگر مفروضہ غلط اور اللہ کا فرمان صحیح ہے تو پھر یہ ساری قانون

سازی۔ ایس دفتر بے معنی، غرق مئے ناب اولیٰ۔ کی مصداق ہے۔

فرمان باری تعالیٰ یقیناً صحیح ہے، جو اس میں شک کرتا ہے وہ اپنے ایمان کی

خیر منائے۔ اللہ تعالیٰ نے خانگی زندگی کی استواری اور خوش گواری کے لئے اتنی ہدایات

اور ایسی اعلیٰ تعلیمات ہمیں دی ہیں کہ اگر دونوں میاں بیوی ان کا خیال رکھیں اور ان پر صحیح

معنوں میں عمل کریں تو نہایت خوش گوار زندگی گزرتی ہے اور گھر جنت کا نمونہ بن جاتا

ہے۔ اور اگر بوجہ عدم موافقت یا فریقین میں سے کسی ایک کے غلط رویے کی وجہ سے کچھ

اختلافات رونما ہو جائیں تو اس کا بھی بہترین حل قرآن کریم ہی میں بیان فرما دیا گیا ہے،

جن میں سے تین تدبیریں تو وہی ہیں جو پہلے مذکور ہوئیں۔ سمجھ دار عورت تو بغیر کسی ادراکی

مداخلت کے، بالعموم ان تداہیر ہی سے اپنا ردیہ درست کر لیتی ہے۔ لیکن اگر اس طرح مسئلہ حل نہ ہو تو دوسرا حل۔ چوتھی تدبیر کی صورت میں۔ یہ بیان فرما دیا کہ دو حکم (ثالث) ان کا فیصلہ کریں ایک میاں کے خاندان سے ہو، دوسرا بیوی کے خاندان سے۔ ساتھ ہی اللہ نے بیان فرما دیا کہ دونوں ثالث اگر صلح کرانے میں مخلص ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور مصالحت و مفاہمت کی صورت پیدا فرما دے گا۔ (النساء: 35) بصورت دیگر آخری چارہ کار کے طور پر پھر ان کے درمیان جدائی کرادی جائے گی۔ علماء نے اس کو توکیل بالفرقتہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یعنی اگر یہ ثالث صلح کرانے میں ناکام رہیں تو پھر یہ بطور وکیل ایک دوسرے کی جدائی کا فیصلہ کر دیں۔ یہ فیصلہ طلاق کے قائم مقام ہو جائے گا۔

⑤۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو طلاق کا حق دیا ہے۔ اور یہ حق پوری زندگی میں صرف دو مرتبہ ہے جس میں وہ رجوع کر سکتا ہے۔ اس حق کو بھی صرف اسی لئے محدود کیا گیا ہے کہ کوئی مرد عورت پر ظلم نہ کر سکے۔ ورنہ اسلام سے پہلے یہ حق غیر محدود تھا جس کی وجہ سے ایک شخص اگر چاہتا کہ وہ عورت کو نہ صحیح طریقے سے آباد کرے اور نہ اسے آزاد کرے کہ وہ کسی اور جگہ شادی کر لے، تو وہ یہ کرتا تھا کہ طلاق دیتا اور عدت گزارنے سے پہلے رجوع کر لیتا۔ یہ سلسلہ ظلم وہ جب تک چاہتا، جاری رکھتا تھا، اللہ تعالیٰ نے حق طلاق کی حد بندی کر کے اس ظلم کا انسداد کر دیا۔

دوسرا حکم یہ دیا کہ طلاق صرف ایک ہی دی جائے، وہ بھی اشتعال اور غصے میں نہیں کہ ذرا سا جھگڑا ہو اور طلاق دے دی۔ بلکہ اول تو طلاق کو سخت ناپسندیدہ عمل قرار دیا، تاہم بعض حالات میں چونکہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہوتا، اس لئے اس کی اجازت بھی عنایت

تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل

فرمائی۔ لیکن اس کا طریقہ یہ بتلایا کہ اگر نباہ کی کوئی صورت نہ بنے تو پھر عورت کے پاک ہونے کا انتظار کرو۔ اس طرح حالتِ طہر میں اس سے صحبت کئے بغیر صرف ایک طلاق دو۔ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ کے ساتھ کھلواڑ کرنا قرار دیا اور اس پر سخت برہمی کا اظہار فرمایا۔ اس طریقہ طلاق میں بڑی حکمت ہے۔ زیادہ طلاقیں جہالت کے علاوہ غصے اور اشتعال میں دی جاتی ہیں۔ اگر فوری طلاق نہ دی جائے بلکہ حیض سے پاک ہونے پر حالتِ طہر میں بغیر جنسی تعلق قائم کیے طلاق دینے کے وقت کا انتظار کیا جائے۔ تو پچاس فی صد طلاق کے واقعات ویسے ہی کم ہو جائیں گے۔ کیونکہ طہر کے انتظار تک غصہ اور اشتعال ختم ہو جاتا ہے اور طلاق دینے کی نوبت ہی نہیں آتی۔

تیسرا حکم یہ دیا کہ پہلی طلاق دینے کے بعد، اسی طرح دوسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد، طلاق کی عدت تین حیض یا تین مہینے ہیں، عدت کے ان ایام میں پہلی اور دوسری طلاق میں عورت کو گھر سے نہیں نکالنا۔ (سورۃ الطلاق) بلکہ وہ عدت، طلاق یافتہ ہونے کے باوجود بھی، خاوند کے گھر ہی میں گزارے۔ اس کی حکمت یہ بتلائی گئی ہے کہ شاید خاوند کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے، بیوی کے گھر ہی میں ہونے کی وجہ سے بیوی کی محبت اسے دوبارہ ملاپ پر مجبور کرے یا بچوں کے بے سہارا ہونے کا احساس اس کو اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کر دے، یا بیوی کی بے چارگی کا احساس اس کے اندر رحم و شفقت کا جذبہ بیدار کرے اور وہ رجوع کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

ایسی صورتوں میں پہلی اور دوسری طلاق میں خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہے اور یہ مرد کا ایسا حق ہے کہ عورت یا عورت کے گھر والوں کو انکار کرنے

کا حق نہیں ہے۔

ایک، ایک طلاق کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ پہلی دونوں طلاقوں میں اگر عدت گزرنے کے بعد، ان کے درمیان صلح کی صورت بن جائے تو بالافتقار دوبارہ نئے نکاح سے ان کا تعلق بحال ہو سکتا ہے۔

اگر پہلی اور دوسری طلاق میں، جیسا کہ وہ اللہ کا حکم ہے (سورۃ الطلاق) عورت خاوند ہی کے گھر میں رہے تو اس سے بھی طلاقوں کے بعد بھی پچاس فی صد گھرا جڑنے سے محفوظ رہ سکتے ہیں اور جدائی کے لمحات جلد ہی ملاپ میں بدل سکتے ہیں۔

اس تفصیل سے مقصود یہ بتانا ہے کہ شریعت میں میاں بیوی کے تعلق کو اتنی اہمیت اور طلاق کے باوجود ان کی قربت کا ایسا اہتمام کیا گیا ہے کہ یہ فراق جلد ہی وصال میں اور نفرت محبت میں تبدیل ہو جائے اور ٹوٹا ہوا رشتہ دوبارہ بحال ہو جائے۔

اس تفصیل سے ایک دوسرا پہلو یہ بھی واضح ہوا کہ اس قرآنی حکم کی روح اور خود ساختہ بل کی روح میں کس طرح بعد المشرقین ہے۔ روح قرآنی یہ ہے کہ اختلاف اور کشیدگی، حتیٰ کہ طلاق کے باوجود بھی، میاں بیوی کے درمیان کشیدگی کو ختم کیا جائے اور ان کو دوبارہ باہم جڑنے کے مواقع مہیا کیے جائیں۔ اور مغربی روح میں ڈوبے ہوئے بل کی روح یہ ہے کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے سے اتنا دور کر دیا جائے اور ان کے درمیان نفرت کی ایسی دیوار کھڑی کر دی جائے کہ عدم طلاق کے باوجود ان کا ملاپ ناممکن ہو جائے۔ بل میں اس کا مکمل اہتمام کیا گیا ہے۔ ایک تو مرد کو گھر سے باہر نکال کر شیلٹر روم میں بھیجنا، اس کی مردانگی اور غیرت کو چیلنج کرنا، پھر ان کو آپس میں بالکل قریب نہ آنے دینا کہ کہیں یہ

— ﴿﴾ — تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل ﴿﴾ —

دونوں باہم مل کر تلافی اور ازالہ کا اہتمام نہ کر لیں اور یوں ان کے درمیان صلح ہو جائے۔
اندازہ کیجئے کہ اس بل کے اندر کس طرح شیطانی روح کو مکمل طور پر گھسیٹ دیا گیا ہے
کہ میاں بیوی کے ملاپ کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ
شیطان اپنے اس چیلے کو اس کی اس ”حسن کار کردگی“ پر سب سے زیادہ شاباشی دیتا ہے جو
آکر اس کو یہ رپورٹ دیتا ہے کہ آج میں نے فلاں میاں بیوی کے درمیان جدائی کروادی ہے۔
یہ بل نافذ ہو گیا تو مغرب کا شیطان بھی اپنے پاکستانی چیلوں کے اس کارنامے پر بڑا
خوش ہوگا کہ انہوں نے بھی اس بل کے ذریعے سے پاکستان کے خاندانی نظام کو تباہ کرنے
کا پورا ”سرد سامان“ مہیا کر دیا ہے۔ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کند
اس کے باوجود ہٹائی اور دیدہ دلیری کی انتہا ہے کہ کہا جا رہا ہے کہ بتلاؤ، اس کی کون
سی شق خلاف اسلام ہے۔ سچ ہے ع

مستند ہے ان کا فرمایا ہوا
واقعی بل بنانے والے جس ”اسلام“ کو جانتے ہیں، اس کی رو سے اس کی ایک ایک
شق ”اسلامی“ ہے، کیونکہ ان کے اسلام میں مرد و عورت کے درمیان حجاب نہیں ہے۔
رقص و سرور و تفریح ہے، موسیقی روح کی غذا ہے۔ فلموں، ڈراموں اور ٹی وی پروگراموں
میں جو حیا یا محنت تہذیب رات دن پیش کی جا رہی ہے، وہ اسلامی تعلیمات کا ”اعلیٰ نمونہ“
ہیں۔ مخلوط تعلیم ناگزیر ہے، عورتوں کا مردوں کے دوش بدوش ملکی ترقی میں اور زندگی کے ہر
شعبے میں حصہ لینا بھی نہایت ضروری ہے۔ وغیرہ وغیرہ

تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل

جن کا ”اسلام“ یہ ہے تو ان کا بنایا ہوا بل غیر اسلامی کس طرح ہو سکتا ہے؟ علماء بے چارے چونکہ اس ”اسلام“ سے نا آشنا ہیں اس لئے وہ اس کے غیر اسلامی ہونے کی دہائی دے رہے ہیں۔ دونوں اپنی اپنی جگہ سچے ہیں، کیونکہ دونوں کا اسلام ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

بنابریں پہلے یہ واضح ہونا چاہئے کہ حکومت کی سرپرستی میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اسلام ہے یا اسلام وہ ہے جو قرآن مجید کی شکل میں نازل ہوا، اور صاحبِ وحی، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی توضیح و تفسیر۔ قوی اور عملی صورت میں۔ فرمائی اور آج وہ قرآن و حدیث میں محفوظ ہے۔

علماء تو صرف اسی کو اسلام سمجھتے اور جانتے ہیں جو قرآن و حدیث میں محفوظ ہے۔ اور یہ بل سراسر اس کے خلاف ہے جیسا کہ اللہ کی توفیق سے اس کی ضروری تفصیل ہم نے پیش کر دی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

وزرائے کرام، بل کے بانیان عظام، لیڈیاں ذی احترام مل کر پڑھیں

.... تو مینڈیش زغوغائے رقیباں

کہ آواز ”علماء“ کم نہ کند رزق ”وزراء“

بطور نمونہ تنازعات کا جو خود ساختہ لمبا چوڑا حل، بل میں پیش کیا گیا ہے، اس میں لیڈی افسران کا تقرر ہے، عدالتوں کا قیام ہے، شیلٹر ہومز کی تعمیرات ہیں، پولیس کی دارو گیر ہے اور گھر کے حاکم اعلیٰ کی تذلیل و توہین ہے، اسے کڑا پہنانا ہے اور پتہ نہیں کیا کچھ ہے۔ اور وہ صرف عورت کے کہنے پر بغیر ثبوت اور بغیر گواہوں کے۔ اس کے مقابلے میں اللہ کا بیان

— ﴿﴾ تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل ﴿﴾ —

کردہ طریقہ کتنا آسان اور مختصر ہے۔

گویا۔ ہلدی لگے نہ پھٹکڑی، رنگ چوکھا آئے۔ کے مصداق

کیا اس کے باوجود بل بنانے والوں کا یہ کہنا کہ اس بل میں کوئی چیز خلاف شریعت نہیں ہے، صحیح ہے؟ سارا طریق کار اللہ کے بیان کردہ طریقے سے یکسر خلاف ہے، پھر بھی دعویٰ ہے کہ اس میں شریعت کے خلاف کچھ نہیں ہے۔

وہی قاتل وہی شاہد وہی منصف ٹھہرے

اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

بہر حال بل کے یہ چند بنیادی نکات ایسے ہیں جن کے رو سے یہ واضح ہے کہ یہ سارا بل الف سے لے کر ی تک قرآنی احکام اور نصوص شریعت کے یکسر خلاف ہے۔ اس کے بعد اس کی ایک ایک شق پر بحث یکسر غیر ضروری ہے۔ تاہم اگر ضروری ہو تو اس کی لغویت کو شق وار بھی واضح کر دیا جائے گا بعون اللہ توفیقہ

﴿وَإِنْ تَعُوذُوا أَعُدَّ وَلَنْ تُغْنِي عَنْكُمْ شَيْئًا وَلَا تَكُنْتُمْ﴾ [الانفال: 19]

عورت کے اصل مسائل اور ان کا حل ﴿﴾

حمایت کنندگان، یا بانیان بل کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ علماء اس کی مخالفت تو کر رہے ہیں لیکن کوئی متبادل حل پیش نہیں کر رہے ہیں، تو بات دراصل یہ ہے کہ بل میں جو مسائل پیش کیے گئے ہیں، وہ عورت کے اصل مسائل ہیں ہی نہیں۔ سارے بل کی عمارت مفروضوں پر کھڑی کی گئی ہے، اس لئے یہ بل

نخست اول چوں نہد معمار کج

تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل

تاریخی رو دیوار کج

کا آئینہ دار اور مصداق ہے، یا ہمارے اردو محاورے کی رو سے کہا جاسکتا ہے۔

اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدی

اس کی کوئی شق بھی صحیح نہیں۔ البتہ اس میں میاں بیوی کے تنازعے کا ذکر ہے، یہ مسئلہ یقیناً موجود ہے لیکن اس کا جو بقراطی حل بل میں پیش کیا گیا ہے، وہ اتنا غلط ہے کہ اس سے عورت کو قطعاً کوئی تحفظ نہیں ملے گا، بلکہ وہ یکسر غیر محفوظ ہو جائے گی اور خاندان اور خاوند کی ہمدردیوں سے محروم ہو کر صرف حکومت کے رحم و کرم کی محتاج ہو کر رہ جائے گی۔ یہ اس کا تحفظ ہے یا اس کی بربادی؟

خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا خرد

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بہر حال اگر حکومت عورت کے تحفظ میں مخلص ہے اور یہ واقعہ اس کی ذمے داری بھی ہے، گو وہ ذمے دار سب ہی طبقوں کے تحفظ کی ہے، جیسا کہ ہم نے عرض کیا۔ علمائے اسلام عورت سمیت تمام طبقوں کا تحفظ چاہتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ علماء عورت کے ان حقوق کا تحفظ چاہتے ہیں جو اسلام نے اسے دیے ہیں کیونکہ وہ بجا طور پر سمجھتے ہیں کہ عورت کا تحفظ اسلام کے عطا کردہ حقوق ہی کے ذریعے سے ممکن ہے۔ اس سے انحراف کر کے عورت کے حقوق کا تحفظ نہیں، اس کی ہلاکت ہی کا سامان کیا جاسکتا ہے۔

حکومت کو عورت کے ان اسلامی حقوق سے، جو اس کی حفاظت کے اصل ضامن ہیں، کوئی غرض نہیں۔ وہ صرف ان نسوانی حقوق کا تحفظ چاہتی ہے جو مغرب کے حیا باختہ

معاشرے میں مغربی عورت کو حاصل ہیں۔

وہ اسباب جن کی وجہ سے عورت کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یا وہ مردوں کے ظلم و ستم کا شکار ہوتی ہے، حسب ذیل ہیں:

① سب سے اہم سبب اسلامی تعلیم و تربیت کا فقدان اور اخلاقیات سے محرومی ہے اور یہ کمی ایسی ہے کہ ہم کسی ایک فریق کو اس کا ذمے دار قرار نہیں دے سکتے۔ اس فقدان اور محرومی میں مرد اور عورت دونوں یکساں ہیں۔ اسی لئے کبھی زیادتی مرد کی طرف سے ہوتی ہے اور عورت کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کبھی مرد کی طرف سے اس قسم کا اقدام ہوتا ہے، جس سے عورت کو ناخوشگوار صورت حال سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اس کا سبب عورت ہی کی غلطی یا نا سمجھی ہوتا ہے۔ اس لئے ہر حال میں مرد ہی کو ظالم یا سزا وار سزا سمجھنا غلط اور یکسر خلاف واقعہ ہے اور عدل و انصاف کے مسلمہ اصولوں کے بھی خلاف ہے۔ اس بل میں سب سے بڑی غلطی یہی ہے کہ صرف مرد کو ہر صورت میں ظالم فرض کر لیا گیا ہے اور سزا کا اہتمام بھی صرف اسی کے لئے ہے۔ قطع نظر اس سے کہ جرم کی نوعیت کیا اور اس کا سبب کیا ہے؟ اس میں خطا کار مرد ہے یا عورت؟ یا دونوں ہی اس کے ذمے دار ہیں؟ علاوہ ازیں مرد کے خلاف ساری کاروائی صرف متاثرہ (عورت، بیٹی، بہن، بیوی) کے بیان پر بغیر ثبوت اور بغیر گواہوں کے ہوگی۔ اور ”مدعا علیہ“ (مرد) میں خاوند کے علاوہ باپ اور بھائی وغیرہ بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خاوند کے علاوہ باپ بھی بیٹی سے، بڑا بھائی بھی اپنی بہن سے اس کی کسی غلطی یا بے راہ روی پر باز پرس کر سکتا ہے، ڈانٹ ڈپٹ کر سکتا ہے اور بل میں اس تا دہی اور اصلاحی کاروائی کو بھی ”تشدّد“ قرار دیا گیا ہے، کیونکہ ایسا کرنا گو اسلام کی رو سے تو جائز

تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل

ہے، لیکن مغرب میں یہ واقعی ایسا جرم ہے کہ بیٹی یا بیوی فون کے ذریعے سے پولیس کو بلوا کر باپ یا شوہر کو گھر سے نکلوا کر جیل بھجوا سکتی ہے۔
بات پھر بل کی طرف چلی گئی کیونکہ بل ایسی کشش ثقل کا حامل ہے کہ فیصل آباد کے گھنٹہ گھر کی طرح، جدہ ہر دیکھو تو وہی تو ہے، والا معاملہ ہے۔

بات تربیتی فقدان، اسلامی تعلیمات کے عدم شعور اور اخلاق سے محرومی کی ہو رہی تھی، اس کی عامۃ الورد و مثال طلاق کی ہے۔ بلاشبہ بہت سے مرد جہالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے معمولی سے لڑائی جھگڑے پر طلاق دے دیتے ہیں اور طلاق بھی ایک ہی سانس میں تین مرتبہ۔ جن سے علمائے احناف کے نزدیک طلاق بتہ ہو جاتی ہے اور گھرا جڑ جاتا ہے، میاں بیوی کے خوار ہونے کے علاوہ بچوں کا مستقبل بھی تاریک ہو جاتا ہے۔

لیکن یہ سمجھنا خلاف واقعہ ہے کہ اس جہالت اور حماقت کا مظاہرہ صرف مرد ہی کی طرف سے ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ بلکہ بسا اوقات اس میں عورت کی بدزبانی اور بد اخلاقی اور نا سمجھی کا دخل ہوتا ہے اور وہ ذرا سی بات پر طلاق کا مطالبہ کرتی ہے۔ مرد ٹالنے اور درگزر کرنے کی بات کرتا ہے۔ لیکن وہ نا سمجھی میں اتنا اصرار کرتی ہے کہ مرد کو، نہ چاہتے ہوئے بھی، طلاق دینی پڑ جاتی ہے۔ اور پھر وہ ایک مرتبہ تین طلاقیں۔ اس صورت حال کا حل کئی اقدامات کا متقاضی ہے۔

① حکومت کی طرف سے اسلامی تعلیم و تربیت کا سرے سے کوئی اہتمام ہی نہیں ہے۔ نہ مردوں کے لئے اور نہ عورتوں کے لئے۔ تعلیم و تربیت انسان کو حوصلہ مند بناتی اور عزم و حوصلہ کے ساتھ مسائل و مشکلات کا سامنا کرنا سکھاتی ہے، بالخصوص جلد بازی میں فیصلہ کرنے سے روکتی ہے۔ اور طلاق کے فیصلے اکثر عجلت، بے صبری، عدم برداشت

اور بد اخلاقی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ حکومت میاں بیوی کے حقوق اور ذمے داریوں پر مبنی اسلامی تعلیمات کو میٹرک کے بعد نصاب کا حصہ بنائے اور اخبارات اور ٹی وی پر دیگر امز کے ذریعے سے بھی ان کو نشر کر دائے۔

(2) بالخصوص اسلامی طریقہ طلاق کو، جس کی وضاحت، گزشتہ صفحات میں کی گئی ہے، زیادہ سے زیادہ اس کی نشر و اشاعت کی جائے اور اسے نصاب تعلیم میں شامل کیا جائے۔

(3) ایک ہی مرتبہ تین طلاقوں کو جرم قرار دیا جائے، جو عرضی نو بیس یا وکیل طلاق نامہ لکھے، ان کو بھی صرف ایک طلاق لکھنے کا پابند اور ان کے لئے بھی بیک وقت تین طلاقیں لکھنے کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے۔ یہ سفارش اسلامی نظریاتی کونسل بھی کر چکی ہے۔

(4) اس غلط فہمی کا وسیع پیمانے پر ازالہ کیا جائے کہ طلاق کے لئے تین مرتبہ۔ طلاق، طلاق، طلاق۔ کہنا یا میں۔ طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔ کہنا ضروری نہیں ہے بلکہ اگر کوئی صرف یہ کہتا ہے کہ میں طلاق دیتا ہوں، یا تجھے طلاق ہے۔ تو اس طرح ایک مرتبہ ہی طلاق کے لفظ سے طلاق ہو جاتی ہے اور تین حیض یا تین مہینے تک رجوع نہ کرنے کی صورت میں طلاق بائنہ ہو جاتی ہے۔ یعنی میاں بیوی والا تعلق ختم ہو جاتا ہے، اس کے بعد عورت آزاد ہے کہ اپنے ولی کی اجازت اور رضامندی سے جہاں چاہے نکاح کرے۔

یہ طلاق کا وہ شرعی طریقہ ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ طلاق دینے کے بعد اگر مرد کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو وہ عدت کے اندر رجوع کر کے دوبارہ اس کو اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے۔ اور عدت گزرنے کے بعد اگر صلح کی کوششیں کامیاب ہو جاتی ہیں تو نئے نکاح کے ذریعے سے یہ دوبارہ تعلق زوجیت میں جڑ

سکتے ہیں۔ اور یہ بھی ایسا مسئلہ ہے جو اتفاقی ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔
 فقہی اختلاف اس وقت سامنے آتا ہے جب طلاق کا غیر شرعی طریقہ۔ ایک ہی مرتبہ
 تین طلاقیں۔ اختیار کیا جاتا ہے۔ اور اس اختلاف کی وجہ سے ان کا دوبارہ باہم ملاپ
 تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے الایہ کہ وہ حلالہ مروجہ کیا جائے جس کا بعض علماء فتویٰ دے دیتے
 ہیں، حالانکہ اسلام میں اس کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے۔ علاوہ ازیں کوئی غیرت مند مرد
 اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں یہ خود ساختہ فتویٰ جس طرح نقل (شرعی دلائل) کے
 خلاف ہے، اسی طرح عقل کے بھی خلاف ہے کہ جرم کرنے (بیک وقت تین طلاقیں
 دینے) والا مرد ہوتا ہے لیکن سزا عورت کو بھگتنی پڑتی ہے کہ وہ چند راتوں کے لئے کرائے
 کے سائڈ کے حوالے کر دی جاتی ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ یاد رہے کہ ”کرائے کے سائڈ“
 کے الفاظ رسول اللہ ﷺ کے فرمائے ہوئے ہیں۔ حدیث کے اصل عربی الفاظ
 ہیں: ”التیس المستعار“

(5) یا اس کا دوسرا حل، جو شرعی ہے، یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق
 (رجعی) شمار کیا جائے، اس صورت میں بھی پھر عدت کے اندر رجوع کرنا اور عدت
 گزر جانے کے بعد (بغیر حلالہ مروجہ کے) نکاح کرنا جائز ہے۔ اس کے اہل حدیث
 کے علاوہ کئی ائمہ اعلام (امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم وغیرہ) اور بعض صحابہ و تابعین اور
 دیگر متعدد اہل علم قائل ہیں۔ شرعی دلائل بھی اس کی تائید میں موجود ہیں۔ علاوہ
 ازیں پاک و ہند کے متعدد علمائے احناف (دیوبندی و بریلوی) حالات کے پیش نظر
 اس کے قائل ہیں، جس کی تفصیل اور ان کے فتاویٰ اور مضامین راقم کی کتاب میں
 موجود ہیں، یہ کتاب ”ایک مجلس کی تین طلاقیں اور اس کا شرعی حل“ کے نام سے مطبوع ہے۔

تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل

دیگر علمائے احناف بھی اگر مسئلہ طلاق میں یہی موقف اختیار کر لیں تو عورتوں کی مشکلات کے حل میں، جو بیک وقت تین طلاقیں کی تین ہی شمار کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، کافی مدد مل سکتی ہے۔

اس کی ایک نظیر بھی موجود ہے کہ زوجہ مفقود الخبر کا کوئی معقول حل فقہ حنفی میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے متحدہ ہند میں عورتوں کے لئے بڑی مشکلات تھیں تو مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم نے امام مالک کی رائے کو نہ صرف اختیار کیا بلکہ کبار علمائے احناف سے بھی اس کی تائید میں فتاویٰ حاصل کیے۔ اور یہ سارے فتاویٰ انہوں نے ایک کتاب - الحلیۃ الناجزہ فی الحلیۃ العاجزہ - میں شائع کر دیے، یہ پون صدی (75-80 سال) قبل کی بات ہے اس کتاب کا نیا ایڈیشن - ادارۃ اسلامیات لاہور - نے شائع کیا ہے جس کے دیباچے میں مولانا تقی عثمانی صاحب کا یہ اعتراف ہے کہ عورتوں کی بہت سی مشکلات کا حل فقہ حنفی میں نہیں ہے۔

اس اعتراف کی روشنی میں پون صدی قبل کی اپنے اکابر کی نظیر کو سامنے رکھتے ہوئے اور ان کے طرز عمل کو اپناتے ہوئے اگر موجودہ علمائے احناف بھی بیک وقت تین طلاقیں کے ایک طلاق ہونے والے مسلک کو اختیار کر لیں، تو جاہلانہ طلاق کا نہایت آسان حل نکل آتا ہے اور طلاق کے باوجود 80 فی صد گھرانے اجڑنے سے بچ سکتے ہیں۔

{6} طلاق کا جو صحیح اور شرعی طریقہ ہے، اسے اخبارات وغیرہ میں۔ اور اسی طرح ایک وقت میں تین طلاقیں کے دینے کو قابل تعزیر جرم ہونے کو، حکومت کی طرف سے اشتہار کے طور پر صفحہ اول پر شائع کرایا جائے۔

۱. تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل

اگر حکومت اور دیگر این، جی، اوز واقعی عورتوں کی مشکلات کے حل میں مخلص ہیں تو حکومت اپنے کارناموں کی تشہیر میں کروڑوں روپے قومی خزانے سے خرچ کرتی ہے۔ تو کیا وہ اس اہم مسئلے پر، جس سے 80 فی صد گھرانے اجڑنے سے بچ سکتے ہیں، چند کروڑ روپے سالانہ قومی خزانے سے اس مدد کے لئے مخصوص نہیں کر سکتی؟ یہ حکومت کے اخلاص کا اور عورتوں کے مسائل کے حل میں اس کو کتنی دلچسپی ہے، اس کا امتحان اور ٹیسٹ کیس ہے۔

عورتوں کی مشکلات کا ایک اور قرآنی حل۔ محلہ وار پنچائتیں

یہ حل قرآن کریم کی سورۃ النساء، آیت نمبر 35 میں بیان کیا گیا ہے جس کی طرف ہم پہلے بھی اشارہ کر آئے ہیں۔ اس کی رو سے محلوں کی سطح پر، پنچائتی نظام کا قیام ہے، اسے کونسلروں اور ناظموں کے ذریعے سے بھی بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔ یونین کونسلیں پہلے بھی اس سلسلے میں کچھ کام کرتی آرہی ہیں، ان کو مزید فعال بھی کیا جائے اور کچھ اختیارات بھی دیے جائیں تاکہ عدالتوں پر بھی بوجھ نہ بڑھے اور عوام بھی عدالتی چارہ جوئی کے بجائے، جو لمبا بھی ہے اور مہنگا بھی، اپنے علاقے ہی میں ان پنچائتوں کی طرف رجوع کریں۔ یہ پنچائتیں پہلی اور دوسری طلاق میں صلح کرانے کی کوشش کریں جس کی گنجائش عدت کے اندر، یعنی تین مہینے تک، موجود ہے۔ نیز عدت گزرنے کے بعد بھی نکاح جدید کے ذریعے سے ٹوٹا ہوا تعلق دوبارہ قائم ہو سکتا ہے، اگر یہ پنچائتیں مخلصانہ کوشش کریں۔

یہ قرآنی حل اور طریقہ اس طریقے سے ہزار درجے بہتر ہے جو بل میں تجویز کیا گیا ہے جو اس قرآنی حل کے برعکس شیطانی حل ہے۔ اس میں کوشش کی گئی ہے کہ میاں بیوی کے درمیان کسی طرح بھی غلط فہمیاں دور نہ ہوں اور دوبارہ جڑنے کی کوئی صورت نہ رہے۔

تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل

★ فیملی عدالتوں کو مزید فعال اور ان کو ایک معین مدت تک فیصلے کرنے کا پابند بنایا جائے۔ تاکہ جو عاقلی تنازعات، پنچاستوں کے ذریعے سے حل نہ ہو سکیں، عدالتوں سے ان کو فوری ری لیف مل جائے۔ جیسے خلع، طلاق کے بعد بچوں کی تحویل، نان و نفقہ، وراثت وغیرہ کے مسائل ہیں۔

★ اگر حکومت پنچائتی نظام کو صحیح معنوں میں قائم کر دے اور ان کو مناسب اختیارات بھی دے دیے جائیں تو یہ سارے مسائل محلوں کی سطح پر، عدالتوں کی طرف رجوع کیے بغیر ہی، حل ہو سکتے ہیں۔ مسئلہ صرف اخلاص اور عزم و ہمت اور قرآن سے رہنمائی حاصل کرنے کا ہے۔ اور اگر مغرب ہی کی نقالی یا ان کی خوشنودی یا ان سے فنڈ لینا مقصود ہے تو پھر بات اور ہے۔ لیکن نہ نقالی سے عورت کے مسائل حل ہوں گے اور نہ فنڈز کے حصول سے۔ عورت کی مشکلات جوں کی توں رہیں گی بلکہ علم نجوم میں مہارت کے بغیر یہ پیش گوئی کی جاسکتی ہے کہ ان میں اضافہ ہی ہوگا۔ گو ہماری خواہش اور دعائو یہی ہے کہ ایسا نہ ہو لیکن غلط طریق کار کے غلط نتائج کو محض آرزوں اور تمناؤں سے نہیں روکا جاسکتا۔

★ جہیز کی لعنت کا نہایت سختی سے خاتمہ کیا جائے، اب تک کی بعض نیم دلانہ کوششوں سے اس رسم بد کے خاتمے میں کوئی مدد نہیں مل سکی۔ ضرورت ہے کہ اس محاذ پر بھی حکومت سنجیدگی سے کوشش کرے۔ اس لعنت کی وجہ سے بھی بہت سی عورتوں کو متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

★ عورت کی وراثت کا مسئلہ ہے۔ اس کے لئے ایسی قانون سازی کی جائے کہ کسی کو بھی عورت کو باپ کی جائیداد سے محروم کرنے یا محروم رکھنے کی جرأت نہ ہو۔ اگر اس قسم

— ﴿﴾ — تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور مبادل حل ﴿﴾ —

کے کیس عدالتوں میں جائیں تو اس کے لئے بھی عدالتوں کو ایک معین مدت کے اندر فیصلہ کرنے کا پابند کیا جائے۔ عدالتی نظام کی متعدد خامیوں کی وجہ سے جو تاخیری حربے اختیار کیے جاتے اور سالہا سال تک عورتوں کو اپنا حق لینے کے لئے جن جاں گسل مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، وہ شدید ظلم کی ایک صورت ہے جس سے عورت کو نجات دلانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

★ میٹرنٹی ہوم (زچے بچے کی سہولتیں) عام کی جائیں اور ہر محلے میں یہ نہ صرف قائم کیے جائیں بلکہ تربیت یافتہ اسٹاف ان میں متعین ہو اور دیگر سہولتوں کا انتظام ہو۔ یہ عورت کے لئے موت و حیات کی کشمکش کا سنگین مرحلہ ہوتا ہے، اس مرحلے میں عورت کے لئے سہولتیں مہیا کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری اور اس سے پہلو تہی کرنا عورت پر سخت ظلم ہے جو عورت کیلئے ہمدردی ظاہر کرنے والی حکومت کے لئے ناقابل معافی ہے۔

★ معاشرے میں جو عورتیں مطلقہ یا بیوہ ایسی ہوں کہ ان کی کفالت کرنے والا کوئی نہ ہو، ان کے لئے شیلٹر ہوم بنانے کا شوق پورا کر کے ان کی آبرو مند انہ کفالت کا انتظام کیا جائے۔

★ کار و کاری کا سدباب کیا جائے۔ اس کا ارتکاب بڑے جاگیردار، تھمن دار، ڈیڑے قسم کے لوگ کرتے ہیں۔ اپنی زمینوں، جاگیروں وغیرہ کو بچانے کے لئے نوجوان بچیوں کی شادیاں قرآن کریم سے کرنے کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ بھلا قرآن کریم سے بھی کسی کا نکاح ہو سکتا ہے۔ یہ ڈیڑے اس ملک میں اس طرح عورت پر ظلم کرتے ہیں۔ کون سا عالم ہے جو اس ظلم کی حمایت کرتا یا حکومت کو اس کے سدباب کے لئے قانون سازی سے روکتا ہے؟

★ اس طرح ڈٹی کی جاہلانہ اور ظالمانہ رسم ہے کہ اپنے ناجائز ظلم کے بدلے میں کم سن بچیوں کی شادیاں بوڑھوں کے ساتھ کر کے اور معصوم بچیوں پر ظلم کر کے اپنے ظلم کا ازالہ کرتے ہیں۔ اس کے خلاف قانون سازی کریں کون سا عالم اس ظلم کی حمایت کرتا ہے؟

★ غیرت کے نام پر قتل کے خلاف سخت قانون بنائیں۔ کوئی عالم غیرت کے نام پر قتل کو جائز قرار نہیں دیتا۔ چند روز قبل ہیومن رائٹس آف پاکستان کی رپورٹ اخبارات میں شائع ہوئی ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ 2015ء میں 1100 عورتیں غیرت کے نام پر قتل ہوئیں۔ جنسی تشدد میں بھی اضافہ ہوا جس میں بچے اور بچیاں اس کا شکار ہوئیں۔

اس کے اسباب کا بھی خاتمہ فرمائیں جو بالکل واضح ہیں کہ نوجوان نسل ٹی وی کے فحش اور عشقیہ فلمیں اور ڈرامے دیکھ کر نہایت تیزی سے بے راہ روی کا شکار ہو رہی ہے، اس کے نتیجے میں ہی ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں کہ بعض لوگ ان کو دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پاتے اور غیرت میں آ کر اپنی ہی بیٹی، بہن یا بیوی کو قتل کر دیتے ہیں۔ یہ کام اگرچہ اسلامی غیرت ہی کا مظہر ہے تاہم نہ اسلام میں، اس قتل غیرت کی اجازت ہے اور نہ کوئی عالم ہی اس کی حمایت کرتا ہے۔

★ اسی طرح جنسی تشدد بھی نہایت وحشیانہ حرکت ہے جس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، اس کی وجہ بھی ٹی وی پروگرام اور فلمیں وغیرہ ہیں۔

ان کے اسباب کا خاتمہ اور اس قسم کے واقعات کے سدباب کے لئے قانون سازی یا

— ﴿﴾ — تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل ﴿﴾ —

موجودہ قوانین پر عمل داری یہ کس کا کام ہے؟ حکومت کے سوا یہ کام کون کر سکتا ہے؟
حکومت اپنی یہ ذمہ داری کیوں پوری نہیں کرتی؟

★ عورت کے چہرے پر تیزاب پھینک کر اس کو مردوں کے لئے ناقابل قبول بنانا، نہایت سنگ دلانہ حرکت اور عورت پر بڑا ظلم ہے۔ علماء تو کہتے ہیں کہ فوجداری قانون میں اس قسم کے کاموں کی سزائیں موجود ہیں۔ ان کو نافذ کریں بلکہ اسلام کے قانون قصاص پر عمل کرتے ہوئے ایسے ظالم مردوں کے چہروں کو بھی تیزاب سے ٹھلسادیں۔ پھر دیکھیں کہ کوئی مرد اس ظلم کا ارتکاب کرتا ہے؟ ہمیں سو فی صد یقین ہے کہ اس قانون قصاص پر عمل کی برکت سے ان شاء اللہ اس جرم کا سو فی صد سدباب ہو جائے گا۔

★ مخلوط تعلیم کا خاتمہ کر کے خواتین کے لئے الگ تعلیمی ادارے (کالج اور یونیورسٹیاں) قائم کیے جائیں یہ بھی مسلمان عورت کا ایسا حق ہے کہ جس کا پورا کرنا ایک مسلمان مملکت کا فرض منصبی ہے۔ اس کے بغیر عورت کو مردوں کی ہوس کاری سے بچانا ناممکن ہے۔
21 فروری 2016ء کے روزنامہ ”جنگ“ لاہور میں ایک امریکی ادارے کی رپورٹ شائع ہوئی ہے جو بشمول ہاروڈ یونیورسٹی امریکہ کی 27 نامور یونیورسٹیوں کے سروے پر مبنی ہے۔ اس میں مخلوط تعلیم کے نتیجے میں طالبات جس کثرت سے جنسی حملوں کا شکار ہوتی ہیں، اس کی تفصیل ہے۔ یہ ان کے لئے نہایت چشم کشار پورٹ ہے جو پاکستان میں مغربی ایجنڈے کے مطابق مخلوط تعلیم کو مسلط کیے ہوئے ہیں۔ یہ رپورٹ الگ منسلک ہے۔

★ اسی طرح عورتوں کے لئے نصاب تعلیم بھی مردوں سے الگ مرتب کیا جائے تاکہ

مسلمان عورتیں اپنے مقصد تخلیق اور فطری صلاحیتوں کے مطابق زیادہ بہتر طریقے سے ملک و قوم کی خدمت کر سکیں۔ علاوہ ازیں ان کے لئے چند شعبے بھی مخصوص کیے جاسکتے ہیں جن کی وہ تعلیم و تربیت حاصل کریں اور وہاں وہ مردوں سے الگ رہ کر خدمات سرانجام دیں۔ مثلاً تعلیم کا شعبہ ہے، طب (میڈیکل) کا شعبہ ہے، اسی طرح اور بہت سے شعبے ایسے ہو سکتے ہیں جہاں وہ ستر و حجاب کی پابندی کے ساتھ مفوضہ فرائض انجام دیں۔

امریکہ کے مخلوط اعلیٰ تعلیمی اداروں کی بابت امریکی ادارے کی سروے رپورٹ

امریکی یونیورسٹیوں میں ایک چوتھائی طالبات جنسی حملوں کا نشانہ بنتی ہیں، رپورٹ اسلام آباد (احمد نورانی) ستمبر 2015ء میں امریکہ کے انتہائی معروف اداروں ”ایسوسی ایشن آف امریکن یونیورسٹیز“ (اے اے یو)، امریکہ کی 27 نامور یونیورسٹیوں بشمول ہارورڈ یونیورسٹی نے ایک سروے منعقد کیا تھا جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ ایک چوتھائی طالبات یونیورسٹیوں کے کیمپس میں جنسی حملوں اور غلط طرز عمل کا نشانہ بنتی ہیں۔ اے اے یو نے 27 امریکی یونیورسٹیوں کی ڈیڑھ لاکھ طالبات سے جنسی حملے اور جنسی غلط طرز عمل کے بارے میں اپنے تجربات بیان کرنے کے حوالے سے سروے کیا تھا جس کے نتائج جاری کئے گئے ہیں۔ سروے میں معروف یونیورسٹیوں کی 1.23 فیصد انڈرگریجویٹ طالبات کی اس سال ہر جگہ جنسی حملے اور بڑے طرز عمل کا نشانہ بننے کی گونج

سنائی دی۔ جنسی ہراساں کرنا، حملہ کرنا یا برا طرز عمل ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے جو مختلف شدت کے ساتھ تمام کمیونٹیز میں پایا جاتا ہے۔ پاکستان کو بھی ایسے ہی مسائل کا سامنا ہے مگر ایسے سروے اور ریسرچ منعقد کرنے کے طریقہ کار کی غیر موجودگی میں اس مسئلے کی شدت کا اندازہ نہیں۔ بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی اور مختلف سکولوں اور مدرسوں میں لڑکوں کے ساتھ ہونے والے واقعات بار بار رپورٹ کئے جاتے ہیں مگر یکے بعد دیگرے آنے والی حکومتوں کی طرف سے اس ایشو پر بے حسی کے سبب اس مسئلے کی اصل سنگینی اور اس کی سطح کا کچھ پتہ نہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ اس سنگین مسئلے کے حل کے لئے بھی حکومت نے ٹھوس اقدامات نہیں کئے۔ اے اے یو سروے میں امریکی یونیورسٹیوں میں جبری جنسی حملوں اور جنسی برے طرز عمل پر مبنی سروے سے قطع نظر، یہ بات قابل ستائش ہے کہ کم از کم وہاں اس پر تشویش تو پائی جاتی ہے اور اس مسئلے کے حل کے لئے اقدامات بھی کئے جا رہے ہیں۔ سروے میں مجموعی طور پر 7.11 فیصد طلبہ نے بتایا کہ انہیں جبری طور پر جنسی حملے کے تجربے سے گزرنا پڑا جن میں جسمانی قوت یا جسمانی قوت کی دھمکیاں دی گئیں یا وہ بے بس ہو گئے۔ ان میں 1.23 طالبات بشمول 8.10 فیصد جنسی زیادتی کے عمل سے گزرنے والی طالبات شامل ہیں۔ ان حملوں میں یونیورسٹیوں کے حکام، قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں یا دیگر اداروں میں رپورٹ کرنے والوں کی شرح کم ہے جو 5 سے 28 فیصد کے درمیان ہے، کا احصار حملے کی خاص نوعیت پر تھا۔ سروے کے مطابق جنسی حملے یا جنسی برے طرز عمل کے واقعہ کی رپورٹ نہ کرانے کی سب سے عام وجہ اس پر سنجیدگی سے مناسب توجہ نہ دینا ہے۔ دیگر وجوہات میں پریشانی اور

تحفظ نسواں بل۔ نقد و تجزیہ اور متبادل حل

شرمندگی سے بچنے کے لئے یا بہت زیادہ جذباتی مشکل بھی شامل تھی۔ یا یہ کہ ان کے خیال میں اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں ہوگا۔ دس میں 6 طلبہ (3.63 فیصد) کا خیال تھا کہ جنسی حملے یا جنسی برے طرز عمل کا یونیورسٹی کیسپس کے حکام سنجیدگی سے نوٹس لیں گے۔

حرف آخر

پاکستانی عورت مسلمان ہے، یہاں کا معاشرہ مسلمانوں پر مشتمل ہے، پاکستانی ریاست کا سرکاری مذہب بھی اسلام ہے۔ ان تمام باتوں کا تقاضا ہے کہ پاکستانی عورت کے بہ حیثیت مسلمان، جو حقوق ہیں، وہ اسے اس کے مذہب اسلام کی رو سے ملنے چاہئیں اور حکومت کا بھی فرض یہ ہے کہ وہ اسلام کی روشنی میں ان کے حقوق کا تحفظ کرے۔ اس سے انحراف پاکستانی عورت کی بھی حق تلفی بلکہ اس پر ظلم ہے اور حکومت بھی اپنے حلف سے انحراف کی مجرم ہوگی۔ وما علینا الا البلاغ

نوٹ:

زیر بحث بل کے خالقین اور اس کے پس پردہ مخفی ہاتھ پاکستان کے مسلمان معاشرے کو جس مغربی معاشرے میں ڈھالنا چاہتے ہیں اس کی ایک جھلک آئندہ صفحے پر بعنوان ”مدرز ڈے“ ایک اخباری کالم ملاحظہ فرمائیں۔ پھر پاکستانی مسلمان فیصلہ کریں کہ ان کو وہ معاشرہ چاہئے جو اسلامی اخلاق و اقدار کا حامل ہو جس کے داعی علماء ہیں یا وہ مغربی معاشرہ چاہتے ہیں جس کی ایک بھونڈی اور مذموم کوشش تحفظ نسواں بل کے ذریعے سے کی گئی ہے۔

مغربی معاشرے کی ایک جھلک

پہلا مدرز ڈے

خلیل احمد نینی تال کا کالم

”روایتی طور پر ماؤں کا دن ہر سال کی طرح اس سال بھی پوری دنیا میں منایا گیا۔ میں 1970ء میں پہلی مرتبہ لندن گیا تھا تو میرے کاروباری انگریز دوست نے مجھے دوپہر کے کھانے پر مدعو کیا۔ وہ دوپہر میں مجھے ہوٹل سے لے کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا تو کہنے لگا کہ آج ہمارے لیے خوش قسمت دن ہے۔ میں نے پوچھا: کیا خاص بات ہے آج کے دن کو؟ تو بولا کہ آج مدرز ڈے ہے۔ میں اس دن سے قطعی ناواقف تھا، پوچھا وہ کیا ہوتا ہے؟ وہ بولا کہ آج کے دن ہر ماں اپنے بالغ بچوں سے ملنے کے لیے بے چین رہتی ہے اس کے بچے اس کے گھر آ کر تحفہ تحائف دیتے ہیں۔ ماں اس دن بچوں کے لیے کھانا پکاتی ہے اور ہر سال کی طرح کھانے پر گپ شپ ہوتی ہے، سارا دن اس میں گزر جاتا ہے۔ تو چونکہ میری ایک ہی بیٹی ہے وہ آج دوپہر ہمارے درمیان ہوگی اور اس کی طرح تم بھی مل لو گے اور ہمارا ایک اینڈ بہت اچھا گزرے گا۔ گھر پہنچا تو اس کی بیگم کچن میں طرح طرح کے کھانے بنانے میں مصروف تھی رسمی ہائے ہیلو ہوئی اور ہم دونوں ڈرائیونگ روم میں بیٹھ گئے۔ میں نے اس کو کریدا کہ اس کی بیٹی شادی شدہ ہے۔ کہا: نہیں وہ بالغ ہے، 20 سال کی ہے، اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ ہی رہتی ہے۔ بے ساختہ میری منہ سے نکلا: ”بغیر شادی کے“ وہ بولا ہاں اس میں کون سی نئی بات ہے، یہ ہمارے معاشرے کا حصہ ہے۔ ہم پہلے ایک دوسرے کو جاننے کے لیے کئی کئی

سال بغیر شادی کے ساتھ رہتے ہیں اگر دونوں کا مزاج مل جائے تو پھر رضامندی سے شادی کر لیتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو علیحدگی ہو جاتی ہے اور پھر نئے پارٹنر کی تلاش کرتے ہیں۔ اس دوران کوشش کرتے ہیں کہ کوئی بچہ وغیرہ نہ ہو۔ میں نے سوال کیا کہ اگر ہو جائے تو بولا کوئی بات نہیں یہاں والدین کے خانے میں صرف ماں کا نام ہوتا ہے تو بچہ ماں کے نام سے پوچھا جائے گا، جس کی قانونی حیثیت ہوتی ہے۔ اب اس نے جواب میں مجھ سے سوال کرنا شروع کر دیئے۔ وہ پاکستانی معاشرے سے ناواقف تھا۔ کہنے لگا تم لوگ مدرز ڈے، فادرز ڈے کس طرح مناتے ہو۔ اس وقت تک ہمارے ملک میں نہ شدت پسند تھے، نہ روشن خیال ہوتے تھے۔ سیدھے سادھے مسلمان ہوتے تھے۔ میں نے کہا ہم تو روز مدرز ڈے اور فادرز ڈے مناتے ہیں، وہ بولا کیسے؟ میں نے ساوگی سے کہا کہ وہ ہمارے ساتھ اور ہم ان کے ساتھ رہتے ہیں۔ بولا آپ لوگ بور نہیں ہو جاتے،، میں نے کہا کہ کیسی بوریت یہ تو ہمارے لیے نعمت ہوتے ہیں۔ اگر ہم غلطی کریں گے تو وہ ہمیں صحیح راہ دکھاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ وہ بولا پھر تم لوگ اپنی شادی کے لیے پارٹنر کیسے تلاش کرتے ہو۔ میں نے کہا اکثر ان ہی کی پسند ہماری پسند سمجھی جاتی ہے۔ البتہ وہ چناؤ کرتے وقت ہماری مرضی ضرور پوچھتے ہیں۔ وہ بولا ایسی بلائڈ شادیاں ناکام ہو جاتی ہے۔ میں نے کہا کہ 2 تہائی سے زیادہ کامیاب ہوتی ہیں۔ اس نے تعجب سے میری طرف دیکھا اور بولا یہ کیسے ممکن ہے۔ ہمارے میں تو 2 تہائی شادیاں اپنی پسند سے ہونے کے باوجود یکطرفہ یا دوطرفہ ناکامی کا شکار ہوتی ہیں۔ بمشکل 8 سے 10 فیصد شادی شدہ جوڑے آخری وقت تک نبھاتے ہیں۔ مگر

ہمارے یہاں علیحدگیاں کوئی پوچھیدہ نہیں ہوتیں کیونکہ طلاق کی صورت میں بھی لڑکیاں گھائے میں نہیں رہتیں۔ شوہر کی تمام جائیداد کا آدھا حصہ ان کو مل جاتا ہے۔ بچے کے بالغ ہونے تک اخراجات شوہر کو ادا کرنے پڑتے ہیں۔ علاج معالجہ ضروری تعلیم حکومت کے ذمہ ہوتا ہے۔ گھر نہ ہونے کی صورت میں حکومت گھر بھی دیتی ہے۔ اور بے روزگاری الاؤنس بھی اس کی ذمہ داری ہے۔ آخر وہ ہم سے 40 فیصد سے زیادہ ٹیکس کس لیے وصول کرتی ہے، حکومت کا کام ہی یہی ہے۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ دروازہ کھلا تو ایک خوبصورت لڑکی اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی اور باپ کو نظر انداز کرتی ہوئی پہلے کچن میں ماں سے ہیلو ہائے کیا، اپنے نئے بوائے فرینڈ سے ملوایا، پھر پلٹ کر ڈرائیونگ روم کی طرف آئی باپ سے ہیلو ہائے کی۔ باپ نے اس کو مجھ سے ملوایا، اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا، میں جھجکا، کیونکہ ہمارے ملک میں اس وقت تک ایسا رواج نہیں تھا۔ آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر ملایا، یہ میرا غیر خاتون کے ساتھ پہلا مصافحہ تھا۔ باپ لڑکے سے پوچھ رہا تھا کہ وہ اس کی بیٹی کے ساتھ کتنا مخلص ہے اور وہ کیا کرتا ہے اور آئندہ کا کیا پروگرام رکھتا ہے۔ وہ اس لڑکی کے لیے کندھے اچکا اچکا کر ہاں ہوں کرتا رہا، پھر کھانا بھی ماں سے خود لگوا یا۔ میرے دوست نے اٹھ کر بیگم کی مدد کی، مگر نہ لڑکا، نہ لڑکی نے کوئی مدد کی۔ جس کا مجھے بہت برا لگا۔

الغرض ہم کھانا کھا کر واپس ڈرائیونگ روم میں آ گئے، چائے اور کافی کا دور چلتا رہا۔ سہ پہر میرے دوست نے اپنی بیٹی سے پانی مانگا تو مجھے تعجب کی انتہا ہوئی کہ جب لڑکی نے منہ بنا کر کہا ڈیڈی تم ابھی تک کالوں کی طرح اپنا پانی خود لانے کے بجائے مجھ سے ہی

مانگتے ہو۔ بھول جائیے اب میں بڑی ہو گئی ہوں۔ تمام برتن بھی اس کی بیگم نے خود سیٹھے اور خود ہی اکیلے دھوئے۔ البتہ میرا دوست کبھی اس کی مدد کرتا رہا۔ پانی بھی اس نے خود جا کر پیا۔ یہاں معلوم ہوا کہ ہر شخص اپنا کام خود کرتا ہے۔ میاں بیوی مل کر اپنے اپنے حصے کا کام خود کرتے ہیں۔ صرف ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ شام ہوئی تو لڑکے نے لڑکی کی طرف دیکھا، لڑکی اٹھلاتی ہوئی اٹھی، ماں کو ایک تھیلا پکڑا یا اور ویش کیا، باپ کی طرف ہاتھ ہلاتے ہوئے مجھ سے بھی جانے کے لیے ہاتھ ملا کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ یہ میری زندگی میں مرزؤے کی پہلی یا دگاردادات ہوئی جو میں تعجب اور افسوس کے ساتھ غیر مسلموں کے درمیاں دیکھ رہا تھا اور ساتھ ساتھ سوچ رہا تھا کہ کم از کم ہم تو اپنے والدین کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم بھی آہستہ آہستہ امیری کے ساتھ ساتھ روشن خیالی کی طرف گامزن ہوتے گئے۔ اپنے پرانے اور پھر آہستہ آہستہ پرانے اپنے لگنے لگے۔ یہ سلسلہ اب کہاں تک جائے گا۔ راستہ ہم نے تو دیکھ لیا ہے، خیال اور کتنے روشن ہوں گے وہ اب ہمارے میڈیا اور معاشرے پر منحصر ہے اور جب وہ مجھے میرے ہوٹل چھوڑ کر واپس جا رہا تھا تو میں نے پوچھا کہ تم اپنے ماں باپ کے ساتھ مرزؤے اور فادرزؤے مناتے ہو، اس نے کہا کہ ہاں مناتے تھے۔ مگر اب ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ تب میں نے اس سے کہا کہ ہمارے والدین ہمارے ساتھ ہی رہتے ہیں اور ہر روز ہی ہمارے ماں باپ کے دن ہیں۔ اس نے کہا کہ تم خوش قسمت انسان ہو، اس خاندانی سلسلے کو منقطع نہیں کرنا ورنہ ہر سال ہماری طرح بچوں کے بغیر زندہ رہو گے“^①

عورت.... اقبال کی نظر میں

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں
مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدظن ہو گئے
دعظ میں فرما دیا کل آپ نے یہ صاف صاف
پردہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہو گئے



یہ کوئی دن کی بات ہے اے مرد ہوش مند
غیرت نہ تجھ میں ہوگی نہ زن اوٹ چاہے گی
آتا ہے اب وہ دور کہ اولاد کے عوض
کونسل کی ممبری کے لیے ووٹ چاہے گی



اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے وہ قد
کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند
اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش

مجبور ہیں معذور ہیں مردانِ خردمند
کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
آزادی نسواں کہ زمرہ کا گلوبند



نہ پردہ نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زن وہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد



تصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پردیں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بے چارہ زن شناس میں



(بانگِ درا اور ضربِ کلیم سے اقتباسات)

اے دخترِ اسلام

منظور وارثی

گنتی ہے کل کتنی بھلی شاخ چمن پر
 ہاتھوں میں پہنچ کر کوئی قیمت نہیں رہتی
 جو شمع سرعام لٹاتی ہے اجالے
 اس شمع کی گھر میں کوئی عزت نہیں رہتی
 تسلیم کہ پردہ ہوا کرتا ہے نظر کا
 نظروں میں بھی برداشت کی قوت نہیں رہتی
 مردوں کے اگر شانہ بشانہ رہے عورت
 کچھ اور ہی بن جاتی ہے عورت نہیں رہتی
 جھانک اپنے گریباں میں کیا ہو گیا تجھ کو
 حیرت سے تجھے تکتا ہے آئینہ ایام
 اے دخترِ اسلام

خود اپنی جڑوں پر ہی چلاتی ہے درانتی
 بربادی احساس نمو مانگ رہی ہے

کب بخشی گئی ہیں تجھے آزادیاں اتنی
جو حق ہی نہیں ہے ترا تو مانگ رہی ہے
میں تو ترے ماتھے پسینہ بھی نہ دیکھوں
مجھ سے مری غیرت کا لہو مانگ رہی ہے
جنت ہے تیرے پاؤں میں فرمایا نبی نے
دریا پہ کھڑی ہو کے سبو مانگ رہی ہے
وہ رجبہ عالی کوئی مذہب نہیں دیتا
کرتا ہے جو عورت کو عطا مذہب اسلام
اے دخترِ اسلام





A series of horizontal dotted lines for writing, spanning the width of the page.



A series of horizontal dotted lines spanning the width of the page, intended for writing.



A series of 20 horizontal dotted lines spanning the width of the page, intended for handwriting practice.